آغا حشر

اور

اُن کے ڈرامے

○

مرتبہ

وقار عظیم

○

ناشر

اُردو مرکز ○ گنپت روڈ لاہور

ترمیم شدہ ایڈیشن

بار دوم : مئی سنہ ۶۰ء

پبلشرز : اُردو مرکز، گنپت روڈ۔ لاہور

پرنٹرز : اختر پریس لاہور
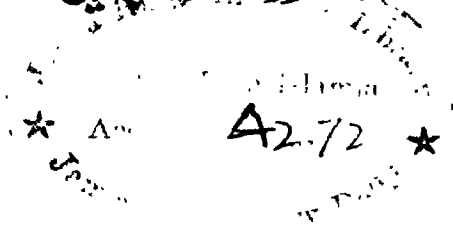
صدر دفتر

اُردو اکیڈمی سندھ

رحمت بلڈنگ ۔ نزد مسافر خانہ ۔ بندر روڈ ۔ کراچی ۔

ترتیب

دیباچہ طبع دوم

آغا حشر اور ان کے ڈرامے ۱۹۵۴ء میں ترتیب دیے گئے تھے اور اُسی سال شایع ہوئے تھے۔ ڈراموں کی اس ترتیب کو پڑھنے والوں کے مختلف حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، خصوصاً اس کے مقدمے کا ذکر ہر جگہ بہت اچھے لفظوں میں کیا گیا البتہ بعض حضرات نے اس کے کچھ ٹکڑوں سے اختلاف رائے بھی ظاہر فرمایا۔ ڈراموں کے متن میں بھی کچھ باتیں ایسی تھیں جن سے بعض صاحبان کو اتفاق نہیں تھا۔ چنانچہ متن اور مقدمے کے سلسلے میں احباب نے جو مشورے دیے میں انہیں نوٹ کرتا رہا اور اب جب کہ کتاب دوبارہ چھپ رہی ہے، ان مشوروں میں سے جو قابل قبول تھے یا جن سے کتاب کے متن اور مقدمے کے کسی نہ کسی طرح بہتر ہو جانے کا امکان تھا، ان سے پورا فائدہ اٹھا کر میں نے کتاب میں بہت سی ترمیمیں کر دی ہیں۔ ان ترمیموں کے بعد مجھے یقین ہے کہ کتاب پہلے سے اچھی ہو گئی ہے۔

کتاب کے مقدمے کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں ان تینوں حصوں میں خاصے اضافے کیے گئے ہیں اور اب اس کی ضخامت پہلے سے تقریباً دگنی ہو گئی ہے۔ اس حصے کو ڈرامے کے فن اور اردو ڈرامے

سے دلچسپی رکھنے والے قارئین عموماً اور طلبہ خصوصاً دلچسپی سے پڑھیں گے اور یہی میری محنت کا انعام ہے۔

کتاب کی طرف قارئین نے جو توجہ پہلی اشاعت پر فرمائی تھی وہ اب بھی قائم رہی تو کتاب انشاء اللہ پھر چھپے گی اور اس وقت اسے حتی الامکان زیادہ دلچسپ اور مفید بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مقصد مشوروں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

یونیورسٹی اورینٹل کالج
۲۸ر مارچ ۱۹۶۰ء

وقار عظیم

دیباچہ طبع اوّل

جو کام امتیاز علی تاج یا عشرت رحمانی کے انجام دینے کا ہو اور وہ کسی نہ کسی بنا پر اُس کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں تو وقار عظیم کو اس کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے۔ آغا حشر اور اُن کے ڈراموں کی ترتیب و تدوین کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے۔

یوں آغا حشر کے بعض ڈراموں کی تصحیح کر کے انہیں شائع کرنے کا خیال ایک اور وجہ سے بھی پیدا ہوا۔ فروری ۱۹۵۰ء میں ایم اے (اردو) کے طلبہ کو ناول اور ڈراما پڑھانے کا کام میرے سپرد ہوا تو بعض دوسری چیزوں کے علاوہ آغا حشر کے ڈراموں کی تلاش شروع ہوئی۔ بازار میں خاصی تلاش و جستجو کے بعد صرف تین ڈرامے کسی کباڑی کے یہاں سے دستیاب ہوئے۔ کچھ ڈرامے پنجاب پبلک لائبریری میں ملے اور کچھ محترمی امتیاز علی تاج صاحب کے کتب خانہ میں۔ پبلک لائبریری اور تاج صاحب کے ذخیرے میں وہ تینوں ڈرامے بھی موجود تھے جو میں نے کباڑی سے خریدے تھے۔ یہ سب ڈرامے لاہور

کے ناشر سنت سنگھ نے چھاپے تھے اور کاغذ اور کتابت کے گھٹیا پن کے علاوہ بے شمار اغلاط سے پُر تھے۔ مشہور ہے کہ ناشر صاحب کسی نہ کسی طرح اُن ایکٹروں کو اکٹھا کر لیتے تھے جنہوں نے آغا حشر کے ڈراموں میں پارٹ کئے تھے اور اُن کی زبان سے سُن سُن کر ڈرامے مرتب کروا لیتے تھے۔ اس طرح مرتب کئے ہوئے ڈراموں میں غلطیوں کا ہونا ناگزیر تھا۔ اوّل تو اس لئے کہ پارٹ ایکٹروں کے ذہن میں زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور دوسرے اس لئے کہ یہ ایکٹر اپنی کم علمی کی بنا پر آغا حشر کے مکالموں اور گانوں میں جو تحریف کر لیتے تھے اُس سے اصل کی صورت خاصی بدل جاتی تھی۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ ایکٹر ایک ڈرامے کا پارٹ دوسرے ڈرامے کے پارٹ میں ملا دیتا تھا اور اس طرح کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا مل کر یہ بھان متی کا پٹارا تیار ہو جاتا تھا۔ ڈرامے کا مسودہ یوں تیار ہو گیا تو وہ کاتب کے سپرد کیا گیا۔ کاتب نے اپنی طرف سے اس میں کچھ اصلاحیں دیں۔ کاپیاں پڑھنے والوں نے بھی حسب توفیق اس میں کچھ ترمیمیں اور اضافے کئے اور اس طرح کاپی چھاپہ خانہ پہنچ گئی —— سنگ سازی اور طباعت کی منزلیں آئیں تو عبارتوں اور لفظوں کی صورتیں اور مسخ ہو گئیں اور یوں جب آغا حشر کا کوئی ڈراما چھپ کر تیار ہوا تو اُس میں اور اصل میں بعض ایسے فرق پیدا ہو گئے جو تصور میں بھی مشکل سے آ سکتے ہیں۔ یہی ڈرامے ہیں جو تلاش و جستجو کے بعد کسی کباڑی کی دُکان سے کسی لائبریری سے یا کسی ادب نواز کے ذاتی سرمایہ میں مل جاتے ہیں۔ اور پڑھنے والا انہیں کو آغا حشر کے ڈرامے سمجھ کر پڑھنے پر مجبور ہوتا ہے —— لیکن حق یوں ہے کہ نہیں رنمنت سنگھ

کا بے حد ممنون ہونا چاہیئے کہ اُس نے جس طرح بھی ہو ان ڈراموں کو محفوظ کرنے کی صورت تو پیدا کر دی ۔ ورنہ عجب نہیں تھا کہ لوگ آغا حشر کے نام سے تو واقف ہوتے اور اُن کی بڑی بھلی کوئی چیز بھی دیکھنے تک کو نصیب نہ ہوتی۔

میں نے اپنے کام کی ابتدائی منزلوں میں انہیں غلط سلط ڈراموں سے کام چلایا ۔ لیکن جی یہی چاہتا رہا کہ یہ ڈرامے کسی نہ کسی طرح صحیح ہو کر منظر عام پر آسکتے ۔ طالب علموں کی ضرورت کے لیئے ان ڈراموں کو بار بار پڑھنے کا موقع ملا ۔ اور اس طرح بار بار پڑھنے سے کئی فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ پڑھتے پڑھتے کتابت اور طباعت کی بعض ایسی غلطیاں درست ہوتی رہیں جو سرسری مطالعہ کے بعد بھی محسوس کی جاسکتی ہیں ۔ بعض حصّوں پر بار بار غور کرنے سے اندازہ ہوگیا کہ ایڈیٹر یا کاتب نے کس لفظ کو کیا بنا دیا ہے ۔ آغا حشر کے کئی ڈرامے پڑھ کر اُن کے اُسلوب اور انداز کی بعض خصوصیتیں واضح طور پر سامنے آئیں اور ان خصوصیات کی روشنی میں بعض اغلاط کی درستی آسان ہوگئی ۔ اس کے باوجود بعض حصّے ایسے باقی رہ گئے جن کی طرف سے پورا اطمینان نہیں ہوا ۔ ان کے سلسلے میں اپنے بعض ایسے احباب سے رجوع کیا جنہیں آغا حشر کے ڈرامے اسٹیج پر دیکھنے اور آغا حشر سے ملنے کے موقعے ملے تھے ۔ بہت سے شکوک ان کی مدد سے رفع ہوئے ۔ اس ضمن میں میں اپنے محترم دوست سید امتیاز علی صاحب اور محبّی عشرت رحمانی کا خاص طور پر ممنون ہوں ۔

آغا حشر کے ڈرامے پڑھ کر اور حتی الوسع ان کی درستی کر لینے کے بعد بھی سوال یہ تھا کہ انہیں چھاپا کس طرح جائے ۔ اکثر احباب کا خیال تھا

کہ ڈرامے الگ الگ چھپیں لیکن میں نے یہ مناسب اور ضروری سمجھا کہ آغا حشر کے کم سے کم تین ڈرامے ایک مقدمے کے ساتھ شائع ہوں۔ اس نیت میں طالب علموں کا مفاد سب سے زیادہ پیش نظر تھا۔ تین ڈراموں کو یکجا کر کے چھاپنے کا فیصلہ کرنے کے بعد ایک کٹھن منزل یہ طے کرنے کی تھی کہ یہ تین ڈرامے کون کون سے ہوں۔ خاصے سوچ بچار کے بعد، اسیر حرص، خوبصورت بلا اور یہودی کی لڑکی کو ایک ساتھ چھاپنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلے میں کئی چیزوں کو دخل تھا۔

سب سے پہلی کوشش تو یہ تھی کہ مجموعے میں آغا حشر کے ایسے ڈرامے شامل ہوں جو ان کے فن کے مختلف ادوار کی نمائندگی کر سکیں اور جن سے اُن کے فن کے ارتقائی مدارج کا اندازہ لگانے میں سہولت ہو۔ چنانچہ اس مجموعے کے تینوں ڈرامے آغا حشر کے فن کے تین مختلف ادوار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آغا حشر نے مختلف دوروں میں کئی کئی ڈرامے لکھے ہیں۔ خیال یہ تھا کہ ہر دور کا وہ ڈرامہ چنا جائے جسے دوسرے ڈراموں کے مقابلے میں زیادہ شہرت اور قبولِ عام حاصل رہ چکا ہو۔ اس مجموعے کے ڈراموں میں خصوصیت خاص کی یہ تیسری بات یہ کہ آغا حشر کے تقریباً آدھے ڈرامے ایسے ہیں جن میں یا تو ہندی اور اردو کی آمیزش ہے یا وہ شروع سے آخر تک ٹھیٹ ہندی میں لکھے ہوئے ہیں۔ انتخاب کرتے وقت یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ صرف ایسے ہی ڈرامے لئے جائیں جن کی زبان خالصتاً اردو ہے۔

جس دور میں اسیر حرص لکھا گیا ہے اُس دور میں بعض اور ڈرامے بھی اتنے ہی مقبول رہ چکے ہیں۔ لیکن اسے اس لئے منتخب کیا گیا کہ یہ ایک انگریزی ڈرامے کا ترجمہ ہے۔ حشر نے انگریزی ڈراموں کا ترجمہ کرتے وقت اُن

کے ماحول اور فضا کو جس طرح بدل کر اپنی معاشرت کا رنگ چڑھایا ہے اس کا اندازہ اسیرِ حرص کے مطالعے سے بدرجۂ اتم کیا جا سکتا ہے۔

ان ساری باتوں کے باوجود ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب میرے انتخاب سے متفق نہ ہوں لیکن اس اختلاف کے باوجود وہ اس معاملے میں میرے ہم خیال ضرور ہوں گے کہ جو جو باتیں ڈراموں کا انتخاب کرتے وقت میرے پیش نظر تھیں یہ مجموعہ اُن کی وضاحت ضرور کرتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ خدا نے توفیق دی تو حشر کے دوسرے ڈراموں کو بھی مرتب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

جو ڈرامے اس مجموعے میں شامل ہیں اُن کے سلسلے میں ایک معذرت بےحد ضروری ہے۔ ان ڈراموں کے مزاحیہ حصوں میں بعض فقرے ایسے آ گئے ہیں جنھیں بلاشبہ عامیانہ کہا جا سکتا ہے لیکن اس طرح کے ٹکڑے خارج کر دینے میں دو قباحتیں پیش آتی ہیں پہلی تو یہ کہ کسی ایک ٹکڑے کے نکالنے سے اس کے آگے پیچھے کے بہت سے ٹکڑوں کا نکالنا ضروری ہو جاتا ہے اور اس طرح مکالمے میں وہ روانی باقی نہیں رہتی جو مصنف کا مقصود ہے۔ دوسری خرابی جو اس سے زیادہ شدید بھی ہے اور اہم بھی، یہ ہے کہ اگر اس طرح کی عبارتیں ڈرامے میں سے خارج کر دی جائیں تو ایسے شخص کی نظر سے جو حشر کے ڈراموں کا مطالعہ ایک طالب علم کی طرح کرنا چاہتا ہے ان ڈراموں کی ایک ایسی خصوصیت پوشیدہ رہے گی جو ان کے پورے فن پر اثرانداز ہوئی۔ حشر نے اپنے ڈراموں میں عموماً اور ان ڈراموں کے مزاحیہ حصوں میں خصوصاً عوام کے مذاق کی تسکین کو اپنا مطمحِ نظر بنایا ہے وہ ابتذال جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اسی خصوصیت کا شاخسانہ ہے اور اس لئے ہر "طالب علم" کو اسے بہرصورت گوارا کرنا پڑتا ہے۔

حشر کے یہ تین ڈرامے اب جس صورت میں ناظرین کے سامنے ہیں
اُس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اغلاط سے بالکل پاک ہیں یقیناً صحیح نہیں لیکن،
اس میں بھی شبہ نہیں کہ اب اُن میں غلطیاں پہلے سے بہت کم ہیں اور ان
کے مطالعے سے حشر اور ان کے فن کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ موجودہ
ایڈیشن میں ہر ممکن کوشش کے باوجود کتابت اور طباعت کی جو غلطیاں رہ
گئی ہیں اُن کے لئے معذرت ضروری ہے۔

وقار عظیم

یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور
۲۰ رمئی ۵۴ء

مقدّمہ

۱
ڈراما اور اس کا فن

مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں یونان کو ڈرامے کی تخلیق اور پرورش میں آغوشِ مادر اور گہوارۂ محبت کی حیثیت حاصل ہے اور اس لئے ان دونوں ملکوں میں اس صنفِ ادب کے ساتھ جو تصورات وابستہ ہوئے اور جن روایتوں نے جنم لیا انھیں کو آنے والی صدیوں میں بھی اس کے فنّی لوازم اور عناصر سمجھا گیا۔

یونانیوں نے ڈرامے کو جو کچھ سمجھا اس کا اظہار خود اس لفظ کی ساخت سے ہوتا ہے۔ لفظ ڈراما کی اصل یونانی ہے اور اس زبان میں اس کے معنی ہیں کر کے دکھانا۔ گویا یونانیوں کے نزدیک ڈرامے کا سب سے بڑا امتیاز اور اس کا بنیادی عنصر اس کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ کر کے دکھایا جائے۔ یہ ڈرامے کی بڑی سیدھی سادھی لیکن بڑی واضح اور روشن تعریف ہے۔ اور اس میں کسی شاعرانہ تخیل اور فلسفیانہ تاویل یا موشگافی کی گنجائش نہیں۔ ہندوستان میں ڈرامے کو جو کچھ سمجھا گیا ہے اس سلسلہ میں ایک بڑی دلچسپ روایت مشہور ہے۔ کہتے

ہیں کہ ایک مرتبہ دیوتاؤں کے دل میں اپنی ہموار سپاٹ اور بے تغیّر زندگی سے ایسی اُکتاہٹ پیدا ہوئی کہ وہ سب مل کر راجا اندر کے پاس گئے اور اپنی غیر دلچسپ اور بے مزہ زندگی کے لئے کسی دلچسپ مشغلے کے طالب ہوتے۔ راجا اندر نے کہا کہ چلو برہما کے پاس چلیں، ممکن ہے کہ کوئی صورت نکلے چنانچہ سب برہما کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی عرضداشت پیش کی۔ برہما نے تھوڑے سے سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب نکالی ---- انھوں نے رگ وید سے رقص، سام وید سے سرود، یجر وید سے حرکات و سکنات اور اتھروید سے اظہارِ جذبات کا طریقہ اخذ کرکے ایک پانچواں وید ترتیب دیا "ناٹ وید" اس وید کا نام ہوا۔ یہ عجیب و غریب نسخہ دیوتاؤں کے ہاتھ آیا تو وہ خوش خوش واپس آئے۔ یہی نسخہ آگے چل کر دنیا والوں کے لئے بھی شمع ہدایت بنا اور اسی کی بنیاد پر "شکنتلا" جیسے ناٹک لکھے گئے۔ ان ناٹکوں میں رقص و سرود کے علاوہ اظہارِ جذبات اور حرکات و سکنات کو جو جگہ دی گئی ہے وہی ہر ملک اور ہر زمانے میں ڈرامے کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ یہی خصوصیت ہے جس کا اظہار لفظ ڈراما کی اصل اور ساخت سے ہوتا ہے، اور یہی امتیاز ہے جس نے ڈرامے اور ان اصنافِ ادب کے مابین فنی اور تکنیکی فرق پیدا کئے ہیں جو انسانی زندگی کے واقعات کو کہانی کی شکل میں پیش کرتے رہے ہیں۔

کہانی نے ارتقا کی بے شمار منزلیں طے کرکے جو مختلف فنی شکلیں اختیار کی ہیں اُن میں ناول اور ڈرامے کا مقام سب سے اونچا اور ایک حیثیت سے سب سے اہم ہے لیکن اس کے باوجود کہ ان دونوں اصناف کے اجزائے ترکیبی ایک سے ہیں، فنی نقطۂ نظر سے دونوں میں بعض بنیادی فرق ہیں اور اس فرق کی وجہ ڈرامے کی وہی بنیادی خصوصیت ہے جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا۔

قصہ خواہ ناول کی شکل میں پیش کیا جائے، خواہ ڈرامے کی صورت میں اس میں واقعات اور اشخاص کا وجود ناگزیر ہے۔ واقعات ایک یا چند اشخاص کے ساتھ پیش آتے ہیں، کسی خاص وقت (یا مختلف اوقات میں) کسی خاص مقام (یا مختلف مقامات پر) پیش آتے ہیں اور لکھنے والا واقعات اور کرداروں کو ایک مخصوص نقطۂ نظر کے ماتحت ترتیب دیتا ہے۔ زندگی کے متعلق اس کا ایک مخصوص زاویہ ہے۔ وہی زاویہ واقعات اور کرداروں کی پیش کش میں مصنف کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ڈرامے اور ناول کے مشترک عناصر ہیں۔ لیکن فن کے نقطۂ نظر سے ناول اور ڈرامے میں ان مختلف عناصر کی اہمیت یک جیسی نہیں۔ ان ساری چیزوں کا انداز دونوں اصناف میں نئے نئے رنگ اور نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اور یہ نئے رنگ اور نئی صورتیں مقصد کے اس فرق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو ناول اور ڈرامے میں بنیادی طور پر موجود ہے۔ ناول پڑھے جانے کے لئے لکھا جاتا ہے اور ڈراما دکھائے جانے کے لئے۔

جو چیز دکھائے جانے (یا اسٹیج پر پیش کرنے کے لئے) لکھی جائے اس کے لکھتے وقت لکھنے والے کو کئی باتیں پیش نظر رکھنی پڑتی ہیں۔ اس چیز کے پیش کرنے میں اتنا زیادہ وقت نہ لگے کہ دیکھنے والے بیٹھے بیٹھے تھک جائیں یا دیکھتے دیکھتے اکتا جائیں۔ شروع سے آخر تک اس کے مختلف حصوں میں اتنی ہم آہنگی ہو کہ دیکھنے والے کی دلچسپی اور توجہ میں فرق نہ آئے۔ ان حصوں کی ترتیب اور ارتقا میں برابر ایسے عناصر موجود رہیں کہ دیکھنے والے کا اشتیاق تیز سے تیز تر ہوتا رہے۔ ڈراما لکھنے والے کو اپنا ڈراما ان ساری پابندیوں کو سامنے رکھ کر لکھنا پڑتا ہے۔

سب سے بڑی اور سب سے اہم پابندی وقت کی ہے یعنی ڈراما لکھنے والا کسی بڑے سے بڑے مسئلے کے متعلق بھی کچھ لکھنا چاہتا ہے تو اُسے اپنی ساری بات اتنے لفظوں میں ادا کرنی پڑتی ہے کہ اُس کا ڈراما ڈھائی، تین یا ساڑھے تین گھنٹے میں اسٹیج کیا جا سکے۔ اس مختصر سے وقت میں اُسے کئی کام کرنے ہیں۔ فن کے نقطۂ نظر سے اچھے پلاٹ اور اچھی کردار نگاری کے جتنے لوازم ہیں اُنھیں پیشِ نظر رکھے —— یعنی اُس کا پلاٹ پیچیدہ ہونے کے بجائے سادہ ہو، صداقت اور حقیقت کا مظہر ہو، زندگی کا ترجمان ہونے کے باوجود جدّت کا حامل ہو اور دلچسپ ہو، اُس کے کرداروں میں نہ عمومیت نہ ہو نہ مثالیت۔ وہ زندگی کا صحیح نمونہ معلوم ہوں، اس کے باوجود ان میں انفرادیت ہو اور یہ انفرادیت اُن کی رفتار اور گفتار پر چھائی ہوئی ہو۔ جس مسئلے پر ڈرامے کے موضوع اور پلاٹ کی بنیاد ہے وہ ڈرامے کے واقعات اور کرداروں کی گفتگو سے برابر واضح ہوتا رہے اور ڈراما ختم ہوتے ہوتے دیکھنے والے اُس سے پوری طرح متاثر ہو چکے ہوں۔ ڈرامے کے مختلف اجزا اپنی اپنی جگہ مکمل ہو کر بھی باہم اس طرح مربوط اور ہم آہنگ ہوں کہ ڈرامے کا مجموعی تاثر دیکھنے والوں پر گہرا ہو۔ لوگ ڈراما دیکھ کر نکلیں تو اس کے ایک یا دو کرداروں کا نقش اُن کے دلوں پر اتنا گہرا ہو کہ آسانی سے نہ مٹ سکے۔ یہ سب کچھ ڈراما نگار کو لفظوں کی ایک مقررہ حد کے اندر رہ کر کرنا ہے۔ تقریباً یہی ساری باتیں ناول نگار کو اپنے ناول میں بھی کرنی پڑتی ہیں لیکن اُس پر یہ پابندی نہیں کہ وہ اپنی بات اتنے ہی لفظوں میں کہے، اس سے زیادہ لفظوں میں نہیں۔ اور محض اسی آزادی نے اُسے اور بہت سی آزادیاں دی ہیں۔ سب سے بڑی آزادی جو ناول نگار کو حاصل ہے اور جس سے

ڈراما نگار بالکل محروم ہے یہ ہے کہ ناول نگار اپنے بیان کے ذریعے بے شمار باتیں اپنے ناظر کے سامنے لا سکتا ہے۔ وہ اپنے الفاظ کے ذریعے کسی خاص مقام یا کسی خاص وقت کی اتنی مکمل تصویر کھینچ سکتا ہے کہ اُس جگہ اور اُس وقت کا پورا سماں آنکھوں میں پھر جائے۔ ناول نگار کے مشاہدے نے اُسے کسی خاص مقام یا وقت کی جو چھوٹی سے چھوٹی جزئیات اور تفصیلات دیکھنے کا موقع دیا ہے وہ اُنھیں پوری آزادی اور تفصیل کے ساتھ بغیر کسی جھجک اور روک ٹوک کے اپنے ناول میں بیان کر سکتا ہے۔ اُسے اس بات کی پوری آزادی ہے کہ جس واقعے کا ذکر وہ اپنے ناول میں کر رہا ہے اُس کا ہر چھوٹے سے چھوٹا پہلو اپنے بیان کے ذریعے قاری کے سامنے پیش کر دے۔ اُسے یہ حق بھی حاصل ہے (اور وہ اس حق کا پوری آزادی سے استعمال کرتا ہے) کہ قصے میں آنے والے کرداروں کی ایسی ایسی باتیں پڑھنے والوں کو بتائے جن کا علم اُس کے بتائے بغیر کرداروں کے عمل اور اُن کی گفتگو سے اُنھیں ہرگز نہ ہوتا۔ ناول نگار کو اس کا بھی پورا موقع حاصل ہے کہ زندگی کے کسی خاص مسئلے یا موضوع سے متعلق اُس کے خاص طرح کے جذبات اور رجحانات نے چیزوں پر جس طرح کا رنگ چڑھایا ہے، یا اُس کے فکر و تخیل نے حقائق کو جو نئی شکلیں دی ہیں اُنھیں وہ جب اور جس طرح چاہے بیان کرے۔ مختصر یہ کہ ناول نگار اس طرح کے قیدو بند میں گرفتار نہیں کہ اُسے ہر جگہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑے۔ اُس پر یہ پابندی بھی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو واقعات یا کرداروں سے الگ تھلگ رکھے۔ وہ تو ایک ایسا ناظر ہے کہ ہر واقعہ اُس کے سامنے پیش آتا ہے اور ایسا سامع کہ ہر بات اس کے سامنے کہی جاتی ہے۔ مناظر، واقعات، کردار، اُس کے حلقہ بگوش اور اُس کی جنبشِ قلم کے محتاج

اور دست نگر ہیں اور اس لئے وہ اپنے اس مرتبے اور حیثیت سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن ڈراما نگار کی حیثیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اُس پر اس پابندی نے کہ ڈراما ایک محدود مدت میں اسٹیج پر پیش کیا جا سکے بہت سی سخت پابندیاں لگا دی ہیں۔

سب سے بڑی پابندی تو یہی ہے کہ اسے اپنے آپ کو اسٹیج سے بالکل الگ رکھنا پڑتا ہے۔ وہ نہ واقعات کو دیکھ کر ان پر رائے زنی کر سکتا ہے، نہ کرداروں کے متعلق اپنی زبان سے کچھ بیان کر سکتا ہے اور نہ منظرکشی میں بیانیہ انداز اختیار کر سکتا ہے۔ یعنی بیان کی وہ آزادی جو ناول نگار کو پلاٹ کی پیش کشی، کرداروں کی مصوری، منظرکشی یا نقطۂ نظر کی وضاحت اور اظہار میں قدم قدم پر حاصل ہے، یہاں قطعی نہیں اور اس لئے اسے اس کی تلافی دوسرے طریقوں سے کرنی پڑتی ہے۔ یہی دوسرے طریقے اس کے پلاٹ کی ترتیب اور اس کی کردار نگاری کے انداز کو ناول کے پلاٹ کی فنی ترتیب اور کردار نگاری سے بالکل مختلف بنا دیتے ہیں۔

پلاٹ کے سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ڈراما نگار کو اپنے پلاٹ کی ترتیب اور اس کے مختلف اجزا میں ربط اور ہم آہنگی پیدا کرتے وقت بڑے اختصار اور ایجاز سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ پلاٹ کو مرتب کرتے وقت کوئی ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کر سکتا جو کسی نہ کسی طرح پلاٹ کو آگے بڑھنے میں مدد نہ دے یا جس سے کسی نہ کسی طرح واقعات کی وضاحت یا کردار کی صراحت نہ ہوتی ہو۔ اسے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اس بیانیہ اظہار کی تلافی کرنی پڑتی ہے جو ناول نگار کا ایک بیحد مفید، موثر اور نتیجہ خیز حربہ ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ڈرامائی مجبوریوں کی وجہ سے پلاٹ کا میلان خود اختصار

دکی طرف ہوتا ہے اس لئے اس کے ذریعے بیانیہ اظہار کی کمی کی تلافی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتی ہے اور اس لئے اس کمی کو پُورا کرنے کے لئے ڈراما نگار کرداروں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چونکہ کرداروں کی گفتگو اور ان کی حرکات و سکنات میں اس بات کے بے پایاں امکانات موجود ہیں کہ وہ پلاٹ کے اُن خالی حصّوں کو بھی مکمل کر سکیں جو ڈراما نگار کو اختصار کے پیش نظر مجبوراً چھوڑنے پڑتے ہیں اور بیانیہ ٹکڑوں کی بھی پُوری پُوری تلافی کر سکیں اس لئے پلاٹ سے کہیں زیادہ اُسے کرداروں کو اپنی توجہ کا مرکز بنانا پڑتا ہے۔ اور اس طرح فنّی نقطۂ نظر سے ڈرامے کو واقعات کی کہانی ہونے کے بجائے کرداروں کی کہانی بننا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول اور ڈرامے کا فرق بیان کرتے وقت بعض نقادوں نے ایک کو واقعات کی اور دوسرے کو کرداروں کی کہانی کہا ہے۔ اور ہم ڈرامے کی عظمت کا اندازہ واقعات کی دل کشی اور اُن کے انوکھے پن سے نہیں بلکہ کرداروں کی عظمت و شکوہ یا اُن کی ناقابلِ فراموش انفرادیت سے لگاتے ہیں۔ کوئی اچھا ڈراما دیکھ چکنے کے بعد دیکھنے والوں کے ذہن پر واقعات کی شدت، اہمیت یا دلچسپی کا نہیں بلکہ ایک یا ایک سے زیادہ کرداروں کی انفرادی شخصیت کا نقش قائم ہوتا ہے اور وہ ان میں سے بعض کی باتوں کو مدّتوں اس طرح یاد رکھتے ہیں جیسے ہم کسی غیر معمولی شخص سے ملنے کے بعد مدتوں اور بعض اوقات ہمیشہ اُسے یاد رکھتے ہیں۔

کردار کی گفتگو اور اس کی حرکات و سکنات سے جہاں ایک طرف کردار کی شخصیت اور اس شخصیت کے انفرادی پہلو اُبھرتے اور اُجاگر ہوتے ہیں دوسری طرف اُنہیں دونوں چیزوں سے ڈراما نگار اور بہت سے کام لیتا ہے۔ کردار اپنی گفتگو سے اور اپنی حرکات سے پلاٹ کے چھُپے ہوتے حصّوں کی تکمیل

کرتے جاتے ہیں، وہ اُنھیں دونوں چیزوں سے کہانی کو برابر آگے بڑھاتے ہیں۔ یہی دونوں چیزیں ناظر کی اُس توجہ کو (جو ڈرامے سے لطف اندوز ہونے کی بڑی ضروری شرط ہے) برقرار اور قائم رکھنے کا سب سے مؤثر وسیلہ ہیں۔ یہی دونوں چیزیں ارتقا کی ساری منزلیں طے کرنے میں پلاٹ کی رہنما بنتی ہیں اور اُنھیں کے سہارے سے اُس کی ابتدا، اُس کے نقطۂ عروج اور اُس کے خاتمے میں صحیح قسم کا ربط، تسلسل اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور یہی دونوں چیزیں اُس مجموعی تاثر کو برقرار رکھنے کی خدمت انجام دیتی ہیں، جو ہر اچھے ڈرامے کا طرۂ امتیاز ہے۔

ڈرامے میں کرداروں کو ایک اور اہم خدمت بھی انجام دینی پڑتی ہے۔ چونکہ ڈراما نگار کو ڈرامے میں کسی ایک جگہ بھی خود کچھ کہنے یا ناظرین کے سامنے آنے کا موقع نہیں ملتا اس لئے وہ کسی مسئلے سے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کسی نہ کسی کردار کی زبانی کرتا ہے۔ وہ ڈرامے کے بہت سے کرداروں میں سے کسی ایک کو اپنا ترجمان بناتا ہے اور اس لئے اس کردار کو ایک طرف تو اُس فرض کی تکمیل کرنی پڑتی ہے جو قصے کے کردار کی حیثیت سے اُس پر عائد ہوتا ہے اور دوسری طرف اس اہم منصب کو پورا کرنا پڑتا ہے جو مصنف کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے اُس کے ذمّے آپڑا ہے۔

غرض یہ اور ان سے پیدا ہونے والی بہت سی پیچیدگیاں ہیں جو ڈراما نگار کی قصہ گوئی کے راستے میں حائل ہوتی ہیں۔ اُسے پلاٹ، کردار اور نقطۂ نظر تینوں چیزوں کے تکنیکی اصولوں اور فنی لوازم کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے ہر ایک کو ایک نیا انداز دینا پڑتا ہے اور اس طرح پلاٹ کی ترتیب، کرداروں کی مصوّری اور نقطۂ نظر

کی وضاحت میں اُس کا راستہ وہ راستہ نہیں ہوتا جو ناول نگار معمولاً اختیار کرتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس راستے میں جتنے کانٹے ہیں ناول نگار کے راستے میں نہیں۔ اسی لئے فن کار کی حیثیت سے اُس کا کام دشوار تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فن نے ڈراما نگار کو بعض ایسی آزادیاں دی ہیں جو منطقی اور فلسفیانہ تجزیے کی تاب تو نہیں لاسکتیں لیکن اُن کی حیثیت چونکہ ایک مستقل مفاہمت یا سمجھوتے کی سی ہے اس لئے ڈراما نگار انھیں حقیقت اور صداقت کے منافی سمجھنے کے باوجود ان سے جب اور جس طرح چاہے کام لے سکتا ہے۔ ڈراما نگار جانتا ہے کہ فن نے اُس پر جو طرح طرح کی پابندیاں عائد کی ہیں اُن کی تلافی کے طریقے بھی خود ہی پیدا کئے ہیں اُسے اس کی اجازت دی ہے کہ حقیقت اور صداقت کی جستجو میں وہ حقیقت کے راستے سے انحراف کرے۔ فن کی دنیا میں حقیقت سے یہ انحراف کرتے وقت اُس کے ذہن میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ اُس کے مخاطب (یا تماشائی) اُس کے اس انحراف کو انحراف سمجھنے کے بجائے فن کا ایک لازمی حصہ سمجھ کر اور اپنے اور ڈراما نگار کے درمیان ایک مقدس معاہدہ جان کر قبول کریں گے۔ اور ان سے مکدر ہونے کے بجائے سرور و انبساط کا وہ سرمایہ حاصل کریں گے جو صرف ادبی اور فنی تخلیقات ہی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ ڈرامے کی دُنیا میں بھی ڈراما نگار کو بعض اس طرح کی سہولتیں حاصل ہیں جو اب ڈرامے کے فن کی روایت بن گئی ہیں۔ ان سہولتوں میں سے بعض کی حیثیت عارضی ہے اور بعض کی مستقل اور انھیں ڈراما نگاری کی تاریخ اور اس تاریخ کے مختلف اَدوار میں بڑی کامیابی کے ساتھ برتا گیا ہے۔

انھیں سہولتوں کا فنی نام ڈرامے کے فن کے سمجھوتے یا "ڈرامائی مفاہمتیں"

ہے۔ ان مفاہمتوں کو اپنے اور ڈراما نگار کے درمیان فنی معاہدہ سمجھ کر تماشائی جب ڈراما دیکھنے بیٹھتا ہے تو اس کے باوجود کہ اُن کا انداز عموماً غیر فطری اور زندگی کے مشاہدات اور حقائق کے خلاف ہوتا ہے وہ انھیں نہ صرف ذہنی طور پر قبول کرتا ہے بلکہ اُن سے پورا لطف بھی لیتا ہے۔ مثلاً ابتدائی عہد کا اُردو ڈراما دیکھتے وقت (یا پڑھتے وقت) جب ہمیں ڈرامے کے کردار نظم میں گفتگو کرتے سنائی دیتے ہیں یا اپنے جذبات و محسوسات کا اظہار شعر گُنگنا کر کرتے ہیں، یا مسترت بخش یا درد انگیز اور پُرسوز نغمہ گاتے ہیں تو ہمیں ان میں سے کسی بات سے الجھن نہیں ہوتی بلکہ شعر کی نغمگی اور طرزِ ادا کا ترنم اور گداز ہمارے جذبات کو متاثر کرتا ہے۔ ہم سنجیدہ سے سنجیدہ ڈرامے میں ہر کردار سے سلجھی ہوئی مرتب، منظم، مربوط اور شستہ باتیں سننے کی توقع رکھتے ہیں، حالانکہ زندگی میں کسی شخص کو ہم دیر تک اس طرح کی باتیں کرتے سنیں تو ہمیں سخت حیرت ہو۔ ہم اسٹیج کا ڈراما دیکھتے ہوئے ڈرامے کے ہر منظر کو اس طرح دیکھنے کے عادی ہیں جیسے کسی طرح کا پردہ ہمارے اور منظر کے درمیان حائل نہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسٹیج پر جو واقعہ پیش آتا ہوا دکھایا گیا ہے وہ کسی کی پوشیدہ خواب گاہ یا مقفل قید خانے میں پیش آتا ہے، جہاں نظر کی رسائی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ اسٹیج پر دو کردار سرگوشی کرتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں اور اُن کی سرگوشی کی آواز اسٹیج کے آخری سرے پر بیٹھے ہوئے تماشائی کو بھی سنائی دیتی ہے۔ ڈرامے کا کوئی منظر کسی ویران صحرا میں پیش آیا ہے۔ اس سنسان ویران صحرا میں کردار نہ صرف اپنے دل کی بات گا کر ہم تک پہنچاتا ہے بلکہ اُس کے گیت کے ساتھ سازوں کی پوری سنگت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے اور تماشائی کو نہ صرف یہ کہ ان میں سے کسی چیز کے غیر فطری، غیر مناسب، بے محل ہونے کا احساس

نہیں ہوتا بلکہ یہ سب چیزیں سرمایۂ سرور و انبساط بنتی ہیں اور اس سرور و انبساط کی بنیاد وہ مفاہمت ہے جو ڈراما نگار اور تماشائی کے درمیان قائم ہے۔ اور وہ فنی آزادی ہے جو ڈراما نگار کو اس لئے ملی ہے کہ اُس سے اُس کے فن نے بعض آزادیاں چھینی ہیں اور یہ آزادیاں چھین کر اُس پر بعض قید و بند لگائے ہیں۔

پلاٹ اور کرداروں کے نقطۂ نظر سے ان بہت سی مفاہمتوں میں سے جو ڈرامے کے فن کی روایت کا جزو ہیں وہ خاص طور پر سے بڑی دلچسپ اور بعض حیثیتوں سے بڑی اہم ہیں۔ ان سے ڈراما نگاروں نے اپنے فنی عمل کی بہت سی دشواریوں کو آسان بنایا اور بہت سی قیدوں کو توڑا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام خود کلامی (SOLILOQUY) اور دوسرے کا ASIDE ہے۔

خود کلامی کسی کردار کی اُن باتوں کا فنی نام ہے جو وہ کسی دوسرے کو سنائے بغیر بلند آواز میں اپنے آپ سے کرتا ہے۔ انسانی زندگی میں (اور اس لئے ڈرامے میں بھی) انسان (یا کردار) کے سامنے کبھی کبھی ایسے مواقع آتے ہیں جب وہ دل ہی دل میں دُنیا زمانے کی باتیں سوچتا اور ان سے طرح طرح کے نتیجے نکالتا ہے۔ انسان اپنے دل سے جو باتیں کرتا ہے وہ اُس کا ایسا راز ہے جس کی خبر اُس کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتی۔ ناول نگار انسان کے دل کے ان گوشوں کا بھی جائزہ لے لیتا ہے اور اس کے ذریعے سے چھپی ہوئی راز کی بات آشکارا ہو جاتی ہے۔ ڈراما نگار کی رسائی نہاں خانۂ دل تک نہیں، اس لئے وہ کرداروں کے دلوں کی بات سامعین اور ناظرین تک پہنچانے کے لئے خود کرداروں کو اپنے آپ سے گفتگو کرتا ہوا دکھا دیتا ہے اور جو بات ڈرامے کے دوسرے کرداروں کے لئے ایک راز کی حیثیت

رکھتی ہے وہ ڈراما دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتی ہے۔

خود کلامی سے دُنیا کے اکثر بڑے بڑے ڈراما نگاروں نے کام لیتے ہیں، شیکسپیر اور مولیر جیسے عظیم ڈراما نگاروں کے یہاں بھی اس کا استعمال بارہا کیا گیا ہے۔ اُردو کے ڈراما نگاروں نے بھی (خصوصاً آغا حشر نے) اسے طرح طرح صرف کیا ہے۔ لیکن خود کلامی کو اچھے ڈراما نگاروں نے جس انداز سے صرف کیا ہے۔ اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خود کلامی صرف پلاٹ کو آگے بڑھانے یا تماشائی کے لئے بعض معلومات مہیا کرنے کے لئے استعمال کی جائے تو اُسے مستحسن اور پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔ اچھے ڈراما نگاروں نے اسے ہمیشہ کردار کی ذہنی اور جذباتی کش مکش اور اُس کی اندرونی کیفیتوں کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔

اسی طرح کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کردار اسٹیج پر کسی دوسرے کردار سے گفتگو کر رہا ہے۔ لیکن گفتگو کرتے کرتے وہ دو قدم داہنے یا بائیں ہٹ کر یا کبھی کبھی صرف گردن موڑ کر ایسی بات کہہ دیتا ہے جو دوسرے کردار کی کسی بات کی وضاحت کرتی ہے، کسی اُلجھن کو دور کرتی ہے یا کسی آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس طرح کہی جانے والی نکتہ کی یہ بات گو دوسرے کردار یا کرداروں کے اتنے قریب رہ کر کہی جاتی ہے کہ وہ لازمی طور پر اسے سُن سکتے ہیں لیکن کردار کا دو قدم اِدھر اُدھر ہو جانا یا محض اپنی گردن کو کسی طرف جھکا کر کوئی بات کہہ دینا اس بات کا فنی اشارہ ہے کہ یہ بات اسٹیج پر کام کرنے والے کرداروں کو نہیں بلکہ ڈرامے کے سامعین اور ناظرین یا تماشائیوں کو سُنانے کے لئے کہی گئی ہے۔ کردار کے اسی فنی طرزِ عمل کو اصطلاح میں ASIDE

کہا گیا ہے ۔

کہانی کے متعلق اب اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا کہ کہانی کا کوئی مقصد ہونا چاہیئے یا نہیں ۔ فن کو خالص فن سمجھنے والوں اور اُسے زندگی کا تابع یا خدمت گزار کہنے والوں میں ہمیشہ سے ایک کشاکش رہی ہے لیکن یہ کشاکش اب اگر ہے تو محض رسمی ، اس لئے کہ ہر فن کے متعلق اور خصوصاً کہانی کے متعلق اب ہر نقطۂ نظر کے لوگوں کا خیال ہے کہ اُسے کبھی نہ کسی مقصد کا حامل ہونا چاہیئے اور اس لئے ناول اور ڈرامے کا تجزیہ کرتے وقت بھی اس بات کو ایک مسلمہ حقیقت سمجھا جاتا ہے کہ یہ دونوں زندگی کے کسی نہ کسی مسئلے کو اپنا موضوع بناتے ہیں ۔ لیکن ڈرامے میں شروع ہی سے اس خاص معاملے میں ایک خصوصیت برتی گئی ہے ۔ وہ یہ کہ ڈرامے میں لکھنے والا جس مسئلے کو چھیڑتا ہے اُس کی حیثیت نزاعی ہوتی ہے ۔ ڈرامے میں ڈرامانگاروں نے عموماً کسی نہ کسی ایسے مسئلے کو بنیادی یا مرکزی جگہ دی ہے جس میں کش مکش ، تصادم اور جنگ کا عنصر نمایاں ہو ۔

یہ کش مکش یا تصادم کئی صورتوں میں رونما ہوتا ہے ۔ کبھی نیکی اور بدی کی صورت میں ، یعنی ڈرامے میں خیر و شر کے عناصر آپس میں برسرِ پیکار ہوتے ہیں ۔ کبھی انسان اپنی قسمت سے نبرد آزمائی کرتا نظر آتا ہے ، کبھی اُس کی ٹکر معاشرے کے رسم و رواج سے ہوتی ہے ، کبھی یہ کش مکش خود انسان کی اپنی ذات میں رونما ہوتی ہے ۔ غرض اس کش مکش یا تصادم کو ڈرامے کا ایک لازمی جزو سمجھا گیا ہے ، اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس جنگ ، کشمکش یا تصادم کی ابتدا پلاٹ کی ابتدا اور اس کا خاتمہ پلاٹ یا ڈرامے کا خاتمہ ہے ، ابتدا اور انتہا کے بیچ میں واقعات کا اُتار چڑھاؤ کرداروں کی حالتوں میں

تبدیلی، کبھی ہار، کبھی جیت، کبھی تذبذب، اُلجھنیں، سلجھاؤ غرض پورے ڈرامے میں واقعات اور کرداروں کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ ڈراما اسی طرح کے اُتار چڑھاؤ سے شروع ہوتا ہے اور ایک خاص منزل تک پہنچتے پہنچتے واقعات کوئی نہ کوئی ایسا رُخ اختیار کر لیتے ہیں کہ پھر اُسی سمت اور راستے پر چلتے رہتے ہیں۔ اگرچہ پڑھنے والے کے اشتیاق یا اس کے دل کی دھڑکنوں کو بڑھانے اور قائم رکھنے کے لئے ڈراما نگار ان واقعات کو ہلکے ہلکے موڑوں کی طرف موڑتا رہتا ہے لیکن اُس کا اصل مقصود وہی راستہ ہوتا ہے جو اُس نے ان کے لئے مقرر کر لیا ہے۔ ہر ڈرامے میں واقعات کا ایک راستہ ہوتا ہے۔ اس راستہ کا نقطۂ آغاز کوئی ایک واقعہ یا کئی واقعات ہوتے ہیں جن سے اس کش مکش یا تصادم کی ابتدا ہوتی ہے۔ دوسری منزل واقعات کا وہ ارتقا یا اُن کی وہ پیچیدگی ہے جہاں یہ تصادم برابر بڑھتا اور شدید تر ہوتا رہتا ہے لیکن دیکھنے والے یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ دو متصادم قوتوں میں سے فتح کس کی ہوگی۔ تیسری منزل منتہا یا نقطۂ عروج ہے، جہاں کش مکش اپنی انتہا کو پہنچتی ہے اور دیکھنے والوں کے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی ہے۔ ڈرامے کی چوتھی منزل وہ ہے جس پر پہنچتے پہنچتے یہ اندازہ ہونے لگتا ہے کہ کامیابی کس کی ہوگی۔ چوتھی منزل سے آخری منزل تک کامیابی کے قرائن اور زیادہ یقینی ہو جاتے ہیں اور خاتمہ ساری کش مکش کو ختم کر دیتا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر ڈرامے کی ابتدا تقریباً ایک سی ہوتی ہے۔ ڈرامے کا مرکزی کردار کسی بات کا طالب اور آرزو مند ہوتا ہے۔ اُس کے سامنے کوئی خاص مقصد یا نصب العین ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اُس کی کوشش عمل کے آغاز کا سبب بنتی ہے۔ حصول کی اس کوشش

کے راستے میں کوئی نہ کوئی چیز حائل ہوتی ہے۔ اور یہی حائل ہونے یا رکاوٹ پیدا کرنے والی چیز یا قوت ہیرو کی قوتِ ارادی کے لئے تازیانہ بنتی اور اُس کے عمل میں قوت اور زور پیدا کرتی ہے۔ مرکزی کردار یا ہیرو کو جس حد تک اپنے مقصد اور نصب العین سے قریبی لگاؤ ہے، جس حد تک اُسے اس کی نوعیت اور اہمیت کا احساس ہے اُسی حد تک اُس کی قوتیں ایک مرکز پر مجتمع ہو کر اپنے مقصد، نصب العین یا منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہوں گی اور اُسی حد تک زیادہ استقلال سے سدِ راہ بننے والی اُن قوتوں کا مقابلہ کر کے اُن پر غالب آنے کی کوشش کریں گی۔ ہیرو کے راستے میں حائل ہونے والی ان قوتوں کی نوعیت کبھی تو ایسی ہوتی ہے کہ اس کا استقلال اور سرگرمی اُن پر حاوی آ کر اُسے کامران و ظفریاب بناتی ہے، اور کبھی ان رکاوٹوں کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ ہیرو اپنی ہر کوشش سے کام لینے اور ہر قوت صرف کرنے کے باوجود انھیں دور کر کے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوسری صورت میں ڈرامے کا انجام المیہ ہوتا ہے۔

ناول کے مقابلے میں ڈرامے میں کش مکش اور تصادم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے بعض ایسی باتیں کہی گئی ہیں جن سے ڈرامے میں اس کی مرکزی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے۔ والٹیر نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "ڈرامے کے منظر کو کبھی کش مکش یا جنگ کا منظر ہونا چاہیئے۔" SCHLAGEL نے المیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انسان کی اخلاقی آزادی المیہ کا موضوع ہے اور اخلاقی آزادی کی قوت صرف اُس وقت اُبھرتی یا نمایاں ہوتی ہے جب وہ SENSUOUS IMPULSES سے متصادم اور برسرِ پیکار ہو۔ گوئٹے نے ناول اور ڈرامے کے ہیرو کا فرق بیان کرتے

ہوتے ڈرامے کی اسی بنیادی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔
"ناول کا ہیرو غیر فعال ہو سکتا ہے لیکن ڈرامے کے ہیرو کے لئے فعال ہونا لازمی ہے اس لئے کہ واقعات بہر صورت اُس کے خلاف ہوتے ہیں اور اُس کا کام یہ ہے کہ وہ یا تو راستہ روکنے والی رکاوٹ کو اپنے راستے سے ہٹا کر اپنا راستہ صاف کرے یا اُن سے مغلوب ہو جائے"۔ انگریزی ڈرامے کے مشہور نقاد بریڈلے نے المیہ ڈراموں میں کش مکش کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کش مکش اور تصادم کی اُن سب کیفیتوں کا خلاصہ پیش کیا ہے جن سے ڈرامے کی تشکیل و تعمیر ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "المیہ میں کسی نہ کسی قسم کی کش مکش یا تصادم کا موجود ہونا ضروری ہے ـــــــ جذبات کا تصادم، افکار، خواہشات، مقاصد کا تصادم، انسانوں کا تصادم ایک دوسرے کے ساتھ، حالات اور ماحول کے ساتھ اور خود اپنی ذات کے ساتھ"

ڈرامے میں تصادم اور کش مکش کو جو بنیادی حیثیت دی گئی ہے اُس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دُنیا کے بڑے بڑے ڈراموں کا فنی تجزیہ کرتے وقت نقادوں نے اسی بنیادی حیثیت کو پیش نظر رکھا ہے اور اس طرح عظیم فن کاروں کی تخلیقات پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی ڈرامے کی فنی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اسی بات پر ہے کہ اُس میں تصادم یا کش مکش کی اس کیفیت کی کس حد تک شدت یا خفت یا زیادتی یا کمی ہے۔
ڈرامے میں واقعات کے اُتار چڑھاؤ کی بدلتی ہوئی صورتوں اور حالتوں کا انحصار اسی کش مکش اور تصادم پر ہے۔ لیکن چونکہ تصادم اور کش مکش کی نوعیت ہمیشہ ایک سی نہیں ہوتی اس لئے ڈراموں میں واقعات کے اُتار چڑھاؤ کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ واقعات کے اُتار چڑھاؤ کی اس کیفیت کو نقادوں نے

نقشوں کے ذریعے ظاہر کیا ہے اور مختلف قسم کے ڈراموں کو پیش نظر رکھ کر انھیں تین مختلف نقشوں کی شکل دی گئی ہے۔ وہ نقشے یہ ہیں۔
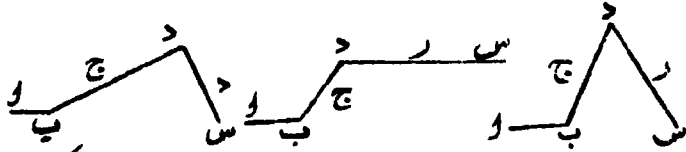
ان تین نقشوں میں الف تمہید یا تعارف کا نقطہ ہے۔ یہاں لکھنے والا عموماً ڈرامے کے کرداروں کو آہستہ آہستہ ہم سے روشناس کرانا شروع کرتا ہے اور الف سے ب تک آنے والے واقعے کے لئے زمین ہموار ہوتی ہے۔ ب سے ج تک واقعات آہستہ آہستہ اُبھرتے، آگے بڑھتے اور ارتقار کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ ج سے د تک واقعات کا ارتقار تیز تر اور شدید تر ہوتا ہے۔ د اُن کا منتہا یا نقطۂ عروج ہے، د سے ر تک واقعات کے سفر کا وہ دور ہے جس میں کسی ایک شخص یا جماعت کی کامیابی کے قرائن زیادہ یقینی ہو جاتے ہیں۔ ر سے س تک واقعات آہستہ آہستہ اور کبھی کبھی بڑی تیزی سے خاتمے تک پہنچتے ہیں۔

واقعات کے سفر کی یہ ساری منزلیں ڈراما نگار کی فنی چابک دستی کے امتحان اور آزمائش کی منزلیں ہیں۔ تعارف کا حصّہ اس لئے اہم اور فن کے نقطۂ نظر سے مشکل ہے کہ اسی منزل پر ڈراما نگار دیکھنے والے کو توجہ اور شوق کے اُس راستے پر ڈالتا ہے جس پر چل کر لکھنے اور دیکھنے والے کے درمیان ارتباط اور وابستگی کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور دیکھنے والا تھوڑی دیر کے لئے اپنے گرد و پیش سے بالکل بے نیاز ہو کر صرف اُس بات میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوتا ہے جو ڈراما نگار نے واقعات اور کرداروں کے

ذریعے اُس کے سامنے پیش کی ہے۔ اگر لکھنے والا اسی ابتدائی نقطہ پر دیکھنے والے کے دل کو اپنی مٹھی میں نہ لے تو آگے چل کر لاکھ جتن کرنے پر بھی وہ اسے اپنا نہیں بنا سکتا۔

ب سے ج اور ج سے د تک کی منزلیں اس لحاظ سے اہم ہیں کہ انھیں میں لکھنے والے کو واقعات کو دشوار ترین گھاٹیوں میں سے گزارنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے کرداروں کے راستے میں طرح طرح کے کانٹے بچھاتا ہے، اُنھیں طرح طرح کی صعوبتوں میں مبتلا کرتا ہے اور ان مشکل حالات میں ان کا ردِ عمل دکھا کر اُن کی سیرت اور شخصیت کے نقش کو اُبھار تا، اُجاگر کرتا اور کوئی واضح شکل دیتا ہے۔ واقعات کے ارتقا و تکمیل اور کرداروں کی تشکیل و تعمیر کے یہ مرحلے اس لئے اہم اور دشوار ہیں کہ ان میں اگر لکھنے والا اپنے صحیح راستے سے بھٹک کر ذرا سی دیر کے لئے بھی ادھر ادھر ہو جائے تو لازمی طور پر پڑھنے والے کی توجہ اور اشتیاق میں کمی آئے گی۔ توجہ اور اشتیاق کی کمی ڈرامے کی کامیابی کی بہت بڑی دشمن ہے۔ اسی لئے ڈراما نگار کو ان درمیانی ٹکڑوں کی ترتیب پر پوری توجہ صرف کرنی پڑتی ہے۔ وہ واقعات کو نقطۂ عروج تک پہنچانے کے لئے کسی غیر فطری وسیلے سے کام لینے کے بجائے انھیں اس طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھاتا ہے کہ دیکھنے والے کو ان کی رفتار فطری اور حقیقی معلوم ہو۔ واقعات کی مختلف کڑیاں ڈرامے کے اس حصے میں اس طرح باہم مربوط ہوتی ہیں کہ اُنھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ڈرامے کے آخری دو حصے جنھیں د اور س کے نقطوں سے ظاہر کیا گیا ہے اس لحاظ سے اہم ہیں کہ نقطۂ عروج پر واقعات نے جو شدت اختیار کر لی تھی اور قصے کے کردار جن اُلجھنوں میں گرفتار دکھائے گئے

تھے، انھیں آنے والے حصوں میں آہستہ آہستہ سلجھایا اور فطری اور منطقی انجام سے قریب لایا جاتا ہے۔ یہ نقطۂ عروج جس طرح پلاٹ کی ترتیب اور ارتقا اور کرداروں کی ساخت و تعمیر کے لحاظ سے نقطۂ عروج ہے اسی طرح دیکھنے والوں کے لحاظ سے بھی وہ مقام ہے جہاں ان کی توجہ، اشتیاق اور دلچسپی میں انتہائی بلندی، گہرائی اور شدت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے قصے کے آخری حصے میں پلاٹ کی اُلجھنوں کو سلجھاتے وقت اور انجام کو فطرت اور منطق کے حدود میں رکھتے ہوتے بھی اُسے پوری احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے کہ دیکھنے والوں کی توجہ، اشتیاق اور دلچسپی میں کمی نہ آنے پائے اور جب تک ڈراما بالکل ختم نہ ہو جائے وہ اپنے آپ کو اس فضا میں گم رکھنے پر مجبور ہوں۔

ان ساری چیزوں کے ساتھ ساتھ اُسے ایک اور بے حد اہم بات کو بھی پیش نظر رکھنا پڑتا ہے ——— ڈرامے کی ابتدا سے اُس کے نقطۂ عروج تک وہ دیکھنے والوں کے ذہن پر جو تاثر قائم کرتا رہا ہے اس حصے میں آکر اُس کی تکمیل ہونی چاہیے۔ قصے کے پلاٹ، کرداروں کے عمل، مناظر کی ترتیب و پیش کش، مکالموں کی بلاغت اور ادبیت کے در و بست اور ہم آہنگی سے دیکھنے والوں کے ذہن کو ایک مرکزی خیال کا احساس دلانے کی جس فنی کوشش کی ابتدا اُس نے ڈرامے کے شروع میں کی تھی اُسے کامیاب انجام تک پہنچانا اب اُس کا مقصود ہے۔ جو نقش وہ اب تک مختلف فنی وسائل کے ذریعے بناتا رہا تھا اُسے اور زیادہ گہرا کرنا اُس کے فن کا آخری مطمح نظر ہے۔ ڈراما نگار کے قلم کی ذراسی لغزش، اُس کے حسن تخیل اور ترتیب کی ذراسی کوتاہی، اُس کے انہماک

اور توجہ کی ہلکی سی سست گامی یا سہل انگاری، احساس کے نقش کو بے
رنگ اور اثر کے شیرازے کو اس طرح منتشر کر سکتی ہے کہ اس کی ساری محنت
خاک میں مل جائے۔ اس لئے ڈرامے کی اس منزل پر آکر اُسے اور زیادہ
چاق چوبند رہنے کی ضرورت ہے۔

جن لکھنے والوں نے ڈرامے کے اس حصّے کو انتہائی فنّی توجہ سے
محروم رکھا ہے اُنھوں نے ایک سجے سجائے نقش کو اُجاڑا اور بنے بنائے
تاثر کو مٹایا ہے۔ اس لئے کہ ڈرامے کے فن میں یہ مجموعی تاثر ہر دوسرے
فن سے زیادہ اہم اور اس لئے فن کاروں کی شدید تر توجہ کا مرکز رہا ہے
ابھی ہم نے ڈرامے کے ارتقا کے جو تین نقشے پیش کئے اسی طرح کے نقشے
دُنیا کے اکثر عظیم ڈرامائی شاہ کاروں کا تجزیہ کرنے کے سلسلے میں بنائے
گئے ہیں اور ان نقشوں یا توضیحی خاکوں کو دیکھ کر ڈرامے کے فن کے متعلق
بعض اہم نتیجے نکالے گئے ہیں شیکسپیئر کے ڈرامے ہیملٹ کا توضیحی خاکہ اس
طرح بنایا گیا ہے۔

پہلا ایکٹ — دوسرا — تیسرا — چوتھا — پانچواں — پانچواں

اور اتھیلو کا خاکہ یہ ہے۔

پہلا — دوسرا — تیسرا — چوتھا — پانچواں

ہیملٹ کا فنّی تجزیہ کرتے ہوئے اُس پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ اُس
کی دلچسپی چوتھے ایکٹ کے آخر میں تھوڑی سی کم ہو جاتی ہے لیکن پانچویں

ایکٹ میں اُس کی شدتِ تاثر پھر لوٹ آتی ہے ۔ آتھیلو کی کہانی کی دلچسپی اور تاثر میں آہستہ آہستہ اُبھار پیدا ہوتا ہے ۔ یہ کیفیت پہلے ایکٹ کے آغاز میں شروع ہوتی ہے لیکن دوسرے ایکٹ کے شروع میں کہانی کا مرکز عمل بدل جاتا ہے ۔ چنانچہ اس کے ابتدائی مناظر میں تاثر اک بارگی گھٹ جاتا ہے، لیکن اسی ایکٹ کے درمیان میں یہ پھر آہستہ آہستہ اُبھرنا شروع ہوتا ہے اور ایکٹ کے آخر تک قاری یا ناظر کو اپنی گرفت میں لینا شروع کرتا ہے ۔ ڈرامے کے آخر تک یہ گرفت برابر بڑھتی اور مضبوط ہوتی رہتی ہے ۔ یہاں تک کہ اس کا گہرا اثر ڈراما ختم ہو چکنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے ۔

ذیل کے دو خاکے وکٹر ہیوگو کے دو ڈراموں کے ہیں ۔
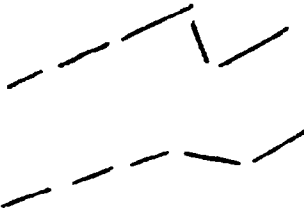
ان دونوں ڈراموں میں چوتھے ایکٹ میں بعض ایسی باتیں آجاتی ہیں جن کا ڈراموں کے مرکزی خیال اور تصوّر سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں اور اس سے ڈراموں کے تاثر کی وحدت میں فرق پیدا ہوا ۔ ابسن کے مشہور سہ بابی ڈرامے بھوت، (GHOST) میں تاثر ڈرامے کے آغاز ہی سے اُبھرتا اور بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ڈرامے کے آخر تک اُٹھان اور اُبھار کی یہ رفتار برابر بڑھتی رہتی ہے ۔ یہاں تک کہ ڈراما ختم ہو چکنے پر بھی اس کا اثر قائم رہتا ہے ۔ اس ڈرامے کے تاثراتی نقش کا خاکہ اس طرح

کھینچا گیا ہے۔

?
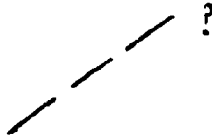
بعض اور ڈراموں کے خاکے اس طرح بنائے گئے ہیں۔

(۱)

(۲)

(۳)
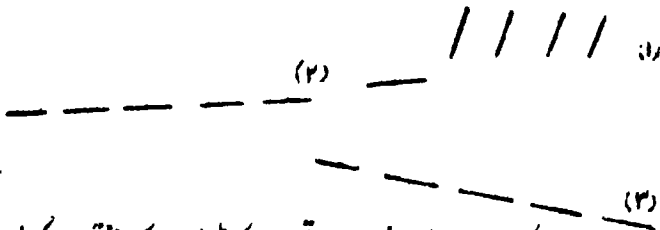
پہلے خاکے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ڈرامے کے مختلف ایکٹ اپنی اپنی جگہ دلچسپ ہیں لیکن اُن کا آپس میں کوئی ربط و آہنگ نہیں اور اس لئے تاثر کی جو وحدت پورے ڈرامے کے مشاہدے کے بعد پیدا ہونی چاہیے وہ پیدا نہیں ہوتی۔ دوسرے خاکے کے خطوط بالکل سپاٹ اور ہموار ہیں اور شروع سے جو رُخ اختیار کرتے ہیں اُن میں فرق نہیں آتا۔ تیسرے میں اُن کا رُخ بلندی کے بجائے پستی کی طرف ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے کہ ان ڈراموں میں تماشائی کی دلچسپی کا کوئی سامان موجود نہیں اور اُنھیں دیکھتے وقت وہ اُکتا کر جمائیاں لینے لگے گا۔ تیسرے میں نہ صرف یہ کہ اُس کے جذبات میں کسی طرح کا تلاطم نہیں پیدا ہوتا بلکہ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ جوں جوں ڈراما آگے بڑھتا ہے اُس کی توجہ اور دلچسپی کم ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے ڈراموں میں دلچسپی کی کمی کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کی جاتے

تو پتہ چلے گا کہ ڈرامے کی کہانی کی بنیاد کسی کش مکش یا تصادم پر نہیں، جو ڈرامے کی کہانی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے یہی کش مکش یا تصادم ہے جس سے ڈرامے کے تاثر کا آغاز ہوتا ہے، اسی کی بڑھتی اور اُبھرتی ہوئی کیفیت سے تاثر بڑھتا اور اُبھرتا ہے اور اسی کی مرکزی وحدت ڈرامے میں تاثر کی وہ وحدت پیدا کرتی ہے جسے وحدت تاثر کا اصطلاحی نام دیا گیا ہے۔

ڈرامے میں تاثر کی اس وحدت کے حصول کے جو وسیلے ڈراما نگاروں نے استعمال کئے ہیں اُن میں عمل کی مرکزیت اور وقت اور مقام کے ایک واضح تصور کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ان تینوں تصورات کو فن میں تین وحدتوں (THREE UNITIES) کا نام دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے ان وحدتوں کو ارسطو کی وحدتیں کہا ہے اور ڈرامے کی تنقید اور تجزیے کے سلسلے میں انھیں اُسی سے منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

ارسطو نے اپنے عہد کے ڈرامے کے مشاہدے کے بعد ڈرامے کے متعلق جن خیالات اور تصورات کا اظہار کیا ہے اُنھوں نے آگے آنے والے ڈرامے کے فنی عمل اور اُس کی تنقید اور تجزیے پر خاصا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان خیالات میں سے ایک یہ ہے کہ ڈرامے میں صرف ایک موضوع اور واقعہ ہونا چاہئے، جو ہر لحاظ سے مکمل ہو ——— اُس کا آغاز ہو، اُس کا درمیانی حصّہ ہو اور اُس کا انجام ہو۔ ارسطو کو اس بات کی جو تاویل کی گئی ہے اُس کے مطابق ڈرامے میں عمل اور اُس کی وحدت کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ گویا فنی اصطلاح میں ہم جن چیزوں کو فنی وحدتیں یا تین وحدتیں کہتے ہیں اُن میں سے صرف ایک کا ذکر واضح طور پر ارسطو کے یہاں ملتا

ہے اور وہ عمل کی وحدت (UNITY OF ACTION) ہے۔ ارسطو نے ایک موقع پر ضمنی طور پر ایک ایسی بات کہہ دی جس سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ ڈرامے کے عمل کے لئے ایک محدود مدت کا تعین ضروری سمجھتا ہے اور اس طرح اس ضمنی بات سے وقت کی وحدت (UNITY OF TIME) کا تصوّر پیدا ہو گیا۔ اور یونانی ڈرامے کی اس خصوصیت نے کہ اُن میں سے اکثر ڈراموں کا عمل جس مقام پر شروع ہوتا ہے وہیں ختم بھی ہو جاتا ہے، ایک تیسری وحدت یعنی مقام کی وحدت (UNITY OF PLACE) کا تصوّر بھی ان دو تصوّرات میں شامل کر دیا۔

ارسطو کے پیش کئے ہوئے وحدتِ عمل کے تصوّر، اُس کے ایک ضمنی بیان کے اخذ کئے ہوئے وحدتِ زمان کے تصوّر اور یونانی ڈرامے کے عمل سے ظاہر ہونے والے وحدتِ مکان کے تصوّر کو بہ یک وقت اطالیہ کے نشاۃ الثانیہ کے نقادوں نے ڈرامے کے فن کی بنیاد بنایا اور وہیں سے یہ تصوّرات انگلستان، اسپین اور فرانس کے ڈراما نگاروں اور نقادوں میں عام ہوئے اور کوئی دو صدی تک انھیں ڈرامے کی تنقید اور تجزیے کی بنیاد سمجھا جاتا رہا۔ گو عملی حیثیت سے بعض بڑے بڑے ڈراما نگاروں نے بھی ہمیشہ ان کی پابندی نہیں کی یہاں تک کہ شیکسپیئر نے بھی اپنے کئی ڈراموں میں انھیں برتنا ضروری نہیں سمجھا، گو بعض ڈراما نگاروں نے ان کی سختی سے پابندی و پیروی کی شیکسپیئر اور بعض دوسرے بڑے ڈراما نگاروں کے فنّی عمل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فن کار وحدتوں کے تصوّر کا علم رکھنے کے باوجود جب کبھی انھیں فکر، تخیل اور فنّی مقصد کے راستے میں حائل ہوتا دیکھتے تھے تو ان کے ترک کو اختیار پر ترجیح دیتے تھے۔ ڈرامے کے موجودہ عہد میں اسے کوئی خاص اہمیت

نہیں دی جاتی، گو بعض ڈراما نگار اب بھی اس تصوّر سے پلاٹ کی سادگی اور اُس کے منطقی نظم و ربط کو قائم رکھنے کا کام لیتے ہیں۔ مختلف نقادوں اور فن کاروں نے اپنے مخصوص رجحانات کے تحت ان کی الگ الگ تشریح اور تاویل کی ہے۔ مثلاً وحدتِ زمان کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسٹیج پر جو واقعہ پیش کیا جائے اُس کی مدّتِ عمل چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ کچھ کے نزدیک یہ مدّت چوبیس سے تیس گھنٹے تک ہو سکتی ہے۔ وحدتِ مقام سے بعض لوگوں کی مراد ہے کہ اسٹیج پر ایک مکمل واقعہ پیش کیا جائے اور ایک ہی مقام پر پیش کیا جائے۔ وحدتِ عمل سے کچھ لوگوں کی مراد یہ ہے کہ پلاٹ میں وحدت ضروری ہے۔ اس میں فروعی واقعات اور فروعی کردار بالکل نہ آئیں۔ ایک دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ وحدت صرف واقعہ کی وحدت کو نہیں کہتے۔ وحدت اصل میں ربط اور ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے اور یہ فروعی واقعات اور فروعی کرداروں کی موجودگی کے باوجود پیدا کی جا سکتی ہے عملی حیثیت سے عموماً اسی تصوّر کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ وحدت خواہ وہ وقت کی ہو، خواہ مقام کی اور خواہ عمل کی، پلاٹ کی مجموعی وحدت اور اُس کے سلوے عناصر کی یک جہتی اور ربط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ پلاٹ میں سادگی پیدا کرنے کی کوشش اُسے زندگی کے اُس تنوع اور پیچیدگی سے محروم کر دیتی ہے جو حقیقت نگاری کا بڑا لازمی عنصر ہے۔ اس لئے ڈراما نگار اس تنوع اور پیچیدگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی ڈرامے میں صرف ایک مرکزی نقطہ کو اُبھارتا اور اُجاگر کرتا رہتا ہے۔ ڈرامے میں باقی ساری چیزوں کو (جن میں وقت اور مقام کے تصوّر کے علاوہ کرداروں کی گفتگو اور ان کا عمل بھی شامل ہے) اسی مرکزی نقطہ کے گرد گھومنا چاہئے۔ ڈراما شطرنج کا کھیل ہے۔ اس میں سارے پیادے، فیل، رُخ

اور فرزیں بادشاہ کے فرماں بردار اور خدمت گزار ہوتے ہیں۔ اُن سب کا عمل مختلف راستے اختیار کرنے کے باوجود مقصد کی وحدت اور مرکزیت کا حامل ہوتا ہے۔ کثرت میں وحدت، پیچیدگی میں سادگی اور تنوع میں ہم آہنگی، یہی ڈراما نگار کا فنّی مقصود و مطلوب ہے اور یہ مقصود زمان و مکان و عمل کی وحدتوں کو وحدتِ تاثر کا پابند اور تابع بنانے سے حاصل ہوتا ہے۔

۲

ڈراما آغا حشر سے پہلے

ہندوستان میں ناٹک کی روایت گو دو ہزار برس پرانی ہے لیکن اُردو میں ڈراما جس شکل میں اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے ابتدائی نقوش کا سُراغ لگانے کی طرف توجہ کی جاتی تو بات سو برس سے آگے نہیں بڑھتی۔ ہمارے ڈرامے میں اس وقت جو کچھ بھی نظر آتا ہے وہ سو برس میں نکھر اور سنور کر ہم تک پہنچا ہے۔ سو برس پہلے اس کی جو شکل تھی اس کا پہلا نقش وہ چھوٹا سا ناٹک ہے جو واجد علی شاہ نے اپنی ولی عہدی کے دنوں میں لکھا تھا اور جس کی بنیاد رادھا اور کنھیا کی داستانِ محبت ہے۔ اس داستانِ محبت کو رہس کے ناٹک کی صورت دینے سے پہلے واجد علی شاہ رہس کے وہ ۳۶ جلسے ترتیب دے چکے تھے، جن کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف "بنی" میں کیا ہے [1] اور جن کی حیثیت ناچ کے

---

[1] واجد علی شاہ کی ایک نادر تصنیف، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ نقوش، فروری، مارچ ۵۳ء

جلسوں کی تھی۔ رہس کا یہ ناٹک (یا ڈراما) جس کا نام رادھا کنھیا کا قصہ تھا واجد علی شاہ نے ۱۲۵۹ھ اور ۱۲۶۲ھ کے درمیان لکھا تھا اور بعد کو اپنی کتاب بنی میں شامل کر دیا، جو ۱۲۹۴ھ کی تصنیف ہے۔[۲]

خود واجد علی شاہ نے اس ناٹک کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے لوازمات میں کئی لاکھ روپئے صرف ہوتے تھے۔ واجد علی شاہ نے ناٹک کے کرداروں کی پوشاکوں اور زیوروں کی جو تفصیلات "بنی" میں دی ہیں اُنھیں دیکھ کر یہ اندازہ کرنا آسان ہے کہ واقعی اس کی تیاری میں کئی لاکھ روپئے خرچ ہوتے ہوں گے۔ ڈرامے کے کرداروں کی پوشاکوں اور زیوروں کی یہ تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے درج ذیل ہے۔

۱ - کنھیا۔ کارچوبی مُکٹ، کارچوبی گلوبند، گھٹنا، جانگھیا، گھانگھرا، چاندی کی بانسری۔

۲ - رادھا۔ لہنگا، پھریا، پیشواز، نتھ، بنیا اور تمام ہندوانے زیور۔

۳ - سکھیاں۔ ڈوپٹا، پاجامہ، پیشواز، جیغہ، کلغی، سلطان بند اور کل زیور

۴ - پریاں۔ پُرزر جامۂ حسن، پُرزر پاجامہ، دو کارچوبی پَر، کل زیور۔

۵ - دیو - سیاہ جاکٹ، سیاہ پتلون، سیاہ دستانے، سیاہ جرابیں، مقوّے کا کریہہ چہرہ، بڑے بڑے سیاہ کاغذی پَر، لکڑی کا گرز۔

۶ - جوگن۔ شنجرفی کفنی، تہمد، مصنوعی لمبی جٹا، کپڑے کی جھولی، تونبا، کپڑے کا بڑا سا سانپ، لکڑی کی بیراگی، بھبھوت۔

۷ - مکھن والیاں۔ ساری، ہندوانہ زیور، لکڑی کی متھانی، مٹکی، سینی،

---

[۲] "لکھنؤ کا شاہی اسٹیج" از سید مسعود حسن رضوی ادیب، طبع لکھنؤ ۱۹۵۷ء

کھریا، کلھیا۔ آخری چاروں چیزیں چاندی، گلٹ یا پیتل کی۔

۸ ۔ پنہارنیں ۔ ساری، زیور، تانبے کا کلسا، ڈول، رسّی، مصنوعی کنواں اور گراری۔

۹ ۔ مسافر ۔ انگرکھا، پاجامہ، پگڑی، گٹھری، لوٹا، لاٹھی، توشہ بستہ، چھوٹی دری۔

۱۰ ۔ غربت ۔ انگرکھا، چکن، پاجامہ، پگڑی، پٹکا، سب چیزیں سفید۔

۱۱ ۔ رام چیرا۔ دھوتی، مرزائی، پھینٹا، انگوچھا، جنیو، ہاتھوں کے کڑے چاندی کے۔

۱۲ ۔ رہس والیاں۔ پُرزر دوپٹا، پُرزر پاجامہ، مسالے دار پُرزر پشواز، زیور۔

جیسا کہ اس فہرست سے ظاہر ہے ناٹک میں کنھیّا، رادھا، دیو، جوگن مسافر، غربت اور رام چیرا کے علاوہ سکھیاں، پریاں، مکھن والیاں، پنہارنیں اور رہس والیاں شامل ہیں۔

واجد علی شاہ نے ڈرامے کے شروع میں کرداروں کے متعلق تفصیلی ہدایات لکھی ہیں۔ ہدایات یہ ہیں۔

دو سکھیاں کارچوبی پر لگا کر بھاری جامۂ حسن[1] پہنیں۔ ایک کا نام ارغوان پری، دوسری کا نام زعفران پری ہے۔ اور ایک مرد بہ شکل دیو کریہ منظر بنے اس کا نام عفریت ہے۔ اور ایک سکھی جوگن بنے۔ اس کا نام صحرا ہے۔ اور ایک مرد خادم جوگن کا بنے۔ اس کا نام غربت ہے۔ بعد ختم رہس[2] سب سکھیاں بیٹھ جاتیں

---

[1] جامۂ حسن۔ غالباً واجد علی شاہ کا ایجاد کیا ہوا کوئی لباس

[2] رہس سے یہاں حلقے کا ناچ مراد ہے۔

اور ایک جانب دونوں پریاں کرسیوں پر بیٹھیں۔ اور ایک طرف جوگن کرسی پر اجلاس کرے۔ اور دیو پریوں کے سامنے گرز لیے ہاتھ باندھے کھڑا ہو۔ اور غربت جوگن کے سامنے دست بستہ استادہ ہو۔ اور ایک جانب رادھا کنھیا مکٹ اور نتھ بینا[۱] لگائے ہوئے گھونگھٹ بنگالہ[۲] نکالے ہوئے کرسیوں پر اجلاس کریں۔ اور رام چیرا دونوں کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہو۔ اور چار سکھیاں، ایک کا نام للتا، دوسری ساکھا، تیسری چپیا، چوتھی لڑوا، جیغہ کلغی لگائے ہوئے، جھرمٹ کیے ہوئے علیحدہ کھڑی ہوں۔ اور چار پنہاریں مصنوعی کنوئیں سے، ٹھمری گاتی ہوئی راقم کی تصنیف، پانی بھرتی ہوئی ہوں۔ اور ایک مرد مسافر کی صورت میں بنا ہوا مع گٹھری اور عصا بدست حاضر ہو۔ اور چار مکھن والیاں ہوری راقم کی تصنیف گاتی ہوئی اور مکھن نکالتی ہوئی ہوں۔ جوگن کو چاہیئے غم زدہ بیٹھنا۔

ان ہدایات کے ناٹک کے مکالمے شروع ہوتے ہیں۔ مکالموں کے بیچ بیچ بھی ضروری ہدایات آتی رہتی ہیں۔ ناٹک کا ابتدائی حصہ درج ذیل ہے۔

غربت۔ (صحرا سے) جُگ جُگ جیو، آنند رہو، جوگن صاحب! کیوں ملول ہو۔ کاہے جیا ملین ہے؟

صحرا۔ چوبیس برس ہوتے ایک رنج ہے۔

غربت۔ وہ کیا رنج ہے؟ ہم سے کہنے کا ہو تو کہیئے۔

صحرا۔ چوبیس برس ہوتے مہکا اس گم میں کہ رادھا کنھیا کا ناچ نہیں دیکھا۔

غربت۔ بس آپ کو اسی کا گم ہے؟ جاتا ہوں تدبیر کرنے کو۔

---

[۱] بینا۔ ماتھے پر لگانے کا ایک زیور

[۲] یہ ہدایتیں کلکتے میں لکھی گئی تھیں۔ اس لیے بنگالی گھونگھٹ کا ذکر آگیا۔

غربت چلا اور عفریت سے علیحدہ ملاقات کی

غربت ۔ سلام علیکم میاں عفریت !

عفریت ۔ وعلیکم السّلام، السّین واللّام، الطّعام والکلام، الکشمش والبادام میاں غربت علی خاں، بہادر بہادراں، کھٹ پٹ جنگ، نامردے دھنہ بڑ چود ۔

پھر دونوں بغل گیر ہوئے ۔ عفریت اس طرح سے ہنسا، کاؤں کاؤں کھل کھل کھل کھل ۔

غربت ۔ میاں عفریت ! ہمارے تمہارے مدت سے بھائی چارہ ہے ۔ ہم کو تم سے ایک امر ضروری کہنا ہے ۔ اگر تم سے ہو سکے ۔

عفریت ۔ کیا کام ہے ؟

غربت ۔ ایک جوگن ہے ۔ اُس کو ایک غم ہے ۔

عفریت ۔ وہ کونسا غم ہے ؟

غربت ۔ جوگن صاحبہ کہتی ہیں کہ مجھے رادھا کنھیا کا ناچ نہ دیکھنے کا غم ہے میں وعدہ کر آیا ہوں کہ کوشش کرتا ہوں ۔ اگر تم سے ہو سکے تو وعدے کو پورا کرو ۔

عفریت ۔ تینتی مینتی، دُم خبیثی، لوٹک لاٹا، جھونٹک جھاٹا، صندوق معلّق، تُر نی گاو کی دُم، اور بچوں کی قسم جو میرے کیے بر آمد مطلب ہوگا ۔ ہرگز دریغ نہ کروں گا ۔ میں سعی کرتا ہوں ۔

بس اُسی وقت عفریت غربت کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا ۔

عفریت ۔ (غربت سے) بابا ساتور بازی، حمّال بازی، نیزہ بازی، خلال بازی، شمشیر بازی، راست بازی، چل میرے ساتھ ۔

برحضور زعفران پری اور ارغوان پری حاضر ہوا۔

عفریت۔ (پریوں سے) ایک جوگن رادھا کنھیا کے ناچ کے غم میں جوگن ہوتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ ناچ دیکھے۔

پریاں۔ جوگن کو لے آ۔

عفریت غربت کے ہمراہ جوگن کے پاس آیا۔

غربت۔ (صحرا سے) جوگن صاحبہ چلو۔ پریوں نے بلایا ہے۔

جوگن صاحبہ مع غربت و عفریت پریوں کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

عفریت۔ (پریوں سے) جوگن حاضر ہیں۔

پریاں۔ بلاؤ۔

جب جوگن آئیں دونوں پریاں اُٹھ کر بغل گیر ہوئیں۔

پریاں۔ (صحرا سے) کیا تم کو ہوا؟ کیوں جوگ لیا؟

صحرا۔ چوبیس برس سے یہ غم دامن گیر ہے کہ کسی طرح سے رادھا کنھیا کا ناچ دیکھوں۔

پریاں۔ ارے عفریت! رادھا کنھیا کا ناچ جوگن کو دکھا دے۔

عفریت۔ (چلّا کر) نہیبِ عفریت رادھا کنھیا اور سکھیوں پر۔ رادھا! کنھیا! سکھیاں! ناچو ہنڈولے کا ناچ۔

اس وقت سب سکھیاں برابر استادہ ہوں اور ایک سرا ڈوپٹے کا کنھیا تھامیں، دوسرا سرا رادھاجی وسطِ صف میں تھامیں اور یہ ہنڈولا گاتی جائیں اور ایک دو کے پاؤں تال میں لگاتی جائیں۔ اور یہ سب سکھیاں متابعت رادھاجی کی کرتی جائیں۔ اور کنھیاجی

پیش قدمی بر مقابل رادھا کے ہوکر ڈوپٹا کھینچ لیا کریں اور پس قدمی پر ڈھیل دیا کریں۔

استائی ــ ہنڈولا جھولے سیاما سیام گھنے سے گھنا چلت پون سنہ ننہ سنہ ننہ سنہ ننا۔

پہلا انترا۔ سب سکھیاں مل پینگ بڑھاؤ لے کے تان ننہ ننہ ننہ ننہ ننہ ننا۔

دوسرا انترا۔ مور مکٹ کٹ راکہرا کنڈر پائل باجے جھنہ ننہ جھنہ ننہ جھنہ ننا۔

بعد اختتام ہنڈولا سب سکھیاں، راجا رام چندر کی جے کہیں۔ من بعد رادھا کنھیّا مقابل استادہ ہوں اور نصف سکھیاں کنھیّا کی جانب اور آدھی رادھا کی طرف کھڑی ہوں اور رادھا کنھیّا سے سوال و جواب شروع ہوں اور اُرتھ بھاؤ ہوتا جائے اور ارکان بطور چکروں میں داہنی جانب سے دونوں کے پاؤں سے ہر بیت اور دوہرے کے بعد ادا ہونے جائیں۔

اس کے بعد رادھا اور کنھیّا کا دلچسپ مکالمہ شروع ہوتا ہے جس میں رادھا اور کنھیّا پہلے ایک بیت اور ایک دوہرا گاتے ہیں۔

رادھا۔ (بیت) مجمع غیر میں ایسا ستم ایجاد کیا
قاتلا! بھول کے ہم کو نہ کبھی یاد کیا

(دوہرا) میں برہنی سنجوگ سنگ نہ کوؤ ساتھ
ناری چھوٹت بید کے پھیلا ہو گئے ہاتھ

کنھیّا۔ (بیت) نام میرا ہے کنھیّا میں تجھے جانتا ہوں

رادھا جی جان سے میں تجھ کو یہاں مانتا ہوں

(دُہرا) رادھا جی کے انگ پر بندیاں ات چھب دیت
ملو پھولی کیتکی بھونرا باسن لیت

رادھا۔ (بیت) میں ترے عشق میں دیوانی ہوئی اُسے کانا[1]
میں نے جی جان سے تجھ کو تو یہاں پہچانا

(دُہرا) آؤ پیارے موہنا پلک ڈھانپ توہے لیوں
نا میں دیکھوں اور کو نہ توہے دیکھن دیوں

کنھیا۔ (بیت) عشق میں تیرے رادھا جی جنگل چھانا
دیو پری نے بھی مجھ کو کہیں نہیں پہچانا

رادھا (دُہرا) سیس مکٹ کٹ کاچھنی کر مُرلی اُر مال
یہ بانک موئن بسے سدا بہاری لال

کنھیا (دُہرا) رادھا دوارا دور ہے جیسے پنڈ کھجور
چڑھے تو چاکھے پریم رس گرے تو چکنا چور

(دُہرا) سائیں جھروکے بیٹھ کے سب کا مجرا لے
جیسی جا کی چاکری ویسا واکو دے

اس دُہرے کے بعد کنھیا حاضرین اور ناظرین سب کو زرِ چاکری تقسیم کرے اور سب ہاتھوں میں لیں اور سر سے اور آنکھوں سے لگائیں اور چومیں۔

---

[1] کانا = کانھا، کنھیا کے لئے پیار کا لفظ

رادھا۔ (دُہرا) ندی کنارے دُھواں اُٹھے رہے ہیں جانوں کچھ ہوئے
جا کے کارن جوگ کمایا وہو نہ جوتا ہوئے
منھ مہتاب دا گلابی چشماں دی ہاتھ وچ سونٹراں دی ہتھکڑیاں
دل بھی دیکھا پردیس بھی جاندا راہ دی دے کھڑکھڑیاں
کھول طبیباں پاٹیاں تیں ینڈے الہڑے گھاو نہ چھیڑ
جیتو درد بٹاون میر بچھڑے جانے میر

(دُہرا) تم داتا دوّد جگ کے تم لگ ہمری دور
جیسے کاگ بہاج کو سوجھت اور نہ چھور

(دُہرا) کانھا تم مت جانیو تم بچھڑن پیت گھٹی
جیسے بیل پوتے کی دِن دِن ہوت ہری

(دُہرا) کاگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس
دو نیناں مت کھائیو پیا مِلن کی آس

(دُہرا) بنسی والے موہنا ہمری اور تو دیکھ
میں تو ہے راکھوں نینن ماں کاجر کی سی ریکھ

کنھیّا۔ (دُہرا) رادھا کاہے دور ہو گھر انگنا نہ سہاتے
جیوں منہدی کے پاتن ماں لالی لکھی نہ جاتے

رادھا۔ راجن کے راج ادھراج مہاراج جُگ جُگ جیو آنند رہو۔ وہ مُرلی جامیں چھ راگ چھتیس راگنیاں باجت تھیں وہ مُرلی کہاں پر چھوڑ آئے۔ وہی مُرلی بجاؤ۔

رادھا کی فرمائش پر کنھیّا کہتے ہیں کہ مُرلی کھو گئی۔ اس پر رادھا روٹھ جاتی ہیں۔ کنھیّا انھیں منانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اُن کی خفگی دور نہیں ہوتی۔

آخر کنھیّا پوجا کرتے اور دعا مانگتے ہیں۔ دُعا قبول ہوجاتی ہے اور رادھا کی خفگی دور ہو جاتی ہے۔ اب کنھیّا مُرلی کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ مُرلی مل جاتی ہے اور وہ اُسے بجاتے ہوئے لوٹتے ہیں۔ مُرلی کی آواز سُن کر رادھا خوش ہوجاتی ہیں اور خوش ہوکر ناچتی گاتی ہیں۔ ان بنیادی واقعات کے درمیان میں آنے والی تفصیلات مزے دار ہیں۔ رادھا کو منانے کے سلسلے میں کنھیّا کی باتیں اور بیچ بیچ میں رام چیرا اور للتا (سہیلی) کی دخل اندازی، کنھیّا اور رادھا کے گانے (جن کی تال سُر کی ہدایات دی گئی ہیں) مُرلی کی تلاش کے سلسلے میں کنھیّا، رام چیرا، مسافر، پنھارنوں اور مکھن والیوں کی بات چیت اور ان کے گانے قصّے میں ہلکا سا ڈرامائی رنگ پیدا کر دیتی ہیں اور ناٹک میں مکالموں کے لطف کے علاوہ ناچ گانے کی دلکش فضا قائم رہتی ہے اور اسی فضا میں ناٹک ختم ہوجاتا ہے۔

اس شاہی رہس کا پہلا جلسہ لکھنؤ میں "۱۲۵۹ھ کے آخری حصّے میں یا ۱۲۶۰ھ کے ابتدائی حصّے میں ہوا۔ عیسوی سنہ اُس وقت ۱۸۴۳ء تھا" [۱]

رادھا اور کنھیّا کے ناٹک کے علاوہ واجد علی شاہ نے اپنے تین منظوم قصّوں کو ناٹک کی شکل دی۔ ان میں سے پہلا ناٹک اُن کی مثنوی "دریائے تعشق" کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔ اسے "ڈراما بنا کر کھیل تیار کرنے کا خیال ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوا [۲]۔ اس مثنوی کی طوالت تین ہزار اشعار کے قریب تھی۔ اس طولانی قصّے کا جلسہ یا رہس (یا ناٹک) کثیر ساز و سامان کے ساتھ تقریباً سال بھر

---

[۱] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج صفحہ ۱۱۱
[۲] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج صفحہ ۱۲۳

میں تیار ہوا اور ربیع الاوّل ۱۲۶۷ھ میں پہلے پہل کھیلا گیا[1] رہس کے اس نئے جلسے کا حال رجب علی بیگ سرور نے بھی اپنی تصنیف فسانۂ عبرت میں لکھا ہے آگے چل کر واجد علی شاہ کے اس ڈرامے یا اُن کی مثنوی دریائے تعشق کی بنیاد پر کئی اور ڈرامے لکھے اور کھیلے گئے۔

دوسرا رہس (یا ناٹک) مثنوی افسانۂ عشق کی بنیاد پر تیار ہوا اور اسی سال (یعنی ۱۲۶۷ھ) کھیلا گیا۔ اس کا ذکر بھی سرور نے فسانۂ عبرت میں کیا ہے۔ اسی طرح تیسرا رہس یا ناٹک مثنوی بحرِ اُلفت کے قصّے کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔

امانت کی اندر سبھا جسے اب تک اُردو کا پہلا ڈراما کہا جاتا تھا ۱۲۷۰ھ میں تصنیف ہوئی اس لئے واجد علی شاہ کے ان ناٹکوں کی موجودگی میں اُسے اُردو کا پہلا ڈراما کہنا درست نہیں البتہ بقول مصنف "لکھنؤ کا عوامی اسٹیج" وہ "اُردو کا پہلا ڈراما ہے جو عوامی اسٹیج کے لئے لکھا اور کھیلا گیا۔ وہ پہلا ڈراما ہے جس کو عام مقبولیت نے ملک میں، شہر شہر اور اودھ میں گاؤں گاؤں پہنچا دیا۔ وہ اُردو کا پہلا ڈراما ہے جو چھپ کر منظرِ عام پر آیا اور سیکڑوں مرتبہ شائع ہوا۔ وہ اُردو کا پہلا ڈراما ہے جو ناگری، گجراتی اور مرہٹی خطوں میں بھی چھاپا گیا[2]" چھپنے سے پہلے اُس کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ لوگ اُس کی قلمی نقلیں لے رہے تھے۔ اُس کے ٹکڑے بہتوں کو یاد ہو گئے تھے اور اُس کے گانے زبانوں پر چڑھ گئے تھے۔ جب وہ پہلی دفعہ چھپ کر نکلی تو اُس کی اتنی مانگ ہوئی کہ اُسی سال کئی مرتبہ چھاپی گئی۔ ROSEN جرمن مستشرق ہے جس

---

[1] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج صفحہ ۱۲۸

[2] "لکھنؤ کا عوامی اسٹیج" مسعود حسن رضوی طبع اوّل صفحہ ۶–۷

نے جرمن زبان میں اندرسبھا کا ترجمہ کیا اور اُس پر مقدمہ لکھا۔ اُس نے مختلف مطبعوں میں چھپے ہوئے سولہ نسخوں کی فہرست دی ہے، جن میں چار ناگری خط میں، ایک گجراتی خط میں اور ایک مرہٹی خط میں تھا۔۔۔ انڈیا آفس لائبریری میں اندرسبھا کے ۴۸ مختلف ایڈیشن موجود ہیں۔ ان میں گیارہ ناگری خط میں، پانچ گجراتی خط میں اور ایک گورمکھی خط میں ہے[1]

اندرسبھا کے تتبع میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں مندرجہ ذیل گیارہ کا ذکر روزن نے کیا ہے۔

مداری لال کی اندرسبھا، فرخ سبھا (مصنف نامعلوم، مطبوعہ لاہور) راحت سبھا، جشن پرستان (تصنیف بھیروں سنگھ عظمت)، ہوائی مجلس جدید، ناٹک جہانگیر، بہار سبھا، لیلیٰ مجنوں، الہ دین اور طلسمی چراغ، نورالدین و حسن افروز، تحفۂ دل کشا (مندرجہ فہرست برٹش میوزیم)

مسعود حسن رضوی صاحب نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اندرسبھا کے طرز پر لکھی گئیں[2]

بزم سلیمان (خادم حسین افسوس)؛ ناگر سبھا (امام بخش)؛ عاشق سبھا؛ نیچر سبھا؛ نشاطِ عشق۔ مثنوی اندرسبھا؛ کرزن سبھا (اکبر الہ آبادی)[3]

ان مختلف اور متعدد تصانیف پر (جو حقیقت میں اسی طرح کی تصانیف میں سے چند ہیں) اندرسبھا اور اُس کے فن کا بڑا گہرا اثر ہے اور۔۔۔۔

---

[1] "لکھنؤ کا عوامی اسٹیج" صفحہ ۱۱۹

[2] "لکھنؤ کا عوامی اسٹیج" صفحہ ۱۲۳

[3] ان کے علاوہ میاں محمد حسین ظریف کی لکھی ہوئی "دریائی اندرسبھا" بھی میری نظر سے گزری ہے

خود اندر سبھا پر فن کے نقطۂ نظر سے بظاہر دو اثر نمایاں ہیں — جہاں تک
قصہ کی نوعیت اور اس کے اندازِ اظہار کا تعلق ہے امانت پر مثنوی کی صدیوں
کی روایت اور خاص کر میر حسن اور نسیم کی مثنویوں کا رنگ چھایا ہوا ہے۔ جس
حد تک اس کے اسٹیج پر پیش کئے جانے کا تعلق ہے، امانت کے سامنے
رہس (اور غالباً نوٹنکی) کے وہ نمونے موجود ہیں جن کا رام لیلا اور کرشن لیلا کو
اسٹیج پر پیش کرنے کے سلسلے میں یوپی کے مختلف ضلعوں میں عموماً اور کانپور، لکھنؤ،
فیض آباد، بنارس، متھرا اور آگرہ میں خصوصاً عام رواج تھا۔ ان رہسوں میں
(اسی طرح نوٹنکیوں میں بھی) اسٹیج کے وہ سارے اہتمام نہیں کئے جاتے جو
کاروباری انداز پر چلنے والی کمپنیوں میں بعد میں نظر آتے ہیں۔ کسی ایک محلہ
کے چند لوگ مل کر پاس پڑوس سے تھوڑے سے تخت اکٹھے کرکے انھیں ادھر
ادھر پڑی ہوئی اینٹوں کے سہارے جما کر ایک اونچی اور ہموار سطح بنا لیتے تھے
اس پر حسبِ مقدور دریاں یا چادریں بچھالی جاتی تھیں اور کبھی کبھی حسب
ضرورت دو ایک کرسیاں ڈال لی جاتی تھیں۔ یہی رہس کا اسٹیج تھا۔ رہس
میں کام کرنے والے کرداروں کو اس چوکے کے ایک کونے میں بٹھا دیا جاتا
تھا۔ یہ کردار اپنے نمبر پہ ناظرین اور سامعین کے آگے کھڑے ہو
جاتے اور اپنا پارٹ ادا کرکے بیٹھ جاتے۔ ان رہسوں میں (جن کی تعداد
کی کوئی حد نہیں تھی) ہر مصنف اپنی اپنی پسند، مذاق اور لیاقت کے مطابق
گانے بھی شامل کرتا تھا۔ یوں مکالمہ ان سب کا نظم میں ہوتا تھا۔ ایک خاص
شخص (جسے راوی سمجھنا چاہئے) کردار کے سامنے آنے سے پہلے اس
کا مختصر سا تعارف بھی کرا دیتا تھا "بنی" میں جو تفصیلات درج ہیں ان سے
پتہ چلتا ہے کہ واجد علی شاہ رہس کی ترتیب کے سلسلہ میں اسٹیج کے سارے

لوازم (مثلاً لباس موسیقی اور رقص) کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ عام رہسوں میں ان چیزوں کا اہتمام نہیں تھا۔ لیکن ان میں بھی گانے بجانے کے پہلو پر سب سے زیادہ زور تھا اور جس حد تک ممکن تھا گانوں کی تیاری میں اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ وہ دیکھنے والوں کے لئے دلچسپی اور تسکینِ ذوق کا ذریعہ بن سکیں۔ یہی ساری چیزیں اندر سبھا میں بھی موجود ہیں۔

اندر سبھا میں کہانی کی اہمیت کا احساس سرے سے ناپید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کردار اور مکالمہ کا تصور بھی اس میں بالکل نہیں۔ سب سے زیادہ، بلکہ پورا زور، رقص و سرود پر صرف کیا گیا ہے۔ قصہ ہے، لیکن اس کی حیثیت ضمنی ہے اور اسی لئے مصنف ان حصوں کو بڑی تیزی سے طے کر لیتا ہے جو قصہ کا جزو ہیں۔ چونکہ اس کی دلچسپی کا (اور ناظر اور سامع کی دلچسپی کا بھی) مرکز ناچ اور گانا ہے اس لئے وہ قصہ کے اجزا کو تیزی سے طے کر کے کسی ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں ناچ دکھانے اور گانا سنوانے کا موقع آسانی سے فراہم ہو سکے۔

اندر سبھا کی ابتدا چند تمہیدی شعروں سے ہوئی ہے پہلا شعر ہے ؎

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے
پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

اس کے بعد چھ شعروں میں آنے والی محفل کا سماں پیش کیا جاتا ہے پھر راجہ اندر اسٹیج پر آتا ہے اور پانچ شعروں میں خود اپنا تعارف کرواتا ہے۔ تعارف کا پہلا شعر یہ ہے ؎

راجا ہوں میں قوم کا اِندر میرا نام
بن پریوں کی دید کے مجھے نہیں آرام

آخری شعر میں راجا فرمائش کرتا ہے کہ پریاں باری باری آئیں اور مجرا کریں۔ چنانچہ سب سے پہلے پکھراج پری آتی ہے۔ راوی نظم میں اس کی آمد کا اعلان کرتا ہے۔ اعلان کے بعد پکھراج پری نو شعروں میں اپنا حال بیان کرتی ہے اور کہتی ہے ؎

گاتی ہوں میں اور ناچ سدا کام ہے میرا
آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا

اس کے بعد پکھراج پری چھند گاتی ہے، ایک ٹھمری گاتی ہے، بسنت گاتی ہے، پھر ایک غزل گاتی ہے، اس کے بعد ایک ہولی اور پھر تین غزلیں جو علی الترتیب ۹، ۱۳ اور ۹ شعروں کی ہیں۔

پکھراج پری گا چکتی ہے تو راجا اندر اُسے بلا کر اپنے پہلو میں بٹھا لیتے ہیں اور نیلم پری کو طلب کرتے ہیں۔ پھر وہی سب کچھ ہوتا ہے جو پکھراج پری کی آمد پر ہوا تھا۔ راوی کی کا تعارف، اپنے حسب حال شعر اور اس کے بعد راجا کی حمد اور ۶ گانے جن میں سے ایک چھند ہے، ایک ٹھمری ایک ہولی اور تین غزلیں۔ تیسرا نمبر لال پری کا ہے۔ ابتدائی تعارف کے بعد وہ بھی سات چیزیں گاتی ہے۔ ایک چھند۔ ایک ٹھمری، دو ساون، ایک ہولی اور دو غزلیں۔

اس کے بعد سبز پری طلب کی جاتی ہے لیکن سبز پری ابھی اپنا تعارف ختم نہیں کر چکتی کہ راجا اندر کو نیند آ جاتی ہے اس پر سبز پری کہتی ہے ؎

راجا جی تو سو گئے دیا نہ کچھ انعام
جاتی ہوں میں باغ میں یاں میرا کیا کام

اس کے بعد سبز پری کالے دیو سے مخاطب ہوتی ہے اور اس سے

کہتی ہے کہ میں راجا کے پاس آ رہی تھی کہ میں نے ایک بام پہ ایک شہزادہ کو سوتے دیکھا، اُسے دیکھ کر میں بیقرار ہو گئی۔ اب میرا دل یہاں بالکل نہیں لگتا۔ اس لئے اگر اس شہزادہ کو میرے پاس اُٹھا لائے تو ہمیشہ کے لئے تیری لونڈی بن جاؤں گی۔

یہ گویا قصّہ کی داغ بیل ہے۔ لیکن قصّہ کے اس حد تک پہنچنے سے پہلے امانت نے سامعین کو ۱۲ گانے سنوا دئے۔ نظم کے وہ ۸، ۱۰ ٹکڑے ان کے علاوہ ہیں جو راوی، راجا اِندر اور پریوں نے تعارف کے طور پہ گاتے تھے۔ اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امانت نے اندر سبھا میں گانوں کو کتنی اہمیت دی ہے۔ یہ چیز کتاب کے آئندہ حصوں میں اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب قصہ بیان کرتے وقت بھی مصنف ایسے موقعوں کی جستجو میں برقرار سا نظر آتا ہے۔ جہاں گانے گوائے جا سکیں اور سامع یا ناظر کے لئے دلچسپی کا سرمایہ بہم پہنچایا جا سکے۔

قصہ اس طرح آگے چلتا ہے۔ کالا دیو سبز پری کی باتیں سُن کر اس سے وعدہ کرتا ہے اور شہزادے کے شہر کا پتہ دریافت کرکے اُس کی تلاش میں نکلتا ہے۔ ہندوستان جاتا ہے اور شہزادے کو سبز پری کے پاس لے آتا ہے۔ سبز پری اُسے دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ یہی میرا دلدار ہے۔ اس کے بعد اسے جگاتی ہے۔ شہزادہ جاگتا ہے اور متحیر ہوتا ہے کہ میں کہاں سے کہاں آ گیا۔

یہ ساری باتیں مصنف نے نو شعروں میں بیان کی ہیں۔ اس جگہ شہزادہ بیتاب ہو کر ایک غزل گاتا ہے اور پھر حالتِ اضطراب میں بھاگ کی ایک چیز گاتا ہے۔ اس کے بعد پری اور شہزادہ میں سوال جواب

شروع ہوتے ہیں۔ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں
اور سبز پری شہزادہ پر اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے اور شہزادہ اس شرط پر
وعدۂ وصل کرتا ہے کہ سبز پری اُسے اندر کے اکھاڑے کی سیر کرا دے۔ اس
بات پر شہزادہ اور پری میں خاصی لمبی چوڑی تکرار ہوتی ہے۔ اس حصّے کو
مصنف نے خاصا طول شاید اسی لئے دیا ہے کہ پری اور شہزادہ کے سوال و
جواب میں سامع کے لئے وہی لطف ہے جو آج کل کے فلمی دوگانوں میں ہے۔
خاصی بحث و تمحیص کے بعد پری شہزادہ کی شرط مان لیتی ہے، باغ سے پھر
راجا کی سبھا میں لوٹ کر آتی ہے اور راجا کے سامنے ایک چھند، دو ٹھمریاں اور
دو غزلیں گاتی ہے۔ اسی دوران میں لال دیو آکر راجا اندر سے سبز پری اور
شہزادہ کی محبت کا ذکر کرتا ہے اور شہزادہ گلفام کو اس کے سامنے لاکر پیش
کر دیتا ہے۔ راجہ پہلے گلفام سے اور سبز پری سے غم و غصہ کا اظہار کرتا
ہے۔ سزا میں گلفام کو قید کر دیا جاتا ہے اور پری کو پر نوچ کر پرستان سے
نکال دیا جاتا ہے۔ ڈراما ئی نقطۂ نظر سے قصّہ کا یہ حصّہ سب سے اہم ہے
اور امانت نے اس حصّہ کو خاصا طول دیا ہے پھر بھی سب باتیں ۵۰ شعروں
میں بیان کی ہیں۔

اس کے بعد سبز پری جوگن بن کر گاتی پھرتی ہے۔ کالا دیو اس کے گانے
کی تعریف راجا اندر سے کرتا ہے۔ راجا اندر مشتاق ہو کر اسے دربار میں طلب
کرتا ہے۔ جوگن گاتی ہے۔ راجا اس کے گلے سے بیحد مسرور و محظوظ ہوتا
ہے۔ پری انعام میں گلفام کو مانگتی ہے۔ وہ اسے مل جاتا ہے۔ دونوں کو
حد درجہ شادمانی ہوتی ہے اور آخر میں سبز پری سب پریوں کے ساتھ مل کر
(اور گلفام سے بغلگیر ہو کر) مبارکباد گاتی ہے۔ اس مبارکباد پر اندر سبھا

ختم ہوتی ہے۔

سبز پری کے جوگن بننے سے سبھا کے ختم ہونے تک کتاب میں گیارہ گانے ہیں۔ پری اور شہزادے کا سوال جواب بھی گانے کے لئے ہے۔ اس لئے یہ دونوں ایک ایک کرکے جو ۱۲ شعر پڑھتے ہیں ان سب کی ردیف بھی ایک ہی ہے اور سب کے سب ہم قافیہ ہیں۔ اس طرح پوری کتاب کا تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصّہ گانوں سے بھرا ہوا ہے۔ اصل قصہ اور قصہ کے کرداروں کی اہمیت صرف اسی قدر ہے کہ قصہ بعض ایسے واقعے مہیا کرتا ہے جہاں گانے گائے جا سکیں اور کردار ان موقعوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

۱۸۵۳ء میں جب اندر سبھا کی شہرت اُودھ اور اُس کے اطراف و جوانب میں ہوئی تو ہندوستان کے بعض دوسرے حصّوں میں بھی اس کے زیر اثر ڈرامے لکھے اور کھیلے جانے لگے اور ڈھاکے اور بمبئی میں اُردو ڈرامے کا وہ دور شروع ہوا جسے حقیقت میں اُردو ڈرامے کا "اندر سبھائی" دور کہنا چاہئے۔ اس دور میں ڈھاکے میں ڈرامے کی ابتدا اور ترقی کا ذکر عشرت رحمانی صاحب نے اپنی کتاب "اُردو ڈراما ۔ تاریخ و تنقید" میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

.... امانت کی اندر سبھا کھیلی جانے لگی .... اُردو اسٹیج کا ذوق و شوق کافی ترقی کرنے لگا۔ اسی عرصے میں شیخ پیر بخش کانپوری نے اندر سبھا کی طرز پر ایک ناٹک "ناگر سبھا" لکھا۔ اس وقت ڈھاکہ میں چھوٹی موٹی متعدد ناٹک سبھائیں قائم تھیں ...... لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور اور بلند پایہ شیخ فیض بخش کی کمپنی "فرحت افزا تھیٹریکل کمپنی" سمجھی جاتی تھی، جو باقاعدہ تجارتی انداز پر قائم تھی۔ نفیس کانپوری اس کمپنی کے خاص ڈراما نویس

تھے۔ مختلف ڈراما نگاروں کے لکھے ہوئے ۳۰۔۳۵ کھیل اس وقت تک تمثیل کئے جا چکے تھے ..... ناگر سبھا بھی اسی کمپنی نے کھیلا" [1]

عشرت صاحب نے لکھا ہے کہ اس ڈرامے کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور اس شہرت کا "بڑا سبب اندر سبھا کی تقلید اور نام کی مطابقت تھا" [2]

اس کے بعد ڈھاکے میں تجارتی اسٹیج کی گرم بازاری ہوتی اور ایک کمپنی نے "حسن افروز" نام کا ڈراما لکھوا کر اسٹیج کیا جو اندر سبھا اور ناگر سبھا کی طرح غنائیہ ناٹک تھا۔ فرحت افزا تھیٹریکل کمپنی نے چار سال تک نئے نئے کھیل اسٹیج کئے۔ انھیں دنوں حکیم حسن مرزا برق کا ڈراما "گلشن جانفزا" اسٹیج ہوا۔ ۱۸۵۶ء کے اوائل میں ماسٹر احمد حسن واذ نے ایک ڈراما "بلبل بیمار" لکھی۔ بقول عشرت رحمانی انھوں نے اس ڈرامے میں پہلی بار نظم کے ساتھ مکالموں میں سلیس و شستہ نثر کو شامل کیا۔ اس دور میں ڈھاکے میں اردو ڈرامے کا بڑا چرچا ہوا۔ نئے نئے ڈرامے تصنیف ہوتے۔ لکھنؤ اور کانپور سے شاعر اور ڈراما نویس آئے لیکن" اب تک اندر سبھا سب ڈراموں میں پیش پیش تھا" [3]

چونکہ "بلبل بیمار" کو اردو کا پہلا نثری ڈراما اور اندر سبھا کے بعد اردو ڈراما نگاری کی تاریخ میں پہلا موڑ کہا گیا ہے اس لئے اس کے ایک منظر کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا ایکٹ

آٹھواں سین

مکان لال خاں۔ (لال خاں کا خوش خوش آنا)

لال خاں (گانا)

---

[1] اردو ڈراما۔ تاریخ و تنقید صفحہ ۱۴۴ (اردو مرکز لاہور)
[2] حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۴۴ [3] حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۴۹

میری ساری جوانی گئی کیا مزہ زندگانی — میری
آیا بڑھاپا چھائی سفیدی، صورت مُردے کی ثانی
بُلبل پیاری سے شادی کرونگا دل میں اب تو یہ ہی ٹھانی، نہیں شادی ہے بیگانی میری۔
کہتے ہیں لوگ بڑھاپے میں شادی، کرتے جو ہیں نامرادی،
تن من میں طاقت میرے ہے جب تک،
کرتا ہوں میں شادی۔ کہ ہو مجھ کو نت شادمانی — میری . . .
بلبل سے کرکے شادی، ہمیشہ کرتا رہوں پاسبانی،
ہاتھوں سے کھانا کھلاکے، میں اوس کو ٹھنڈا
پلاؤں گا پانی مجھے ہوگی روٹی پکانی — میری ساری جوانی
جاؤں گا باہر تالا لگاکے دل میں جو ہے بدگمانی،
میرے گئے بعد بھاگ نجائے بلبل میری ہے دیوانی،
کہیں چھوٹ نہ جائے وہ جانی — میری ساری جوانی

ابیات۔ تحت اللفظ

عظمت ماما	لال خان
بہت خوب حاضر ہوں لے مہرباں	اے عظمت کدھر ہے تو آجلد یاں
ہے اُس کمرے میں ہو تو خوش بیگماں	میری پیاری بُلبل بتا ہے کہاں

لال خان

ذرا خوب رہنا تو ہوشیاری سے — یہ لے میرے کمرے کی تالی تو لے

عظمت ماما

کہا جس طرح سے کروں گی وہ کام — بہت اچھا اے مہرباں نیک نام

لال خان کا تالی (کنجی) دینا

مکالمہ (نثر)

لال خان۔ سچ ہے عظمت تو بڑی ہوشیار ہے۔ تجھے معلوم ہوگا کہ جب میں بلبل کو لینے گیا۔ تو اس کے باپ جواہر خان سے یہ شرط ٹھہری تھی کہ تین ماہ کے عرصے میں بلبل سے شادی نہ کروں گا تو وہ بیس ہزار دینار اس کے باپ کو معاف کر دوں گا اس میں کچھ عذر نہ کرونگا۔

عظمت ماما۔ ہاں ہاں صاحب! وہ تو مجھے سب معلوم ہے۔ وہ کام تو میری سفارش سے انجام پایا تھا۔ سنو صاحب! بلبل کے باپ نے اپنے مکان پر بلوا کے تمہارا حال دریافت کیا تھا۔ جب میں نے بھی خوب طرح سے دلجمعی کر دی تھی کہ صاحب جیسے پاک طبیعت ہیں اور دنیا میں دوسرا نہ ہوگا۔ آج سو دو سو برس کی ہوتی مگر ایک روز بھی مجھ پر محبت کی نظر نہ ڈالی۔ جب بلبل کے باپ نے تمہاری تعریف مجھ سے سُنی تو فرمایا کہ تو سچ کہتی ہے۔ لال خان ایسا ہی نیک جوان ہے۔ جیسا کہ تو نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ فوراً میرے ساتھ بلبل کو کر دیا ہے۔

لال خان۔ اے عظمت تو سچ کہتی ہے کہ تیرے بڑھاپے نے تیری عزّت و آبرو بچا رکھی ہے۔ نہیں تو خدا جانے تیری کیا کیا خرابی ہوتی۔ خیر مگر یہ تو بتا کہ وہ اقرار تین مہینے کا جو ہے وہ پورا ہونے آیا۔ اب تیری کیا مرضی ہے شادی کروں یا نہ کروں۔ بلبل کے چال چلن کا حال تو مجھ سے بیان کر دے۔

عظمت ماما۔ اے صاحب سب طرح کی خیریت ہے۔ پر شادی کرنے میں کیا مصلحت ہے۔ سنو صاحب ایسی خوبصورت نوجوان کم سن کم سخن

پری رُو گلبدن وغنچہ دہن دوسری آپ کو ملنا مشکل ہے۔ مگر یہ
بھی خوب یاد رکھنا کہ دنیا میں ایسی چالاک اور ہوشیار دمباز عورت
دوسری نہ ہوگی۔

لال خان ۔ کیا کیا کہا؟ کہیں اس کا کسی سے دل تو نہیں لگا ہے۔

عظمت ماما ۔ ہاں ہاں صاحب تھوڑے تھوڑے دن سے دل تو کیا جان و
دل قربان کرتی ہے۔

لال خان ۔ کی، کی، کس سے سے صاف صاف کیوں نہیں کہتی کا کا کہو
کہو یہ کیا ماجرا ہے۔

عظمت ماما ۔ اجی صاحب آپ اتنا کیوں گھبرا گئے۔ بلبل پیاری نے اپنے
میاں مٹھو سے دل لگا لیا ہے۔

لال خان ۔ اسے چنڈال بدخصال یہ کیا واہیات ہے جو کہتی ہے۔ ارے
کسی مرد سے تو دل نہیں لگایا۔

عظمت ماما ۔ اجی اور مرد سے کیا دل لگائے گی۔ اُس کو تو کوئی بھی پسند
نہیں آتا ہے۔ وہ پھر کیا دل لگاتے گی۔

لال خان ۔ سچ ہے عظمت سچ ہے۔ دنیا میں مجھ سا نوجوان پُر ارمان، صاحب
شان دوسرا کون ہے۔ جو وہ اس کو پسند کرے۔ ذرا دیکھ تو میری
عین جوانی صورت نورانی، موت کی نشانی ہے۔ مجھے تو ضرور ہی
اُس نے پسند کیا ہوگا۔

عظمت ماما ۔ واہ وا اجی صاحب آپ کی جوانی موت کی نشانی، سنو جب مجھ
سی پری زاد عاشق و شیدا ہے۔ پھر کہو وہ لڑکی تم پر قربان و
شیدا کیوں نہ ہوگی۔ میں مرتی ہوں۔ کیا کروں ناچار گلے پڑتی

ڈرتی ہوں ۔

لال خان ۔ کیا تو مجھ سے دل لگی کرتی ہے ۔ جو تجھ سا بوڑھا ہوتے تو مجھ پر جان دے مجھ پہ کیوں مرتی ہے ۔ عظمت بلبل کے باپ کے پاس جاتا ہوں ۔ کیونکہ وہ تو بوڑھے ہیں ۔ کہاں زمین کہاں آسمان ۔ پر تین مہینے اقرار کے تمام ہوتے ۔ میں اپنی شرط پوری کر دوں گا ۔ مگر تو بلبل کی نگہبانی کرنا ۔ اچھا تو مکان میں جا کے بلبل کو میرے پاس روانہ کر دے ۔ جا جلدی سے

(عظمت ماما کا جانا)

لال خان ۔ میں ہمیشہ رات دن خواب میں کیا دیکھتا ہوں ۔ کہ میری شادی نامرادی بلبل کے ساتھ ہونے کے وقت ایک کالی بلی ٹانگیں جلی آڑی پھر جاتی ۔ توبہ توبہ یہ ہر وقت ہوا کرتا ہے ۔ خدا خیر کرے کہ بڑھاپے کی عزت رہ جاتے ۔ کیونکہ جوان عورت سے پالا پڑا ہے (جاتا ہے)

(بلبل بیمار کا طوطے کا پنجرا ہاتھ میں لئے ہوتے آنا)

بلبل بیمار (گانا)

میاں مٹھو جان ، چاہے کا پان   تجھ پر اس آن ، جیا کروں قربان
میاں مٹھو مان تو نے مورا من لینو ۔ میاں مٹھو
مٹھو منہ کھول ، میٹھی بتیاں کھول   نہیں ماروں پول ، لینا مفت مول
کر کے شیریں کلامی تو نے مورا من لینو ۔ میاں مٹھو

(آنا لال خان کا اور بلبل کو ستانا)   (سین ختم)

اس کے باوجود "بلبل بیمار" اردو کا پہلا نثری ڈراما اور اندر سبھا کے بعد اردو ڈراما نگاری کی تاریخ میں پہلا موڑ ہے اس کی نثر اور نظم دونوں

میں ابتذال اور عامیانہ پن ہے۔ اسلوب بیان اور ڈرامائی فن کے اعتبار سے اسے ایک ابتدائی کوشش سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

اُردو ڈرامے کا دوسرا اہم مرکز بمبئی ہے۔ اب تک یہ سمجھا اور قیاس کیا جاتا تھا کہ یہاں اُردو ڈرامے ۱۸۵۳ء یا اُس کے آس پاس اسٹیج ہونے شروع ہوئے۔ لیکن جدید تحقیق نے جو نتیجے نکالے ہیں اُن کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ بمبئی میں بھی اُردو ڈرامے کی ابتدا تقریباً اُسی دور میں ہوئی جس میں لکھنؤ میں اندرسبھا کا ناٹک دکھایا گیا۔ چنانچہ ۱۸۵۳ء سے پہلے "اندرسبھا" بمبئی کے اسٹیج پر پیش کیا جاچکا تھا اور اس کے علاوہ پارسیوں کے لکھے ہوئے کچھ منظوم ڈرامے (جن پر اندرسبھا کا اثر نمایاں ہے) اسٹیج کئے جاچکے تھے۔ سلہ ۱۸۶۱ء تک بمبئی میں ۱۹ تھیٹریکل کمپنیوں کے قیام کا سراغ ملتا ہے جن میں سے اکثر اُردو کے ڈرامے اسٹیج کرتی تھیں۔ ۱۸۸۷ء میں جب دہلی میں جوبلی ہوئی تو بمبئی کی دو کمپنیاں، وکٹوریا ناٹک منڈلی (یا پارسی وکٹوریہ ناٹک منڈلی) اور اوریجنل وکٹوریہ ناٹک منڈلی دہلی پہنچیں۔

۱۸۶۱ء تک ۱۹ تھیٹریکل کمپنیوں کے قیام کے باوجود بمبئی میں تھیٹروں کی تعمیر کی رفتار بہت سست تھی۔ دادا بھائی رتن جی ٹھوٹھی اُردو تھیٹر کے باوا آدم کہلاتے ہیں۔ اُن کے بیٹے اردیشر دادا بھائی ٹھوٹھی بھی بہت بڑے ایکٹر اور ڈائرکٹر تھے۔ اُنھوں نے اُس دور کے ابتدائی تھیٹر کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

سلہ ان معلومات کا ماخذ ڈاکٹر پٹیل کی کتاب "پارسی ناٹک" اور ڈاکٹر نامی کا مقالہ "اُردو تھیٹر" ہے جن کے حوالے عشرت رحمانی کی تاریخ ڈراما میں دئے گئے ہیں۔

" تختوں اور بنچوں کا اسٹیج بنایا جاتا۔ اسٹیج کے دائیں بائیں جانب ایکٹروں کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں رکھی جاتیں۔ جن پہ بیٹھ کر وہ میک اپ کرتے اور کپڑے بدلتے تھے۔ اسٹیج کے سامنے کرسیاں صوفے، مونڈھے، اسٹول اور بنچیں رکھ دی جاتیں۔ تماشائی بھی اپنے اپنے گھروں سے کرسیاں اور دستی پنکھے لے آتے۔ اسٹیج کی پست پہ ایک سفید پردہ ڈال دیا جاتا۔ ایکٹر اپنے پرائیویٹ کپڑوں میں جن کو وہ بیکار سمجھتا۔ ملبوس ہوکر اسٹیج پہ آتا۔ وہ حسب ضرورت اپنے کپڑوں پر رنگ برنگ کی ابرق اور پنیاں چپکا لیتا۔ سیدھی سادی زبان میں اپنا مطلب بیان کرتا۔ ڈراما عموماً پانچ اور چھ روز کے درمیان شروع ہوتا اور ایک گھنٹے میں ختم ہو جاتا، ایکٹروں کو آلاتِ موسیقی سے کوئی واسطہ نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ روشنی بھی غیر ضروری سمجھی جاتی اگر کوئی شخص کسی ایکٹر کو کچھ انعام دینا چاہتا تھا۔ تو وہ اس کو اشارہ سے بلاتا۔ وہ اس کے پاس جاتا۔ انعام لیتا، سلام کرتا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا تھا۔[1] "

یہ دور حقیقت میں اُردو ڈراما نگاری میں پارسیوں کی ڈراما نگاری کا دور ہے اسی لئے ۱۸۵۳ء تک کی اُردو ڈراما نگاری کے متعلق ڈاکٹر نامی بھی کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکال سکے جس کی بنا پر یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکے کہ اس دور میں کتنے اُردو ڈرامے لکھے گئے اور ان کے مصنف کون کون لوگ تھے۔ لیکن جو بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے یہ ہے کہ ۱۸۷۳ء میں جب دادا بھائی پٹیل نے وکٹوریہ ناٹک منڈلی خرید لی تو اپنی توجہ پوری طرح اُردو کے ڈراموں کی طرف مبذول کی۔ ۱۸۷۳ء میں انھوں نے ایک منظوم ڈراما "بے نظیر بدر منیر"

---

[1] اُردو ڈراما صفحہ ۱۶۳ و ۱۶۴

آرام[1] سے لکھوایا اور وکٹوریہ تھیٹر میں اسٹیج کیا۔ ان کے ڈرامے لعل و گوہر کو اُردو کا سب سے قدیم ناٹک بنایا جاتا ہے[2] آرام کے نام سے جو اُردو ڈرامے مشہور ہوتے اُن کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابتدائی ترجمے : خورشید اور نور جہاں

منظوم ڈرامے : لعل و گوہر : بے نظیر بدر منیر : شکنتلا : پدماوت : لیلیٰ مجنوں : موہنا رانی

نثر کے ڈرامے : گوپی چند : حاتم طائی : باغ و بہار : عالمگیر : جہاں بخت : گل باصنوبر چہ کرد : گل بکاؤلی[3]

آرام کی تصانیف کے متعلق یہ کہنا تو صحیح نہیں کہ وہ ان سب کے بلاشرکت غیرے مصنف ہیں، لیکن اس لحاظ سے یہ اُن کی تصنیف و تالیف ضرور ہیں کہ ترمیم و تنسیخ کے بعد انہوں نے انھیں اپنایا اور ایک نئی شکل دی ہے

اس دور کے دوسرے مشہور ڈراما نگار رونق بنارسی اور غلام حسین عرف حسینی میاں ظریف ہیں رونق بنارسی پارسی تھیٹریکل کمپنی کے خاص ڈراما نگار تھے۔ اُن کے ڈراموں میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں۔

(۱) بے نظیر بدر منیر (۲) لیلیٰ مجنوں (۳) انجام اُلفت (۴) پورن بھگت۔ (۵) سیف سلیمان عرف معصوم معصومہ (۶) حاتم بن طے (۷) عاشق کا خون۔ (۸) فسانۂ عجائب عرف جان عالم انجمن آرا (۹) طلسم زہرہ (۱۰) ستم ہامان عرف فریب عزازیل (۱۱) انصاف محمود شاہ عرف ظلم عمران (۱۲) عجائب

---

[1] ان کا پورا نام خان صاحب نوشیروان جی مہرواں جی تھا۔

[2] جدید تحقیق کی رو سے یہ ڈراما ڈھاکے میں کسی مسلمان ڈراما نگار کے نام سے اسٹیج کیا جا چکا تھا۔

[3] یہ فہرست اُردو ڈرامے کی تاریخ و تنقید سے لی گئی ہے۔

پرستان عرف بہارستانِ عشق (۱۳) ظلم اظلم (۱۴) خوابِ گاہِ عشق (۱۵) خوابِ محبت (۱۶) چندا حور خورشید نور (۱۷) سنگین بکاؤلی (۱۸) نقش سلیمانی (۱۹) زیبِ نغمہ (۲۰) نورالدین او حسن افروز (۲۱) گھڑی میں گھنٹہ بابل -
(۲۲) چمبیلی گلاب -

ظریف بھی اسی دور کے ڈراما نگار ہیں اور مؤلفین ناٹک ساگر کے بیان کے مطابق اُن کے "ڈرامے کی غرض و غایت محض تفنن طبع اور دو گھڑی کا دل بہلاوا تھا" "اُن میں" نہ پلاٹ کی خوبی ہے نہ ڈرامے کی شان - اداکاری خارج از عمل ہے نظم و نثر خام، مگر امانت کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کرکے ایک تناور درخت بنا دیا" مرزا رسوا نے اُن کے ڈراموں کی زبان کو "بھیتی سے مچھلی بازار کی بول چال" کہا ہے اور عشرت رحمانی کے نزدیک ان کی "خصوصیات وہی ہیں جو اس دور کے ادنیٰ ڈراما نویس متشاعروں کی تھیں" - "اُن کی شاعری کا عام انداز ادنیٰ اور پست درجہ کا ہے - البتہ چند قطعات جو قصیدے کے طور پر نظر آتے ہیں کسی حد تک سلامت کا نمونہ ہیں" -

جو ڈرامے ظریف کے نام سے مشہور ہیں اُن میں سے بعض اُن کے لکھے ہوئے ہیں اور بعض محض دوسرے ڈراموں کی بدلی ہوئی صورت ہیں - اُن کا ڈراما "دریائی اندر سبھا" جو اندر سبھا کی مسخ شدہ صورت ہے، ۱۸۸۸ء میں کھیلا گیا اُن کے ڈرامے "نیرنگ عشق" [1] کے متعلق "اُردو ڈراما" میں یہ رائے ظاہر کی گئی ہے -

"جس حد تک اس ڈرامے کے اصل انداز کا تعلق ہے وہ تمام تر نظم میں لکھا

---

[1] ۱۸۸۸ء

گیا ہے، جس میں رباعی اور قطعہ بندی کی طرز میں مخاطبے ہیں۔ غزل اور مرثیہ مسدس اور ترجیع بند کے انداز میں گانے ہیں۔ ان گانوں میں بھی مکالموں کا انداز ہے۔ نظم نہایت ادنیٰ پایہ کی ہے۔

اس ڈرامے کا ایک منظوم مکالمہ ذیل میں درج ہے۔

ماہتاباں :-

اے بدبخت موذی تو بکتا ہے کیا	نکل رو برو سے مرے بے حیا
وہ مادر جو تیری گئی بد گہر	اسی کے گلے سے لپٹ پیار کر
وہی تیری دلبر ہے اے بے شعور	میں جاتی ہوں اس سے لپٹ جا ضرور

(دھکا دینا ماہتاباں کا گرجانا شہزادہ کا)

(جانا ماہتاباں کا)

شہزادہ (مسدس)

گئی مار کے مجھ کو تو بھاگ اب	میں مادر کو جاکے کہوں گا یہ سب
بغیر از سزا چین ہو مجھ کو کب	ابھی دیکھو لاتا ہوں کیسا غضب
اسی طرح روتا ہوا جاؤں گا	ابھی مار کھلوا کے رلواؤں گا

ظریف کے مندرجہ ذیل ڈرامے مشہور ہیں۔

(۱) نتیجۂ عصمت (۲) خدا دوست (۳) چاند بی بی (۴) تحفۂ دلکشا۔ (۵) بلبل بیمار (۶) شیریں فرہاد (۷) فریب فتنہ (۸) ہوائی مجلس (۹) حسن افروز (۱۰) حاتم طائی (۱۱) بدر منیر (۱۲) ناصر و ہمایوں (۱۳) ماتم ظفر (۱۴) بزم سلیمان (۱۵) چراغ الہ دین (۱۶) خداداد (۱۷) نیرنگ عشق (۱۸) اکسیر اعظم (۱۹) لیلیٰ مجنوں (۲۰) عشرت سبھا (۲۱) فرخ سبھا (۲۲) علی بابا (۲۳) گوپی چند

اس دور کے ایک اور ڈراما نگار طالب بنارسی ہیں جو وکٹوریہ ناٹک کمپنی

کے لئے ڈرامے لکھتے تھے۔ وکرم ولاس، دلیر دل شیر، ناداں، نگاہِ غفلت، ہریش چندر، گوپی چند اور لیل و نہار اُن کے مشہور ڈرامے ہیں۔ ان ڈراموں کا درجہ دوسرے معاصرین کے مقابلے میں بلند تر ہے۔ اُن کی نثر سلیس اور فصیح ہے۔ اور اُن کی نظم بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خوش گو شاعر تھے۔ کہتے ہیں کہ جب طالب نے ڈرامے لکھنے شروع کئے تو "اندرسبھا" کی تقلید کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جس طرح احمد حسین وآفر نے نظم کے مکالموں میں نثر کا اضافہ کیا تھا (بلبل بیمار، اس کی مثال ہے) اسی طرح انھوں نے نثر کی طرف توجہ کی اور اپنے ڈراموں کے ذریعے ہندی گانوں کی جگہ اُردو کے گانوں کو رواج دیا۔ اس زمانے میں کمپنی کے مالک خورشید جی بالی والا تھے۔ وہ اپنے عہد کے مشہور مزاحیہ اداکار تھے، اس لئے اُن کے اشارے پر طالب نے اپنے سب ڈراموں میں اصل قصے کے ساتھ مزاح (کامیڈی) کا اضافہ کیا۔ اُن کے ڈراموں میں "لیل و نہار" کو سب سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اُس کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

باغیچہ

عالم سوز۔ یہی اکرام کا گھر ہے۔ کم بخت جیتے جی قبر کے اندر ہے۔

سفیر جاہ۔ عالم سوز! مجھے تو تب چین آتے کہ جب اکرام قبر میں ڈالا جائے یا دیس سے نکالا جائے۔ لطیفن کی موت کا گواہ ہے۔ ایک روز یہ ذلیل مجھے رسوا کرے گا۔ عزت گنوائے گا۔

عالم سوز۔ بے فکر رہو میرا مخبر اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ چند روز میں اس کے جرم کا پتہ لگا دے گا۔ اور اسے ٹھکانے لگا دے گا۔

سفیر جاہ۔ شاباش! میں تمہیں خوش کروں گا۔ بھلا فیروز یہاں روز آتا ہے۔

عالم سوز۔ جی ضرور آتا ہے۔ اور پھول چڑھاتا ہے۔

سیفرجاہ۔ اکرام فیروز کا مددگار ہے۔ یہ خبر تم نے کس سے پائی ہے؟
عالم سوز۔ یہ شہناز کی قبر اکرام ہی نے بنوائی ہے۔
سیفرجاہ۔ اور انور بھی یہاں روز آتا ہے۔
عالم سوز۔ ہاں اسے بھی ساتھ لاتا ہے۔
سیفرجاہ۔ ہاں تو آج ایک کام کرو۔ انور کو بہلا کے گل اندام کے گھر پہنچاؤ
عالم سوز۔ بہت خوب!

(سیفرجاہ جاتا ہے۔ دل افروز آتی ہے)

دل افروز ــ بیکلی ہے کل سے کوئی شے پسند آتی نہیں
دم الجھتا ہے ہوا گلزار کی بھاتی نہیں

سوسن۔ ہاں میں سمجھی کوتے جانا نہ ہو تو جی لگے۔
نسرن۔ روئے روشن کا کوئی پروانہ ہو تو جی لگے۔
سوسن۔ وہ فیروز جو باغیچہ میں آتا ہے۔ اس کو دیکھ کر تمہارا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔
دل افروز۔ میری بلا جانے کون آتا ہے کون جاتا ہے۔
سوسن ــ اپنے انداز دبانے سے کہیں چھپتے ہیں
عشق اور مشک چھپانے سے کہیں چھپتے ہیں

نسترن۔ اچھا چل بہن اب گھر کو چلتے ہیں۔
دل افروز۔ میری طبیعت ذرا اس جگہ ہی بہلتی ہے۔
سوسن۔ اچھا بیٹھی رہو وہ جوان بھی کوئی دم میں آتا ہے۔
دل افروز۔ اجی صاف کہو نہ کہ تمہیں تو وہ بھاتا ہے۔
سوسن۔ جی ہاں دل بھی جانتا ہوگا۔ لیجئے ملاحظہ کیجئے۔

دل افروز ۔ ارے سچ، تو بہن پردہ کر دکنارے ہو جاؤ۔
نسترن ۔ پردہ! اچھا آؤ آکیوں چلا نہیں جاتا؟
دل افروز۔ اری کچھ کانٹا سا کھٹک گیا۔
سوسن ۔ کہاں پاؤں ہیں چبھا یا دل میں اٹک گیا۔
دل افروز ۔ بیچارا کیسا اُداس بے حواس ہے ۔
نسترن ۔ سچ پوچھو تو مٹی میں ملا ہوا الماس ہے ۔
سوسن ۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو پاس جاکر پوچھتی۔
دل افروز۔ باواجان بہتیرا بلاتے ہیں ۔ مگر نہیں آتا ہے۔ خدا جانے کیوں شرماتا ہے ۔

اس عہد کی دوسری مشہور کمپنی الفریڈ تھیٹریکل کمپنی تھی۔ اس کے لئے پہلے مہدی حسن احسن لکھنوی اور بیتاب بریلوی نے ڈرامے لکھے اور پھر آغا حشر نے ۔ حقیقت میں یہ تینوں ڈراما نگار ہم عصر ہیں ۔ حشر نے ڈراما نگاری ان کے نسبتاً بعد شروع کی ۔ لیکن چونکہ احسن اور بیتاب کے اکثر ڈراموں کی تاریخ تصنیف کا صحیح علم نہیں اس لئے یہ طے کرنا دشوار ہے کہ ان دونوں میں سے اوّلیت کا شرف کسے حاصل ہے ۔ ناٹک ساگر اور اُردو ڈراما نگاری میں ان ڈراما نگاروں کا ذکر کچھ اس طرح کیا جاتا ہے جیسے ان سب کا عہد ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ان میں آپس میں خاصا فصل ہے ۔ پھر ایک چیز یہ ہے کہ ان دو تین ڈراما نگاروں اور دو تین کمپنیوں کے ذکر کے بعد بہت سی کمپنیوں اور بہت سے ڈراما نگاروں کے نام اس طرح لکھ دئے جاتے ہیں کہ پڑھنے والا چکرا کر رہ جاتا ہے ۔ حقیقت یوں ہے کہ عین اُسی زمانہ میں جب وکٹوریہ ناٹک کمپنی اور الفریڈ تھیٹریکل کمپنی قائم ہوئی اور طالب احسن اور بیتاب ان کے لئے ڈرامے لکھ رہے

تھے، ملک کے مختلف حصوں میں اور کمپنیاں بھی تھیں اور ان کے اپنے ڈرامانگار تھے۔ مثال کے طور پر اسی عہد کے ایک مشہور لکھنے والے حافظ محمد عبداللہ ہیں انھوں نے انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی کی بنیاد رکھی۔ یہ جہورا ضلع فتحپور ہسوا کے رئیس تھے۔ اس کمپنی کے لئے بیشمار ڈرامے لکھے۔ جن ڈراموں کے اشتہار عموماً ان کے ڈراموں کے ساتھ دئے جاتے تھے ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ حافظ عبداللہ کے ڈراموں کی دو خصوصیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان میں سے اکثر پر سال طبع درج ہے۔ دوسرے حافظ صاحب نے ہر ڈرامے کے شروع میں ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے۔ ان کے ڈرامے اس وقت آسانی سے ملتے ہیں ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی کی ابتدا ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی اور اس کے لئے حافظ صاحب نے خود ہی ڈرامے لکھے تھے۔ ان ڈراموں میں سے اکثر پر اندر سبھا کا گہرا اثر ہے۔ بعض کے مکالمے شروع سے آخر تک منظوم ہیں۔ بعض میں اکا دکا لفظ نثر کے آتے ہیں۔ لیکن اس میں قافیہ کا بڑا سخت التزام ہے۔ حافظ عبداللہ کا ایک ڈراما مرقع جہانگیر و قباد، معروف بہ نقش سلیمانی و بہشت شداد ہے۔ اس کے دوسرے ایڈیشن کا پانچواں سین یہ ہے۔

(جہانگیر کا گریہ و زاری کرتے ہوئے نظر آنا)

غزل، گرحسن جوگیا اساوری، تال، دادرا

طرز: "میں حمد سے غافل نہیں اک آن خدایا"

یارب کوئی دنیا میں نہیں یار ہمارا
تو تیرے سوا کون مددگار ہمارا

ہم بے کس و بے بس کا بھلا کون ہو مونس
جز تیرے نہیں کوئی بھی غمخوار ہمارا

اب وصل ہو اس یار کا یا موت ہی آئے
جینا تو جدائی میں ہے بیکار ہمارا
رکھ اس کو تر و تازہ ہمیشہ تو خدایا
پژمردہ نہ ہو وہ گل گلزار ہمارا

(شداد کا آنا اور مہر انگیز کو منانا)

ٹھمری ۔ دُھن جھنجھوٹی ۔ تال ۔ قوالی
طرز : تجھ کو پانی کے اندر کا رہنا کیسے بھایا ہے ۔

شدّاد

تجھ پر صدقے ہو جاؤں پیاری کہنا میرا مان،
شوہر تو اپنا مجھ کو بنا لے ——— تجھ پہ . . . . .
شکل پہ تیری دل سے فدا ہوں
مجھ کو چھاتی سے لپٹا لے ہاں مان میری جان
میں تیرا دیوانہ ہوں تو میری دیوانی ——— تجھ پہ . . . . .

ٹھمری ۔ دُھن زلہ ۔ تال پنجابی ٹھیکہ
طرز : "اک چتر نار کر کے سنگار"

مہر انگیز

بس خبردار، اے ظلم شعار، کر مجھ کو نہ خوار ۔ مت ہو بدکار
ہے عرض مری یہ بار بار ——— بس خبردار . . . . .

دو غزلہ ۔ دُھن کھماچ ۔ تال چاچر
طرز : "بنجو می ذرا بتر ہ کھول پیارے"

شدّاد : اری ہوش کر اب بھی اپنے ٹھکانے

کہا مان میرا نہ بتلا بہانے

مہرانگیز : ارے او ذی رانده ہے تجھ کو خدا نے
کہا تیرا شیطان ملعون مانے

شدّاد : نہ تو بد زبانی سے باز آئی اب تک
لگی پھر مجھے سخت باتیں سنانے

مہرانگیز : بدوں کا ہے تو یار نیکوں کا دشمن
تجھے کون شیطان سے بار تو نہ جانے

شدّاد : تجھے مردے کی ہا کھٹرے میں اٹھوں
کہ تا بھوت آئیں ابھی تجھ کو کھانے

(شدّاد کا مُردے کو باہر کرنے کے لئے کھٹرے میں داخل ہونا)

مہرانگیز : خدا جلد غارت کرے تجھ کو ظالم
لگا تو ستم ہے گناہوں پہ ڈھانے

(گونگے کا گھنٹہ بجانا۔ بھوتوں کا یکایک نمودار ہوکر خونِ شدّاد پی جانا۔ شدّاد کا جہنم داخل ہونا۔ قباد کا مع نقش سلیمانی داخل ہونا)

ٹھمری : "دھن مالکوس۔ تال چاچر"

طرز : "ارے کون ہے تو بتا اپنا نام"

قباد : اراکین شاہی کرو تم ہراس
یہ نقش سلیمانی ہے میرے پاس
جو چاہوں تو تجھ کو جلاؤں میں اب
دیا ادھر ہی کوئی ڈھاؤں غضب

کرامات اس کی تو دیکھو ذرا
یہ دیوانہ ہوتی ہے کیسی فنا

(نقشِ سلیمانی کے لگانے سے شدّادی بہشت کا یکایک نابود ہو جانا۔
ایک باغ میں تختِ شاہی لگا ہوا نظر آنا۔ قباد و مہر انگیز کا بغل گیر ہونا۔
درباریوں کا عاجزی سے رونا)

اس سے اگلا منظر باغ کا ہے جس میں پہلے سب درباری مل کر پیلو کی دھن میں چند شعر (مثنوی) گاتے ہیں۔ پھر مہر انگیز پیلو میں ایک غزل گاتی ہے۔ اس کے بعد قباد بر سنہس میں ایک غزل گاتا ہے اور آخر میں سب مل کر دھن اڑانا میں ایک غزل گاتے ہیں اور اس جگہ کھیل ختم ہوتا ہے۔

ان دونوں مناظر کا مجموعی انداز اندر سبھا کا سا ہے ڈرامے کے کردار الگ الگ گانے گاتے ہیں، آپس میں اک بیتی گفتگو کرتے ہیں (لیکن تحت اللفظ میں نہیں بلکہ گا کر) مثنوی کے طرز میں جو بات روایت کی حیثیت سے کہی جاتی ہے وہ بھی گا کر ادا کی جاتی ہے ہر موقع پر مصنف گانے کی دُھن اور طرز کی طرف واضح اشارہ کر دیتا ہے۔

اُنیسویں صدی کے آخر میں اسٹیج ڈراموں کا طرز یہی ہے۔ ان میں قصوں کے مقابلے میں ناچ گانے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ کرداروں کا مکالمہ بھی نثر کے بجائے نظم میں ہے کردار جو غزلیں اور گانے گاتے ہیں ان میں خیال کی رفعت، نزاکت یا شوخی کو اتنا اہم نہیں سمجھا جاتا جتنا اُن کی دُھنوں اور تالوں کو۔ جن کمپنیوں کے لئے یہ ڈرامے لکھے جاتے ہیں وہ لوگوں کی دعوت پر یا اپنی خوشی سے خالص تجارتی اور کاروباری نقطۂ نظر سے شہر در شہر دورے کرتی ہیں۔ ان میں سے بہت سی کمپنیوں کو ریاستوں کے نوابوں، راجاؤں اور رئیسوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ شادی بیاہ اور دوسری خوشی کی تقریبوں میں بھی کمپنیوں کو دعوت دے کر ان کے ڈرامے مہمانوں اور شہر والوں کو دکھاتے جاتے ہیں۔ جس طرح

یہ کمپنیاں بے شمار ہیں اسی طرح ان کے لئے ڈرامے لکھنے والوں کی تعداد بھی ان گنت ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر میں نہ صحیح ادبی مذاق ہے اور نہ فن کا موزوں احساس۔ اس لئے یہ ڈرامے ادبی اور فنی نقطۂ نظر سے بہت کمتر درجے کے ہیں۔ ان ڈراموں میں عموماً مذاقِ عام کی تسکین کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے لکھنے والا اس بنی بنائی ڈگر سے سرمو انحراف نہیں کرتا جو مذاقِ عام نے اس کے لئے بنادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اکثر لکھنے والوں کے ڈرامے ایک ہی نہج کے ہیں ان میں سے کسی میں لکھنے والے کی اُپج کو دخل نہیں معلوم ہوتا ہے کہ سارے ڈرامے ایک خاص سانچے میں ڈھل کر نکلتے ہیں۔ سادہ کار کے اپنے مذاق اور اُس کی فنی مہارت سے سونے چاندی کے زیور کو جو حسن ملتا ہے، اس سے یہ ساری تخلیقات سرتاسر عاری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی عہد کے بے شمار لکھنے والوں میں جب کوئی ایسا لکھنے والا دکھائی دیتا ہے جس نے عام روش پر چلنے کے ساتھ ساتھ ڈرامے کو کسی نہ کسی پہلو سے سنوارا اور بہتر بنایا ہے تو نظر اس پر ٹھہر جاتی ہے اور ذکر کرنے والے اس کی تھوڑی سی خدمت کو بھی بڑا کارنامہ سمجھ کر اُسے جی کھول کر سراہتے ہیں۔ اس دور میں یہی حیثیت احسن لکھنوی اور بیتاب بریلوی کی ہے۔

احسن لکھنوی، لکھنؤ کے معروف شاعر حکیم نواب مرزا شوق مصنف زہرِ عشق کے نواسے تھے۔ خوش فکر شاعر ہونے کے علاوہ موسیقی داں بھی تھے۔ خونِ ناحق، دلفروش، فیروز گلنار، شہیدِ وفا، چندراولی، چلتا پرزہ، بکاؤلی، اور بھول بھلیاں ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔

احسن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے پہلے پہل شیکسپیئر کو اُردو داں طبقے سے ڈرامے کے ذریعہ روشناس کرایا۔ خونِ ناحق، شہیدِ وفا اور دلفروش شیکسپیئر کے مشہور ڈراموں، ہیملٹ، اتھیلو اور مرچنٹ آف وینس کے ترجمے

ہیں۔ لیکن ان ترجموں میں احسن نے ہندوستانی دیکھنے والوں کے مذاق کے مطابق
بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ شہید وفا کی ساری فضا اسلامی بنا دی ہے، ہیملٹ
(خون ناحق) میں بہت سی چیزیں گھٹا بڑھا کر اس کے حزینہ تاثر کو ختم کر دیا گیا ہے
مزاحیہ ذیلی قصہ اسی مقصد سے شامل کیا گیا ہے۔ یہ تبدیلیاں ظاہر ہے کہ اس لئے
کی گئی تھیں کہ ڈراما اسٹیج پر جس خاص طرح کے دیکھنے والوں کے لئے پیش کیا جا رہا
ہے انھیں پسند آسکے۔ لیکن اس طرح کی تبدیلی کرنے کے لئے فن کار کو اپنے اوپر
اعتماد ہونا چاہئے۔ یہی اعتماد ہے جس نے احسن کے ڈراموں میں (پھر بیتاب کے
ڈراموں میں اور اس سے بھی بڑھ کر حشر کے ڈراموں میں) بعض ایسی تبدیلیاں رونما
کیں جو اس عہد کے دوسرے ڈرامہ نگاروں کے یہاں ناپید ہیں۔

احسن نے گانوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا، لیکن انھیں ادبی اور شاعرانہ
حیثیت سے بہتر بنایا۔ مکالموں کو سرتا سر منظوم رکھنے کے بجائے ان میں نثر کے
چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا اضافہ کیا۔ مکالموں کی زبان میں ادبی شان پیدا کی اور
ان چیزوں کی بدولت ان کے ڈرامے ان کے اکثر ہم عصروں سے بہتر سمجھے
گئے۔ مثال کے لئے ان کے ڈرامے گل فروش کے ایک منظر پر نظر ڈالئے۔

باب تیسرا — پردہ پہلا

سجا ہوا محل

گانا شیریں

موراسیّاں ملت نہیں، درس دکھلیاں، ترس گئی جان رے۔ ارے
سیاں نے موہے ترسیاں، جبرا کلپیّاں۔ نہ کینو میرا دھیان۔
کٹت تڑپ تڑپ رین، ون چین پڑت ناہیں۔
برس برس رین تکت، درس ملت ناہیں۔ کیا کروں گیاں۔

صورت کملیاں، جوبن مرجھیا، جھلس گئی شان۔

قطعہ

قسمت سے مہرباں کو ستمگر بنائیں گے
نالے ہمارے موم کو پتھر بنائیں گے
آہوں میں گر اثر ہے تو کیونکر نہ آئیں گے
جب آئیں گے تو آپ کے دل پر بنائیں گے

سلیمہ:- بگڑے ہوتے جو کام ہیں اکثر بنائیں گے
جب آئیں گے تو آپ کے دل پر بنائیں گے

شیریں:- مت چھیڑ خانی کر تو سلیمہ خدا سے ڈر
میں انتظار کرتے ہوتے جاؤں گی گذر

سلیمہ:- مت بے قرار ہو اے مری جان صبر کر
یہ کون آرہا ہے کلوٹا مُوا اِدھر؟
ہیں ــــ یہ تو نگوڑا ہے وہی مسعود گپّی خر

(مسعود کا آنا)

شیریں: مسعود آیا آیا تو لایا بھی خوش خبر
مسعود: تشریف لائے دیکھئے وہ خود ہی نامور
شیریں:- ہے شکر لاکھ لاکھ خدا وند داد گر
یہ شکل پیاری پیاری جو آئی ہمیں نظر
قاسم:- جلوۂ دید کا مشتاق ہے کب سے کوئی
آپ کے ہجر سے دل شاق ہے کب سے کوئی
مسعود:- منتظر لائق انعام ہے کب سے کوئی   جویش آغاز کا انجام ہے کب سے کوئی

شیریں : اے کسی کے دل پر قبضہ کرنے والے خوف خدا سے نہ ڈرنے والے

سے   تجھ پہ ظالم مرے نالوں کا اثر ہے کہ نہیں
مر رہا ہے کوئی فرقت میں خبر ہے کہ نہیں

قاسم : سے   جو ستم میں نے سہا وہ کوئی کیا جانتا ہے
دل مرا جانتا ہے یا کہ خدا جانتا ہے

سلیمہ : مہربانِ من تشریف رکھئے

قاسم : تکلیف نہ فرمایئے۔ اب وہ صندوق منگوایئے۔ میری قسمت آزمایئے۔

شیریں : ایسی تعجیل نہ فرمایئے، ٹھہر جایئے، دو چار روز مہمانی سے نہ اجتناب کیجئے۔ پھر شوق سے صندوق انتخاب کیجئے۔ کاش میری قسمت نے مجھے ناکام ہی رکھا تو سے

زندگی میری کا پھر کوئی سہارا نہ رہا
تم رہے غیر کے اور کوئی ہمارا نہ رہا

قاسم : وہ چار روز کی مہمانی سے کیا خاک لطف اٹھائیں گے۔ بس اب وہ صندوق ہی منگوایئے۔ دیر نہ لگایئے۔ اگر فضلِ خدا شاملِ حال ہے تو ہمیشہ کے لئے تمہارا وصال ہے۔

شیریں : مگر اے دلدار، غم خوار، ہوشیاری اس کا مآل ہے۔ یہ صندوق نہیں ہمارے تمہارے مقدر کی فال ہے۔

قاسم : کچھ نہ غم کیجئے خدا قادر ذوالجلال ہے۔

سلیمہ : صندوق منگوانے سے پہلے ہم آپ کو ایک شرط سمجھاتے ہیں کہ درصورت ناکامیابی اگر آپ اس راز کو زبان پہ لائیں گے تو محافظانِ طلسمات آپ کا گلا دبائیں گے۔

قاسم: مجھے سب کچھ منظور ہے، یہ بات عقل سے کب دور ہے۔
شیریں: اچھا ہوشیار، اے پیارے دلدار۔ اسے موکلانِ عجائبات، دکھاؤ اپنی کرامات
(شیریں کا زمین پہ پاؤں مارنا۔ محل کا غائب ہونا، ڈراؤنی شکلوں کا
نمودار ہونا۔ صندوقوں کا زمین سے نکلنا)
قاسم: خیر، الٰہی خیر!

گانا

کیا مکان کارستان، ہر زمان پریشان
خود گم ہے ساری، عجب سحر کاری ـــــ ملے گل گیا مکان
جہاں دار، تو لاچار کا ہو یار مددگار۔
آس ہوئی پوری، کر مہر و نوری ـــــ دکھادے شبیہ دل و جان
کیا مکان۔

اے خالق دو جہان، مالکِ کون و مکان! اگر تو مددگار ہے تو بیڑا پار ہے
کشتیِ نوح کو دریا سے نکالا تو نے
چشمِ یعقوب کو بخشا ہے اُجالا تو نے
میں بھی اک بندۂ ناچیز ہوں بندہ تیرا
گو گنہ گار ہوں رکھتا ہوں بھروسا تیرا

بیتاب بریلوی اس دور کے دوسرے ڈراما نگار ہیں جنہیں اپنی ڈراماتی مہارت کی بنا پر ایسی شہرت ملی کہ ڈراما نگاری کی تاریخ لکھتے وقت ان کا نام ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ احسن کی طرح بیتاب نے بھی شیکسپیئر کے ترجموں کے ذریعہ اُردو داں طبقے کو ڈرامے کی اچھی روایات سے روشناس کیا ہے۔ ان کے کئے ہوئے ترجموں میں کامیڈی آف ایررس، کا ترجمہ گورکھ دھندا کئی حیثیتوں سے ان کی

مشاق اور ڈرامے کے ساتھ ان کی مناسبت کا مظہر ہے۔ ترجمے میں بیتاب نے اپنی طرف سے مزاحیہ نقل اور گانوں کا جو اضافہ کیا ہے اور مکالموں میں نظم کی جگہ جس طرح نثر استعمال کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیتاب کو اپنے زمانہ کے ناظرین و سامعین کے مذاق کا کتنا صحیح اندازہ ہے۔

بیتاب کے ڈراموں کی دوسری خصوصیت مکالموں میں نثر اور نظم کا امتزاج ہے۔ وہی امتزاج جو آج احسن کو اپنے ہمعصروں میں ممتاز کرتا ہے، بیتاب کے بھی ہر ڈرامے میں موجود ہے۔ گو کہیں کہیں اس میں زبان کی وہ صفائی نہیں جو احسن کا حصہ ہے۔

لیکن بیتاب ایک خاص حیثیت سے اپنے عہد کے ہر ڈرامانگار سے ممتاز ہیں۔ انھوں نے ہندو دیو مالا کے بعض اہم اور ڈرامائی واقعات کو ڈرامے کی شکل دی ہے۔ ایسے ڈراموں میں ہندی اور اردو زبان کی ایسی آمیزش کی ہے کہ ہر طبقہ کا دیکھنے والا ان سے متاثر اور لطف اندوز ہوتا ہے۔ بیتاب کی قائم کی ہوئی اس روش کو حشر نے آگے چل کر بڑی کامیابی سے برتا ہے۔

ان کے ڈراموں میں قتل نظیر۔ گورکھ دھندا۔ کرشن سداما۔ پتنی پرتاپ، راماتن، مہابھارت۔ زہری سانپ۔ فریب محبت زیادہ مشہور ہیں۔ ان ڈراموں میں مکالموں کا انداز کیا ہے اس کے اندازے کے لئے گورکھ دھندا کا ایک منظر دیکھئے

باب دوسرا   پردہ دوسرا

مکان کا اندرونی حصہ

(انٹونیو رومی جانا چاہتا ہے۔ ایڈا اس کو پکڑ کر روکتی ہے)

گانا

ایڈا: جاں نثار اسے یار چلے چلے چلے۔ تجھ کو نفرت

ہوئی تجھ سے ، بنا نہ جیتے جی مزار
آہ آہ آہ آہ ، مجھ سے آنکھیں نہ چراؤ
او ظالم تو میرا شوہر ہے کیسا
چھنیاں لگائے نہ بھا بنا متوالا
مار ڈالا ، لب پہ نالا ، اس دل کا چھالا ، توڑا ہائے
تم نے اگر بدلی نظر مجھ کو ہے گھر رشکِ سقر
اس میں گذر دشوار ——— جاں نثار

انٹونیو رومی : افسوس ساری دعوت کے بعد یہ ہلکی باتیں ، بانو صاحبہ میں نہیں جانتا کہ کونسی کل کی باتیں ۔

ایڈرا : کل کی باتیں ہے

اب ایسے ہوگئے کہ کوئی میل ہی نہ تھا
گویا کہ ان تلوں میں کبھی تیل ہی نہ تھا

انٹونیو : واللہ ان تلوں میں کبھی تیل ہی نہ تھا
میرا تمہارے ساتھ کبھی میل ہی نہ تھا
اسباب میں ہے آنکھ پہ پردہ پڑا ہوا
جس کھیل کے یہ سین ہیں وہ کھیل ہی نہ تھا

ایڈرا : کھیل ہی نہ تھا ـــ

تم بھی بھلاؤ دل سے جاتی ہوئی بلا کو
وحشیت نے بھلایا جیسے شگفتلا کو

انٹونیو : سبحان اللہ ، یہ اچھی مہمان نوازی ہے ۔ پہلے مسافر کو خوشامدوں سے گھر میں لانا ، کھانا کھلانا ، پھر اداوہ بتانا ، بھٹیارا بتانا ۔

ایڈرا : اچھا ظالم! مسافر سہی، پردیسی سہی، انجان سہی، مگر کچھ کہہ تو سہی ؎

کس بات پہ خفگی بتِ بے پیر ہے اتنی
کیا جرم ہوا مجھ سے جو تعزیر ہے اتنی
منظور ہو جتنا تو ستا لے مجھے ظالم
اتنا تو بتا دے مری تقصیر ہے اتنی

انٹونیو : میں کیا بتاؤں، مجھے خود معلوم نہیں کہ میں کس جال میں پھنس گیا ہوں ؎

کس واسطے بے فائدہ تدبیر ہے اتنی
اتنا نہیں سمجھ کچھ تقریر ہے اتنی
کیوں مجھ پہ عنایت ہے ضرورت سے زیادہ
لمبی مری وحشت ہے تو زنجیر ہے اتنی

یہ نہیں سمجھتی کہ بس ہو لیا۔ تمہارے کہنے سے یہاں آیا، کھانا کھایا، دو گھڑی دل بہلایا۔ لو چھٹی ہوئی۔ مگر یہ عجیب بات ہے ؎

نہیں سکتی مرا پھندے سے پیٹنا باندھ کر
کیا یہیں بیٹھا رہوں گھٹنے سے گھٹنا باندھ کر

ایڈرا : تمہیں یہاں بیٹھنا منظور ہے تو خوشامد کیا ضرور ہے۔ معاف کیجئے اور پچھلا حساب صاف کیجئے۔

انٹونیو : پچھلا حساب ؟ تو کیا میرا تمہارا کچھ لین دین بھی ہے ؟

ایڈرا : لین دین تم بے چارے کیا نبھاؤ گے۔ لے نوٹ! ابھی کچھ گھاٹا ملے نہ کھوٹ مگر دیوالہ نکال بیٹھے ڈنکے کی چوٹ۔

انٹونیو : واہ یہ عجیب استعارہ ہے۔ عجب کنایہ ہے، عجب اشارہ ہے۔ اجی صاف کہئے میں نے آپ کی کون سی رقم دبائی ہے؟ کیا مال مارا ہے؟

اِندرا : بھول گئے تو میں بتاتی ہوں، یاد کرو گنواتی ہوں۔

گانا

نوجوانی کی وہ چاٹیں، عیش چٹخارے مزے
پھیر دو مجھ کو ابھی لوٹے ہوئے سارے مزے
چھوٹی چھوٹی کلیاں پھلیاں، تھا نہ کانٹوں کا سامان ہاں،
پھولوں کو توڑا، رس نچوڑا، ساری بگیا اُجاڑ ڈالی چھپیا ہاں،

مکالمے میں نثر و نظم کا میل بھی ہے، قافیہ پیمائی اور عبارت آرائی بھی ہے لیکن لطافت یا شوخی نام کو نہیں۔ احسن کے مکالمے زبان کی صفائی اور خیال آرائی کے اعتبار سے ان سے بہتر ہیں۔ لیکن احسن اور بیتاب نے ڈرامے کے ایک نئے دور میں جو راہیں نکالی ہیں اُسے محض سفر کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ ان کے پیچ و خم کو دور کر کے انھیں مصفّا اور ہموار بنانے کا کام حشر نے کیا اسے بام تک دے۔ یہ کہنا تو یقیناً صحیح نہیں کہ اس کی تکمیل کی۔

۳

آغا حشر کا فن

ہمارے ڈرامے کی تقریباً سو برس کی تاریخ میں، عوام اور خواص دونوں میں جو مقبولیت آغا حشر کے حصے میں آئی اس سے دوسرے لکھنے والے محروم رہے۔ جس زمانے میں حشر نے ڈرامے کی دنیا میں قدم رکھا احسن اور بیتاب کا بڑا شہرہ تھا۔ ناٹک کمپنیوں میں اُن کے ڈرامے منہ مانگے داموں بکتے تھے۔ لیکن جب آغا حشر کے ڈرامے اسٹیج پر آئے تو کمپنی کے مالکوں نے محسوس کیا کہ اس نوجوان ڈرامسٹ کے ڈراموں میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ چنانچہ ہر اچھی کمپنی کی کوشش ہوتی تھی کہ آغا حشر ان کے لئے ڈرامے لکھیں اور ہوا بھی یوں کہ حشر کا تعلق جس کمپنی کے ساتھ ہوا اُس کے دن پھر گئے۔

میڈن تھیٹر کمپنی کے ایک مشہور ایکٹر محمد طفیل صاحب نے آغا صاحب کی مقبولیت کا حال بیان کرتے ہوئے،[1] ایک واقعے کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس کمپنی

---

[1] آغا حشر میڈن تھیٹر میں۔ روزنامہ "امروز" لاہور، یکم مئی ۱۹۵۰ء

ہیں کام کرتا تھا اس کی حالت کئی مہینے سے بہت خراب تھی۔ آغا صاحب کمپنی میں آتے تو سب سے پہلے سلور کنگ اسٹیج کروایا۔ اس کھیل کو اتنا پسند کیا گیا کہ سات مہینے تک چلتا رہا۔ کمپنی کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ ملازموں کی تنخواہوں کے علاوہ الاؤنس بھی ملنے لگے۔ ایک شو کی آمدنی ملازمین میں تقسیم ہوئی۔ اس کھیل سے کمپنی کی شہرت بہت پھیل گئی۔

آغا حشر نے کوئی ۳۲، ۳۳ سال ڈرامے لکھے۔ اس مدت میں ان کی مقبولیت برابر بڑھتی رہی۔ اُن کی ڈراما نگاری کی اس مدت کو چار دوروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر اگلے دور میں اُن کی شہرت اور قبولِ عام کا آفتاب برابر زیادہ چمکا اور زیادہ بلند ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہو سکتی۔ آغا حشر میں ضرور کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت تھی جس نے ہر لمحہ ان کی شہرت کو پہلے سے زیادہ چمکایا ہے۔ آخر وہ خصوصیت کیا تھی؟ اس سوال کا جواب خود ان کے ڈرامے دیتے ہیں ان ڈراموں کو دیکھ کر واضح طور پر دو باتیں نظر کے سامنے آتی ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ آغا حشر نے اپنی ڈراما نگاری کے ہر دور میں زمانے کو وہ چیز دی جو اُس نے اُن سے طلب کی۔ زمانے کا مذاق کبھی ایک جگہ ٹھہرا نہیں رہتا۔ اس میں نت نئی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ فن کے نقطۂ نظر سے یہ بات بڑی اہم ہے کہ فن کار اپنی فنی تخلیقات کو بدلتے ہوئے مذاق کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ زمانے کے مذاق اور فن کے تقاضوں میں مطابقت پیدا کرتے وقت یا دونوں کو ایک دوسرے میں سموتے وقت اپنی تخلیقات کو فن کے نقطۂ نظر سے بھی بلند کرتا رہے۔ زمانے کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر فن کو بے سوچے سمجھے اسی کے بناتے اور سکھائے ہوئے راستے پر چلانے میں بظاہر زمانے کا فائدہ ہے لیکن حقیقت میں یہ عارضی فائدہ زمانے کے لئے بھی

مضر ہے اور خود فن کے لئے بھی۔ فن کا محض بدلتا رہنا ہی اہم نہیں۔ یہ تبدیلی ہمیشہ بہتری کی طرف ہونی چاہئے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ فن کار فن میں تبدیلیاں کرتے وقت جدت سے کام لے۔ زمانے کو کوئی نئی چیز دے۔ جس میں زمانے کا فائدہ ہے، اس میں فن کا بھی فائدہ ہو۔ جس طرح زمانے کے مذاق نے فن کو اپنا رُخ بدلنے پر مجبور کیا ہے اسی طرح زمانہ بھی فن کے ساتھ اپنا رُخ بدلے۔ اچھے فن کار کا منصب جہاں ایک طرف یہ ہے کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے غافل نہ ہو، دوسری طرف اس کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ زمانے کے مذاق کو نکھارے اور بلند کرے۔ یہ چیز صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ فن میں جدت کا یہ پہلو پیدا کرتے وقت اور زمانے کے مذاق کو بدلنے کی خدمت انجام دیتے وقت وہ جرأت سے کام لے۔ جھجک اور ہچکچاہٹ مفید اور حسین فنی تجربوں کی بہت بڑی دشمن ہے لیکن اس دشمن کی دست برد سے محفوظ رہنے کے لئے فن کار کو خود اپنے آپ پر اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے تجربے کی اچھائی پر اعتماد کی ضرورت ہے۔ دنیائے فن کی فتح و تسخیر اس اسلحے کی مدد کے بغیر عمل میں نہیں آتی۔

حشر کی ڈراما نگاری کی بے پایاں مقبولیت کے یہی دو راز ہیں۔ انھوں نے اپنے فن کو زمانے کی ضرورت کے سانچے میں بھی ڈھالا ہے اور اپنی جرأت اور اعتماد سے فن کو برابر ایسی شکل بھی دی ہے کہ وہ زمانے کے مذاق کو بہتر بناتا رہے۔ ان کی ڈراما نگاری کا ہر دور انھیں دو بڑی خصوصیات کا حامل ہے۔ ان میں سے ہر دور ہم آہنگی، جرأت، اعتماد اور جدت پسندی کی ایک نئی منزل ہے۔ آخری منزل کی طرف جرأت اور یقین کا ایک اور قدم ہے۔

آغا حشر کے ڈراموں کو عموماً تین دوروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ خود آغا صاحب نے پوری تخلیقی زندگی کے یہ حصے کئے ہیں[1]؛ پہلا دور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۶ء تک۔

---

[1] بحوالہ مضمون "آغا حشر کا فنی ارتقا" از عشرت رحمانی (مطبوعہ ادب لطیف) سالنامہ ۱۹۵۲ء

اس دور میں مرید شک۔ مارِ آستین۔ میٹھی چھری اور اسیر حرص لکھے گئے۔

دوسرا دور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک۔

اس دور میں شہید ناز، خوبصورت بلا، سفید خون اور صید ہوس لکھے گئے۔

تیسرا دور ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۶ء تک۔

سلور کنگ، خواب ہستی، یہودی کی لڑکی، سورداس، بن دیوی اور پہلا نقش، اس دور کے مشہور ڈرامے ہیں۔

چوتھا دور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۴ء تک۔

یہ زمانہ کلکتہ کے قیام کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں آغا صاحب نے زیادہ تر ہندی کے ڈرامے لکھے۔ مدھر مرلی۔ بھاگیرتھ گنگا، بھارت رمنی (قدیم بن دیوی) ہندوستان (جس کے تین حصے ہیں، شروَن کمار اکبر اور تاریخ) ترکی حور، آنکھ کا نشہ پہلا پیار اور بھیشم اس دور کی یادگار ہیں۔

آخری دور میں آغا صاحب نے اصلاحی ڈرامے لکھے۔ ۱۹۲۸ء میں سیتا بن باس ۱۹۲۹ء میں رستم وسہراب اور ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک دھرمی بالک، بھارتی بالک اور دل کی پیاس۔ ڈراموں کی سنہ وار ترتیب کے لئے عشرت رحمانی صاحب کی تالیف اردو ڈراما دیکھئے صفحہ ۲۴۳ - ۲۴۴

ان مختلف ادوار کے ڈراموں پر الگ الگ نظر ڈالی جائے تو بدیہی طور پر دو نتیجے نکلتے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ ہر دور میں آغا حشر کے ڈرامے اس زمانے کے مذاق کی تسکین اور تشفی کرتے رہے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ عوام کے مذاق کی تسکین اور تشفی کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی اپج، جدت پسندی جرأت اور اعتماد سے اردو ڈرامے کی روایت میں آہستہ آہستہ خوشگوار تبدیلیاں کی ہیں۔ یہاں تک کہ آخری دور تک پہنچتے پہنچتے اردو ڈرامے کی ہیئت اور اس کا انداز اس حد تک

بدلا ہوا نظر آتا ہے کہ ابتدا اور انتہا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک چیز کی جھلک البتہ ہر دور میں موجود ہے۔ اور وہ ہے آغا حشر کا مخصوص مزاج، ان کی انفرادیت اور ڈرامے کے ساتھ ان کی طبعی اور فطری مناسبت۔

آغا حشر کو لڑکپن ہی سے ناٹک سے دلچسپی تھی۔ ابھی ان کا طالب علمی کا زمانہ تھا کہ بنارس میں ایک ناٹک کمپنی آئی۔ یہ تماشا دیکھنے گئے اور کسی بات پر کمپنی والوں سے ان بن ہو گئی۔ انتقاماً اُن کے خلاف ایک تیز سا مضمون لکھا اور ایک ڈراما جس کا نام "آفتابِ محبت" تھا[1] اس چھوٹے سے واقعے سے تو ڈرامے کے ساتھ آغا حشر کی طبعی مناسبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک واقعہ اور سن لیجیے جو اس زمانے کے مذاقِ ڈراما نگاری کا ایک ہلکا سا پرتو ہے۔ بنارس والے واقعے کے کچھ عرصہ بعد آغا صاحب گھر سے بھاگ کر بمبئی چلے گئے۔ یہ زمانہ ناٹک کمپنیوں کے شباب کا زمانہ تھا۔ ان کمپنیوں میں بھی خاص کر الفریڈ تھیٹریکل کمپنی کا نام شہر شہر مشہور تھا۔ کاؤس جی (کھٹاؤ) اس کمپنی کے مالک اور اچھے ایکٹر تھے۔ مسٹر امرت لال ان دنوں کمپنی کے ڈائرکٹر تھے۔ ڈراما نویسی کا کام احسن لکھنوی انجام دیتے تھے۔ آغا حشر کو بھی کمپنی میں نوکری کرنے کا خیال پیدا ہوا تو جا کر مسٹر امرت لال سے ملے۔ ان دنوں آغا صاحب کا عنفوانِ شباب تھا، مسیں بھیگ رہی تھیں۔ مسٹر امرت لال نے آغا صاحب سے باتیں کیں۔ اُن کی شعر گوئی کے متعلق کچھ سوال کئے۔ چار پی رہے تھے۔ کہنے لگے، اس پہ کچھ شعر کہو۔ آغا صاحب نے برجستہ کچھ شعر کہہ دیئے۔ مسٹر امرت لال ان کی بدیہہ

---

[1] "آغا حشر کاشمیری" (از مولانا غلام الدین سالک) "تجلیاتِ حشر" اس واقعے کو عشرت صاحب نے حشر کے معاصر مرزا عباس بیگ کی شہادت کی بنا پر کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جزئیات میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ملاحظہ ہو اردو ڈراما صفحات ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴ و ۲۴۵

گوئی سے متاثر ہوئے اور تھوڑی سی تنخواہ پر انھیں نوکر رکھ لیا[1] یہ واقعہ اس بات کی شہادت ہے کہ اُس زمانے میں بدیہہ گوئی اور فقرہ بازی ڈرامے کا عام مذاق تھا۔ اور لکھنے والے میں یہ خوبی موجود ہو تو بڑی سے بڑی کمپنی کے ڈائرکٹر کی نظر میں بھی پسندیدہ بن سکتا تھا۔

اس کمپنی کے لئے آغا صاحب نے مرید شک، مارِ آستین، پاک دامن، ٹھنڈی آگ اور اسیر حرص لکھے۔ یہ گویا ان کی ڈراما نگاری کا پہلا دور ہے۔ اس دور کے ڈراموں کی ایک خصوصیت تو وہی برجستہ گوئی، بدیہہ گوئی اور فقرہ بازی ہے جس نے آغا صاحب کو ملازمت دلوائی تھی۔ دوسری خصوصیتیں اس عہد کے دوسرے مشہور ڈرامہ نگاروں (احسن، بیتاب اور طالب) کے ڈراموں میں نظر آتی ہیں۔ یہ سب ڈراما نگار آدھے سے زیادہ ڈراما نظم میں لکھتے ہیں۔ یعنی ان کے کرداروں کی گفتگو کا زیادہ حصہ نثر کے بجائے نظم میں ہوتا ہے۔ ڈراموں میں شروع سے آخر تک مختلف قسم کے گانوں کی بھرمار ہے۔ اور جتنی دیر میں ڈراما اسٹیج پر پیش کیا جاتا ہے اس کا آدھے سے زیادہ حصہ گانوں میں صرف ہو جاتا ہے۔ ان ڈراموں کے مکالموں میں قافیہ اور سجع کا بڑا اہتمام اور التزام ہے۔ ڈراموں میں مزاحیہ حصوں کا انداز عامیانہ ہے اور اس میں کمتر درجے کے ناظر کو خوش کرنے کا میلان ہے۔

احسن لکھنوی کا ڈراما خونِ ناحق اس دور کا بے حد مقبول ڈراما ہے۔ اس میں کل ۱۱ گانے ہیں جو سہیلیوں اور درباریوں کے علاوہ ڈرامے کے خاص کرداروں نے گائے ہیں۔ مکالموں کا خاصا حصہ ایسا ہے جہاں کردار نثر کا ایک لفظ بھی نہیں بولتے۔ سارے سوال جواب شعروں میں کرتے ہیں اور سننے والے کو ان میں کتب

---

[1] "آغا حشر کاشمیری" (از مولانا علم الدین سالک) تجلیات حشر

میں ہونے والی بیت بازی کا مزہ آتا ہے۔ جو مکالمے نثر میں ہیں ان میں بھی اکثر جگہ قافیوں کا التزام اتنا شدید ہے کہ مکالمے میں روانی باقی نہیں رہتی۔ یہی حال ان کے دوسرے ڈراموں اور بیتاب کے اکثر ڈراموں کا ہے۔

حشر کو اپنی ڈراما نگاری کے پہلے اور دوسرے دور میں ایسے لوگوں کے مذاق کی تسکین کرنی تھی جو خونِ ناحق جیسے ڈراموں کے دلدادہ تھے۔ ایسے ڈرامے، جن میں گانوں کی بھرمار ہو، جن میں کردار نثر کے بجائے شعروں میں گفتگو کریں اور اگر بھولے سے نثر بولیں تو وہ مقفیٰ اور مسجع ہو۔ چنانچہ وہ ڈرامے جو حشر نے اس زمانے میں لکھے انھیں خصوصیات کے حامل ہیں۔ لیکن ایک چیز ان ڈراموں میں بھی نمایاں طور پر موجود ہے اور وہ یہ کہ گانوں کے استعمال میں اور مکالموں میں اشعار اور مقفیٰ و مسجع عبارت کے صرف میں انھوں نے خاصی حد تک اعتدال اور توازن برتا ہے۔ گانوں کی تعداد ۴۰، ۵۰ یا ۶۰ کے بجائے ۱۵، ۱۶ ہے۔ مکالموں میں شعروں کا استعمال نثر کے ساتھ ملا جلا ہے۔ کردار نثر میں کہی ہوئی بات کو شعر کے ذریعہ زیادہ موثر بناتا ہے، یا یوں سمجھئے کہ جو کچھ اُس نے نثر میں کہا ہے شعر اس کی تائید کرتا ہے۔ قافیہ پیمائی میں بھی ڈراما نگار نے مکالمے کو حتیٰ الامکان روزمرہ کی زبان سے قریب رکھا ہے۔ قافیہ اور شاعرانہ تخیل کو لازم و ملزوم سمجھنے کے بجائے، عام بول چال کے سیدھے سادے لفظوں ہی سے قافیہ کے آہنگ اور جھنکار کا کام لے لیا ہے۔ اسی عہد کے دوسرے ڈراما نگاروں کے مکالموں کا فرق دیکھنے کے لئے دو ایک مکالموں پر نظر ڈالئے۔ خونِ ناحق کے مکالموں کا انداز ذیل کے دو مکالموں سے ظاہر ہو جائے گا۔

ریحانہ: بی بی میں صدقہ، میں واری، چھوڑ دیہ آہ وزاری۔ یہ خیال دل سے دور کرو۔ سیر باغ میں طبیعت کو مسرور کرو۔ دیکھو، کیا آراستہ گلزار ہے۔

مہربانو: میری آنکھوں میں یہ سب خوار ہے۔
ریحانہ: ٹھنڈے ہو رہے ہیں کیا چمن زرد۔
مہربانو: یہاں عشق نے کر دیا یہ ان زرد۔
ریحانہ: نہیں کھلے فصل گل میں سارے پھول۔
مہربانو: جل کے تم سب کرد ہمارے پھول۔
ریحانہ: صبا اتراتی ہوئی کس جانب گلزار پھرتی ہے۔
مہربانو: صبا پھرتی ہے یا دل پر مرے تلوار پھرتی ہے۔
ریحانہ: گہر کی طرح غلطاں ہے جگر قطرے ہیں شبنم کے۔
مہربانو: نہیں شبنم یہ آنسو ہیں ہماری چشم پرنم کے۔
ریحانہ: ناز پھولوں پہ ہے عنادل کو
مہربانو: سن لے وہ میرے نالۂ دل کو۔
ریحانہ: چمن کی پٹریوں پہ اینڈتے طاؤس پھرتے ہیں۔
مہربانو: خزاں آئی ہے اپنی زیست سے مایوس پھرتے ہیں۔
ریحانہ: لطافت کیسی فوارے میں اور کیسی روانی ہے۔
مہربانو: ہمارے دیدۂ تر سے لیا اُس نے بھی پانی ہے۔
ریحانہ: گلاب اپنا دکھاتا ہے یہ شباب میں رنگ۔
مہربانو: ہمارے خونِ جگر کا ہے یہ گلاب میں رنگ۔
ریحانہ: توبہ کس قدر بک بک ہے، تیرے مزاج میں جو کچھ جھک ہے۔ جو ایسوں سے دلیل ملاتے گی تو پیش پاتے گی۔ علم سے دو چار آنکھیں ہیں۔
ریحانہ: نہیں ان کی چار آنکھیں ہیں۔
مہربانو: آخر تم دونوں کیوں بلا کی طرح میرے پیچھے پڑ رہی ہو۔ کس پہ اُڑ

رہی ہو۔ کچھ تو کہو یہ ماجرا کیا ہے، آج تم دونوں کو ہوا کیا ہے۔

ریحانہ : میں تو اچھی خاصی چالاک ہوں پر اس حال پر غمناک ہوں۔ افسوس یہ جوانی اور ضعف ناتوانی سے

نہ دو دل کو اضطراب اپنے ہاتھ سے
مٹاؤ نہ فصلِ شباب اپنے ہاتھ سے

مہربانو : مٹتی ہے جوانی مری تقدیر کے ہاتھوں
کچھ کام نہیں بنتا ہے تدبیر کے ہاتھوں
اب اس کو ہو آرام تو تکلیف ہمیں کیا
دل پک چکا اپنا تو جہانگیر کے ہاتھوں

ریحانہ : قصور اگر آپ ہمارا معاف کریں تو عرض خدمتِ عالی میں صاف کریں۔

مہربانو : کہو تو عرض ہے جس کا بیان فرض ہے [1]

ریحانہ : افسوس پیاری، عشق کی بیقراری، حسن و عشق کو خاک میں ملاتی ہے۔ آتشِ عشق کی سوزش خانۂ دل میں آگ لگاتی ہے سے

نہ رکھو شعلہ زن یوں نالۂ بے باک سینے میں
نہ جل جائے کہیں پیاری دلِ غمناک سینے میں

مہربانو : جلا یاں تک تپِ غم سے دلِ غمناک سینے میں
اگر ڈھونڈے کوئی دل کو تو پائے خاک سینے میں

ریحانہ : نالۂ سوزاں نہ بے آہنگ کرنا چاہیے
صاحب عزت کو پاسِ ننگ کرنا چاہیے

---

[1] باب دوسرا پردہ مکان مہ

مہربانو: جب نہ ہو راحت تو عزت سے گزرنا چاہیئے
زندگی بے لطف ہو جس دم تو مرنا چاہیئے[1]

احسن کے ان دو مکالموں میں تخیل کا رنگ غالب ہے۔ ڈراما نگار کی کوشش یہ ہے کہ عبارت آرائی اور شعروں کی ادبی اور شاعرانہ شان سے سننے والے کے ذہن کو متاثر کرے۔ مکالموں میں زندگی کی جھلک پیدا کرنے کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں۔ حشر کے ابتدائی دو دوروں کے ڈراموں پر بھی بیان کی یہی رنگینی اور تخیل کی یہی شوخی چھائی ہوئی ہے لیکن حشر نے ہر جگہ اپنے شاعرانہ تخیل اور رنگینی بیان کو زندگی کی حدوں میں لاکر دیکھنے والے کے ذہن سے زیادہ اس کے دل کو متاثر کرنا چاہا ہے۔ حشر کو معلوم ہے کہ یہ ڈرامے پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ اسٹیج پر دکھانے کے لئے لکھے جارہے ہیں اور پڑھنے والے کے دل و دماغ پر جو تاثر بھی قائم ہوگا وہ اسٹیج پر دیکھی اور سنی ہوئی چیزوں اور باتوں سے ہوگا۔ اس لئے وہ مکالموں کی ترتیب میں صوتی تاثر کو دوسری چیزوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن یہ صوتی تاثر ایسی قافیہ پیمائی سے پیدا نہیں کیا جاتا جس کا انداز شروع سے آخر تک غیر فطری ہو۔ احسن کے دو مکالموں کے مقابلے میں حشر کے دو مکالموں پر نظر ڈالئے۔ یہ چھوٹے چھوٹے فرق خود واضح ہو جائیں گے۔ اسیر حرص کے پہلے منظر میں سہیلیوں کے ابتدائی گانوں کے بعد نوشابہ اور اس کی سہیلی کی گفتگو اس طرح ہوتی ہے۔

گلشن:- آج کا دن تو ہے عیش و کامگاری کے لئے
شاہ کیا بھیجیں گے تحفہ اپنی پیاری کے لئے

---

[1] پہلا باب، پانچواں پردہ خون ناحق

نوشابہ : وعدہ تو کیا تھا تجھے بھجواتے ہیں تحفہ
اب دیکھئے کب آتے ہیں، کیا لاتے ہیں تحفہ

گلشن : پیاری اب تحفہ تو بھیجے گا مگر اس کے بدلے میں انھیں بھی کچھ دیجئے گا۔

نوشابہ : میں تو انھیں پہلے ہی دے چکی ہوں۔

گلشن : کیا ؟

نوشابہ : دل

گلشن : واہ بی وا ! یہ تو اُن کی جان فدائی کا عوض ہے۔ خیر دیجئے گا نہیں تو کچھ کھلا۔ یئے گا پلا یئے گا ؟

نوشابہ : ہاں کھلانے پلانے کو تو سب کچھ تیار ہے، لیکن اُن کو کیا درکار ہے؟ زردہ، مُتَنجن، مرغابی، شیرمال، کوفتے،

گلشن : واہ بی وا ! ایسے کھانے تو انھوں نے بہت کھائے ہوں گے آج تو کوئی ایسی چیز ہو جو اُن کو عزیز ہو۔

نوشابہ : تو کیا چاہئے، بنارس کے سنبوسے۔

گلشن : جی نہیں !

نوشابہ : تو ؟

گلشن : ان گورے گورے گالوں کے بوسے

سب : بوسے ؟

گانا

دوسرا منظر سفید تخون، کابے[1]

---

[1] باب پہلا۔ سین پہلا۔

خاقان : ہاں اے پیاری زہرہ بول، اب تیری گل افشانی کا وقت ہے۔
زہرہ : اے پدرِ بزرگوار، میں کیا عرض کروں ؎
اطاعت مجھ سے کہتی ہے کہ تو چپ رہ نہیں سکتی
مگر میرا یہ کہنا ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتی
خاقان : آخر بات کرنے میں کیا ہرج ہے، زبان کا تو یہی فرض ہے۔
زہرہ : بے شک، زبان گویائی کے لئے ہی عطا ہوتی ہے۔
خاقان : پھر کیوں نہیں بولتی، آخر کچھ تو بولو، زبان کھولو۔
زہرہ : اس کی خدائی کا اقرار کرنے کے لئے اور ضرورت کے وقت اپنی ضرورت
کا اظہار کرنے کے لئے ؎

زمانہ کی راحت تو چاہے اگر تو باتیں بھی کرنا ذرا سوچ کر
کہے ایک جب سن لے انسان دو کہ حق نے زبان ایک دی کان دو

گانا

خاقان : (غضب ناک ہوکر) ماں باپ کی فرماں برداری شرع و دین ہے،
اس قدر انکار میرے حکم کی توہین ہے۔
زہرہ : جہاں پناہ! مجھ کو یہ باتیں پسند نہیں، جس سے انسان کی پسند کا
شکار کیا جاتا ہے۔ سچائی شرافت کی جان ہے۔ اپنے والدین سے محبت
رکھنا ہر اولاد کا فرض بلکہ ایمان ہے۔
خاقان : او احسان فراموش! یہ کیسی بیہودہ باتیں کرتی ہے۔ اس سے اچھے
لفظوں میں تو ایک غیر شخص کی محبت کا اظہار کرتی ہے۔
زہرہ : تو معلوم ہوا کہ حضور کی طبیعت راست بازی کو نہیں بلکہ لفاظی کو پسند کرتی ہے۔
خاقان : زہرہ، زہرہ۔

زہرہ : سر بر آرا۔ قول کو فعل کی ترازو میں رکھ کر تولنا چاہئے۔ سچی محبت زبان کی دوکان اور لفظوں کے بازار میں نہیں ملتی۔ اس کو دل کے خزانہ میں ڈھونڈنا اور طبیعت کے ترخانہ میں ٹٹولنا چاہئے سے

صبرِ حالِ تباہ مشکل ہے　　ضبطِ فریاد آہ مشکل ہے

خاقان : ستم ہے اتنی چھوٹی اور ایسی طرّار۔
زہرہ : جی نہیں، بلکہ یوں فرمائیے کہ جتنی چھوٹی اتنی راست گفتار۔
خاقان : تو کیا سچ بولنا سخن سازی کا نام ہے ؟
زہرہ : تو کیا حق گوئی خوشامد بازی کا نام ہے ؟
خاقان : اظہار وفاداری کو خوشامد کہنا، ایک قسم کی بدزبانی ہے۔
زہرہ : اور مکاری کو وفاداری کہنا خوفناک نادانی ہے۔
خاقان : وفاداری کے دعوے دار کو مکّار کہنا یہ تم کو سجتا نہیں۔
زہرہ : یہ دُنیا جانتی ہے کہ جو گرجتا ہے وہ برستا نہیں۔
خاقان : دل کا حال انسان کی باتوں سے معلوم ہو جاتا ہے۔
زہرہ : عطر گندی کے کہنے سے نہیں بلکہ اپنی خوشبو سے پہچانا جاتا ہے۔
خاقان : چھوڑ دے یہ ضد۔
زہرہ : کبھی چھوٹی نہیں۔
خاقان : بے ادب ہے تو۔
زہرہ : مگر جھوٹی نہیں۔
خاقان : مجھ کو یہ باتیں ناپسند ہیں۔
زہرہ : دُنیا کو تو ہیں پسند۔
خاقان : مجھ کو نہیں پسند۔

زہرہ : خدا کو تو ہیں پسند

خاقان : تجھ کو نقصان پہنچے گا۔

زہرہ : میرا خدا حافظ ہے۔

خاقان : میں تجھ کو کچھ نہیں دوں گا۔

زہرہ : مجھے خدا دینے والا ہے۔

آغا حشر کے یہ دونوں مکالمے ان خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے بھی، جو ایک خاص دور کے مذاق کے تقاضوں نے پیدا کی ہیں، ان کی جدت پسندی اور احساس فن کے بڑے اچھے مظہر ہیں۔ مصنف نے ان دونوں مکالموں میں شعروں کا استعمال بھی کیا ہے اور مقفیٰ عبارت کا بھی۔ لیکن دونوں چیزوں کے استعمال میں اعتدال و توازن کو ملحوظ رکھا ہے۔ شعر مکالموں میں جہاں لائے گئے ہیں اور جہاں لائے گئے ہیں وہاں نثر کے فقروں کے زور اور تاثیر میں اضافہ کرتے ہیں سننے والے کا ذہن نثر کے فقرے سن کر جو جذباتی تاثر قبول کرتا ہے شعر اسے زیادہ گہرا کر دیتا ہے۔ شعر مکالمے میں محض اس لئے نہیں لایا گیا کہ وہ شعر ہے۔ اس کے استعمال کا ایک مقصد ہے۔ جس جگہ اس مقصد کے حصول میں مدد ملتی ہے وہاں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ جہاں اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہی صورت قافیوں کے استعمال کے معاملے میں ہے۔ حشر نے قافیوں کو اپنی ڈراما نگاری کے ابتدائی دور میں بھی کبھی مقصود بالذات نہیں بنایا۔ قافیے کا صرف نظم سے کہیں زیادہ نثر میں مشکل ہے اس لئے کہ نثر کی سب سے بڑی خوبی (خواہ وہ مسلسل بیان ہو یا مکالمہ) اس کی روانی اور اس کا اصل مقصد اظہار خیال ہے۔ قافیہ محض ظاہری تزئین کا ایک وسیلہ ہے۔ اچھے لکھنے والے کبھی اس

بات کو فراموش نہیں کرتے۔ حشر نے بھی قدم قدم پر اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ قافیہ عبارت کی روانی اور خیال کی تاثیر میں مخل نہ ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف وہ عبارت کے آہنگ، اس کے ترنم اور اس کی صوتی اثر انگیزی میں اضافہ کرے۔ یہ چیز صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ عبارت میں اس کے صرف میں اعتدال اور توازن کے حدود قائم اور برقرار رکھے جائیں۔ نہ کسی ایک جملے میں قافیوں کی اتنی بھرمار ہو کہ جملے کی روانی میں فرق آ جائے اور نہ مجموعی حیثیت سے کسی عبارت میں اُن کی اتنی کثرت ہو کہ پڑھنے اور سننے والے کو اکتاہٹ محسوس ہونے لگے اور اُس کا ذہن خیال اور جذبے سے بھٹک کر محض قافیوں کے خارزار میں اُلجھ کر رہ جائے۔ حشر کے مکالموں میں قوافی کے استعمال کا یہی حسن ہے کہ قافیے عبارت کو زیادہ دلکش بناتے ہیں۔ ان کا صرف اسی حد تک جائز رکھا جاتا ہے جس حد تک وہ ڈراما دیکھنے والے کے جوش کو بڑھانے اور ایک خاص نقطۂ عروج تک پہنچانے میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ کرداروں کی زبان سے اتنے چھوٹے چھوٹے فقرے کہلواتے ہیں کہ تاثر اور جوش میں بتدریج لیکن بڑی تیزی سے اضافہ ہوا اور ایک خاص بلندی پر پہنچ کر ختم ہو جاتے۔ ان مکالموں میں اشعار اور قافیوں کو استعمال کرتے وقت حشر نے ایک اور فنی نکتے کو بھی فراموش نہیں کیا۔ یہ قافیے کرداروں کے اس مزاج اور شخصیت کا صحیح عکس ہوں جو ڈرامے کے واقعات کے ذریعہ اُبھر رہی ہے۔

مکالموں اور کرداروں کی شخصیت میں صحیح فنی مناسبت کا احساس گو حشر کی ڈراما نگاری کے اس دور میں بہت کم ہے لیکن وہ سرے سے مفقود نہیں۔ آگے آنے والے دوروں میں یہ تیز سے تیز تر ہوا ہے۔ اور جوں جوں تیز ہوا ہے مکالموں میں اشعار اور قافیوں کا استعمال کمتر ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ آخری

دور میں کرداروں کا مکالمہ حقیقی زندگی کا عکس اور واضح نقش بن جاتا ہے۔ اس میں نہ شعر سنائی دیتے ہیں نہ قافیوں کی جھنکار۔ بات کا انداز وہی ہے جو زندگی اور فن کے صحیح امتزاج سے ہوتا ہے۔

ہماری ڈراما نگاری کے ابتدائی دور میں موسیقی، قافیہ پیمائی اور لفظی شعبدہ بازی کو جو اہمیت دی جاتی تھی اس کا مقصد ایک خاص طبقے کے ناظر کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرنا تھا۔ طالب، بیتاب اور احسن کے ڈراموں میں یہ رجحان ایک اور شکل میں زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ ہے کہ ڈرامے میں مزاح کے عنصر کو ایسا رنگ دیا جاتے کہ سننے والے کے سستے جذباتی مذاق کی تسکین ہو سکے۔ وہ کبھی کرداروں کی عشوہ گری کو اپنے لئے مخصوص جان کر خوشی سے پھولا نہ سمائے، کبھی اُن کے چُست اور شوخ فقروں میں اُسے اپنے حلقۂ احباب کی نوک جھونک کا پورا جلوہ نظر آتے، کبھی وہ یہ سمجھے کہ جو وقت اُس نے یہ فقرے سننے میں گذارا ہے وہ اس کی زندگی کے ناقابلِ فراموش لمحوں میں شامل ہونے کے قابل ہے۔ وہ ان مزاحیہ کرداروں کی ساری حرکات و سکنات اور ساری پھبتیوں اور فقرہ بازیوں کو مشقت سے کمائی ہوئی اس چونی کی کسوٹی پر کستا ہے جو دس روپے خرچ کر کے دیکھنے والوں کے روپوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ حشر نے بھی اپنے مزاح کے ذریعہ اسی طبقے کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے اور ابتدائی دور کے سب ڈراموں میں اس کا انداز ہر جگہ سستا اور عامیانہ ہے۔ لیکن یہ سستا اور عامیانہ مذاق جس سے حشر نے اکثر کسی نہ کسی اصلاحی نکتہ کا کام بھی لیا ہے، ان کی فن کارانہ مزاج دانی کا بڑا صحیح مظہر ہے۔

حشر نے اپنی ڈراما نگاری کے سب دوروں میں عموماً اور ابتدائی ادوار

میں خصوصاً عوام کو اپنے سامنے رکھا ہے۔ اپنے فن کے ذریعے اُن کے مخصوص مذاق کی تشفی کے سامان بھی مہیا کئے ہیں اور آہستہ آہستہ اُسے اصلاح کے راستے بھی دکھاتے ہیں اور یہ دونوں رجحان ان کے ڈراموں میں بالکل شروع سے موجود ہیں۔ ان رجحانات کا اظہار ان کے ڈراموں میں جس جس طرح ہوا ہے اس کی طرف چند اشارے کئے گئے۔ ان کے علاوہ عوام پسندی کے رجحان کی ایک اور شہادت بھی ان کے ابتدائی ڈراموں میں ملتی ہے۔ حشر کے ابتدائی ڈراموں میں سے کئی ڈرامے انگریزی ڈراموں کے آزاد ترجمے ہیں۔ شہید ناز، اسیرِ حرص، صیدِ ہوس اور سفید خون میں حشر نے اُن دیکھنے والوں کی تسکین کے لئے جو کسی قیمت پر بھی کہانی کو حزن و یاس پر ختم ہوتے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے اپنی طرف سے تبدیلیاں کی ہیں۔ شہید ناز میں جو حذف و اضافے ہیں ان سے قطع نظر صیدِ ہوس، اسیرِ حرص اور سفید خون کے انجام کو حزن سے طرب میں بدل دیا گیا ہے۔ حشر کو عوام کی پسندِ خاطر کس درجہ محبوب و مطلوب ہے اس کا اندازہ دو چھوٹی چھوٹی حکایتوں سے کیا جا سکتا ہے ایک کے راوی حشر کے عہد کے اداکار محمد طفیل صاحب ہیں۔ اور دوسری حکایت عہدِ حاضر کے ممتاز ترین ڈراما نگار امتیاز علی تاج صاحب کی وساطت سے مجھ تک پہنچی ہے۔

طفیل صاحب کا بیان ہے کہ ان کے زمانے میں میڈن تھیٹر میں ہارمونیم اور طبلے کے علاوہ سارنگی بھی اسٹیج کے آرکسٹرا کا جزو تھی لیکن جب آغا صاحب میڈن سے متعلق ہوئے تو انہوں نے سارنگی ہٹوا دی۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ اس کی آواز آخری درجے تک نہیں پہنچتی۔

دوسری حکایت جو بظاہر بڑی عجیب ہے اور شاید بعض ثقہ حضرات کے لئے مضحکہ خیز بھی ہو یہ ہے کہ جب وہ کسی ڈرامے کا کوئی سین لکھتے تھے تو اس کے

حسن و قبح کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ٹکڑا کسی معمولی پڑھے لکھے آدمی کو سناتے تھے۔ خود پڑھتے جاتے اور سننے والے کے چہرے سے (جہاں تک مجھے یاد ہے یہ سننے والا کوئی گنڈیری والا یا پنواڑی ہوتا تھا) اندازہ لگاتے کہ اس پر اس منظر کے مختلف ٹکڑے سننے کے بعد کیا اثر ہوتا ہے۔

ان دونوں واقعات کو سن کر یہ نتیجہ نکالنا بھی بعید از قیاس نہیں کہ حشر کے ڈراموں میں مکالمے کا رجحان عموماً اس طرف ہے کہ کردار جب تک اپنی بات اونچی آواز میں نہ کہیں وہ موثر نہیں ہوتی۔ نثر کے ٹکڑوں میں جا بجا شعروں کا استعمال بھی بظاہر اسی رجحان کا نتیجہ ہے۔

ڈراما نگار کی حیثیت سے حشر کی غیر معمولی شہرت اور کامیابی کا راز یہی ہے کہ وہ عوامی فن کار ہیں اور ان کے فن کے ہر پہلو پر عوامی نقطۂ نظر کا بڑا گہرا پرتو ہے۔ ان کا وہ فن جس نے آہستہ آہستہ عوام کی طرف سے خواص کی جانب قدم بڑھتے ہیں، اس دور میں بھی جب حشر خواص کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایک کفارہ سا ادا کرتے نظر آتے ہیں، عوام کو فراموش نہیں کرتے یسیتا بن باس، رستم و سہراب اور دل کی پیاس میں گو وہ اوچھے قسم کے ہتھیار استعمال نہیں کئے گئے جو عوام کے نزدیک سب سے کارگر ہیں لیکن ان ڈراموں کی مجموعی فضا اُن سے بھی جوش، مسرت، اور دردمندی کے آنسوؤں کا پورا پورا خراج وصول کرلیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آغا حشر کے ڈراموں کو فن کی اُن کسوٹیوں پر کسنا جو مغربی ڈرامے کی صدیوں کی روایت نے ہمیں دی ہیں، صحیح نہیں۔ یہ درست ہے کہ آغا حشر کے ڈراموں میں پڑھنے والے کو فن کے بعض مظاہر نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں ان کی حیثیت ان ڈراموں میں ضمنی ہے۔ حشر کا نقطۂ نظر اپنے فن کے ہر عہد میں یہی ہے کہ

جن اصولوں کی پابندی ڈرامے کو ایک خاص طرح کے ناظر کے لئے دلچسپ اور سبق آموز بنا سکتی ہے اُن کی پابندی کی جاتے۔ مثلاً وہ اپنے ڈراموں میں خود کلامی (SOLILOQUY) کا استعمال بڑی آزادی سے کرتے ہیں، اس لئے کہ ان دونوں چیزوں کے استعمال سے ڈراموں میں ایسے موقعے اور لمحے پیدا کئے جا سکتے ہیں جن سے ناظر کے ذہن پر ڈرامائی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح تضاد اور یکسانیت سے حشر نے مکالموں میں جذباتی شدّت، واقعات میں ڈرامائی زور اور تیزی اور اصلاحی مقصد میں اثر انگیزی پیدا کرنے کا کام لیا ہے۔ انھوں نے کرداروں کی شخصیت اور ان کے مکالموں میں مطابقت اور مناسبت قائم رکھنے کی طرف بھی خاصی توجہ دی ہے۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ توجہ غزلوں، ٹھمریوں، دادروں اور اشعار کے برمحل صرف پر یا مکالموں میں خطابت کے زور اور برجستہ گوئی پر ہے، اس لئے کہ یہ ساری چیزیں ہندوستان کے اسٹیج کے زیادہ ضروری لوازم ہیں۔

یہی بات اس عہد کے دوسرے اچھے ڈراما نگاروں کے یہاں بھی ہے۔ لیکن دوسرے ڈراما نگاروں کے مقابلے میں حشر میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جنھوں نے انھیں اُن کے عہد کا سب سے اچھا ڈراما نگار اور ہندوستانی اسٹیج کی خصوصیات اور روایات کا بہترین مظہر اور نمائندہ بنایا ہے۔ ان میں سے بعض خصوصیتیں تو حشر کے مزاج اور شخصیت سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض حشر نے اپنے گرد و پیش کے مطالعے اور زمانے کی ضروریات کے پیش نظر اختیار کی ہیں۔

جہاں تک ان کی شخصی اور ذاتی خصوصیتوں کا تعلق ہے حشر کا پہلا امتیاز ڈرامے کے ساتھ اُن کی طبعی مناسبت ہے جس کی شہادت ان کی ابتدائی زندگی کے بعض واقعات سے ملتی ہے۔ دوسری چیزیں جنھوں نے حشر کے ڈرامے کو

اپنے عہد کا بہترین نمائندہ بننے میں مدد دی حشر کی شاعرانہ صلاحیت، ان کے مزاج کی بے تکلفی، ان کے مزاج کی شگفتگی (بات بات میں فقرہ چست کرنا جس کا شیوہ ہے) اور ان کا وہ انداز خطابت ہے جو انھوں نے بمبئی کے قیام میں مولانا ابوالکلام آزاد، ابونصر آہ، سنجا ہوشیار پوری اور مولانا ظفر علی خاں کے ساتھ مناظروں میں شریک ہو کر سیکھا تھا۔ حشر کے ڈراموں میں خطابت کا جو زور، برجستہ گوئی کی جو روانی، فقرہ بازی کی جو شوخی اور شگفتگی اور شاعری کی جو رنگینی ہے وہ یوں تو دوسرے لکھنے والوں کے یہاں بھی کم نہیں، لیکن ان میں سے ہر چیز کو برمحل استعمال کرنے کا جو سلیقہ حشر کو ہے بہت کم لوگوں کو ہے۔ ممکن ہے ان میں سے کسی ایک خصوصیت میں ان کا مدمقابل اپنے آپ کو ان سے برتر ثابت کر سکے لیکن ان ساری چیزوں کا متوازن امتزاج اتنا کسی دوسرے کے یہاں نہیں ملتا جتنا حشر کے یہاں ہے۔

حشر کے ڈراموں کی ساری داستان فنی ارتقا کی بڑی دلکش اور دل نشین داستان ہے۔ اردو ڈرامے میں (بلکہ بیسویں صدی کے ہندوستانی ڈرامے میں) فن اور اسٹیج کی جتنی روایتیں اس وقت عام ہیں ان پر رنگ حشر کی مہر ثبت ہے لیکن اس رنگ کی شوخی حشر کے ڈرامے پڑھ کر نہیں نکھرتی۔ ایک ڈراما نگار کی حیثیت سے حشر کے صحیح مرتبے کے تعین کے لئے ضروری ہے کہ حشر کے ڈراموں کو پڑھ کر نہیں اسٹیج پر کھیل کر دیکھا جائے۔ ان کا رنگ اسی وقت نکھرتا اور ان کے جوہر اسی وقت کھلتے ہیں۔

اسیرِ حرص

تختہ ناٹک

مردانہ کردار

چنگیز	ناصر کا چچا زاد بھائی
ناصر	چنگیز کا بھائی
رستم	ناصر کی فوج کا سپہ سالار
صفدر	وفادار افسر
حماقت	ایک جھکی اہلکار
سلیم	حماقت بیگ کا لڑکا
جھنجھٹ	حماقت بیگ کا نوکر
قمر	ناصر کا لڑکا

(علاوہ ازیں سپاہی۔ داروغہ۔ قاتل وغیرہ)

زنانہ کردار

نوشابہ	چنگیز کی بیوی
مہ جبیں	ناصر کی بیوی
نحوست	حماقت بیگ کی بیوی
حسینہ	سلیم کی بیوی

(اس کے علاوہ رقاصائیں اور سہیلیاں وغیرہ)

اسیرِ حرص

باب پہلا ——— سین پہلا

منظر: جنگل - آبشار

(سہیلیوں کا گانا)

گانا

سہیلیاں - دینا ناتھ موسے ڈوبت اُتارو، اگارو، کرنا نہ سونیاں سے بھکے
بھول سے اودھار کرو پار، بھوگا مت دارو
نمرو نام نِسدن سرن کو جگ مجھ دھام - تری دیا سے دھام جیامن سے
نام - تو کو تجے ڈوبے ساگر میں سنسار، جاوے نہیں پار رہے منجدھار، ہووے
مرنے وار، تیری لیلا - جو کوئی بھولا دا کو نہیں ٹھار - حشر کو سہارو!

دوہرا

پہلی: بہار آئی ہے ہر سو رنگ رلیوں کا زمانہ ہے
زباں پہ بلبلوں کی شادیِ گل کا ترانہ ہے
دوسری: چمک دیتے ہیں کیا پانی کے قطرے صبح روشن میں
ٹکی ہیں موتیوں کی جھالریں صحرا کے دامن میں
تیسری: مزین کل زمین و کوہ فرشِ مخملی سے ہے صدا آتی مبارکباد کی ہر سو ہر کلی سے ہے

چوتھی : اری چپ چپ شہنشاہ بیگم تشریف لا رہی ہیں

گانا

سہیلیاں : چلتی چپلا چنچل چال سندر یا البیلی
جوبن رسماتی ڈولے، نین امرت رس گھولے

دوہرا : ایک تو نیناں مدھ بھرے دوجے انجن سار
اسے بھوری کہیں دیت ہے جو بنا ای ہتھیار¹

آہا آہا شان نرالی، او ہو او ہو بھولی بھالی نئی نویلی ہے نار - چلتی چپلا...
(نوشابہ بیگم کا اندر سے آواز دیتے ہوئے آنا)

نوشابہ : گلشن !
گلشن : پیاری !
نوشابہ : دیکھو قدرت کی گل کاری ؎

آمد جو باغ دہر میں باد صبا کی ہے — پھولوں میں بھی یہ رنگ سے قدرت خدا کی ہے
کیا کیا کھلے ہیں پھول جو پہچان جائیے — اس باغبان کی شان کے قربان جائیے

گلشن : واری گئی، پیاری کیا اس پھول میں جوانی کے پھولوں سے زیادہ بہار ہے جو اس قدر تعریف کا سزاوار ہے ؎

بلبل جو ایسے پھول کو پہچان جاتے گا
ان گورے گورے گالوں پہ قربان جائے گا

سہیلی ۲ : ؎ اس وقت تو شوخی و حیا اور ہی کچھ ہے
یہ چاند سا منہ نام خدا اور ہی کچھ ہے

---

¹ اے بھولی ! کوئی جوبن کو یہ ہتھیار دیتا ہے ۔

گلشن :- معشوق تو ہوں گے زمانے میں ہزاروں
پر آپ کا یہ حسن و ادا اور ہی کچھ ہے

نوشابہ : گلشن، اس وقت جو تم نے میری تعریف سنائی، رعنائی اور زیبائی بتائی مجھے ہرگز پسند نہ آئی۔

گانا

موری کاہے کرت ہو بڑائی۔ سبھی موری ......
جگ میں ہیں لاکھن صورت اُ نیک حور، رب کی دیا سے موہے گرب گمان ناہیں، جگوا کو کرو بھرپور، کھوٹ بنے نور۔ کرتار ہر لو پار، جب ہووے دکھ دور۔ موری کاہے .....

دوہرا : ہمیں میں فقط دل ربائی نہیں ہے
ہمیں نے پری شکل پائی نہیں ہے
زمانے میں ہے ایک سے ایک بڑھ کر
حسینوں سے خالی خدائی نہیں ہے

موری کاہے ....

گلشن :- آج کا دن تو ہے عیش و کامگاری کے لئے
شاہ کیا بھیجیں گے تحفہ آبیاری کے لئے

نوشابہ :- وعدہ تو کیا تھا تجھے بھجواتے ہیں تحفہ
اب دیکھئے کب آتے ہیں کیا لاتے ہیں تحفہ

گلشن : پیاری آپ تحفہ تو لیجئے گا مگر اس کے بدلے میں انھیں بھی کچھ دیجئے گا؟

نوشابہ : میں تو انھیں پہلے ہی دے چکی ہوں۔

گلشن : کیا ؟
نوشابہ: دل !
گلشن : واہ جی واہ ! یہ تو اُن کی جان فدائی کا عوض ہے۔ خیر دیجیے گا نہیں تو کچھ کھلایئے گا ، پلایئے گا ؟
نوشابہ : ہاں کھلانے پلانے کو تو سب کچھ تیار ہے۔ لیکن اُن کو کیا درکار ہے ؟ زردہ ، متنجن ، بریانی ، شیرمال ، وغیرہ سب کچھ تیار ہے۔
گلشن : وا جی وا ! ایسے کھانے تو اُنھوں نے بہت کھائے ہوں گے۔ آج تو کوئی ایسی چیز ہو جو اُن کو عزیز ہو۔
نوشابہ : تو کیا چاہتے بنارس کے سنبوسے ؟
گلشن : جی نہیں !
نوشابہ : تو ؟
گلشن : ان گورے گورے گالوں کے بوسے
سب : بوسے ؟

گانا

گورے گورے گالوں کی جان ۔ لمبے لمبے بالوں کی شان ۔ مان مان او پیاری مان ۔ آن بان پہ واری جان ۔ عاشق کو بوسہ دینے میں کیوں ہو پریشان اجی واہ وا ، اجی واہ وا بوسہ تو ہے اس جوبن کا دان[1] ! اجی واہ وا ! اجی واہ وا !

---

[1] صدقہ

چوبدار: ؎ اے گلِ خوبی ترے اقبال میں ایزاد ہو
دوست ہو دل شاد دشمن خانماں برباد ہو
آپ کو بھیجا ہے تحفہ شاہِ والا جاہ نے
حاضرِ خدمت کیا جائے اگر ارشاد ہو
(دلاور جنگ کا مع صفدر جنگ کے آنا)
نوشابہ: تحفے کے ساتھ گرفتار ہے، یہ کیا اسرار ہے؟ گلشن ادھر آؤ،
کشتی پر سے ظروف اٹھاؤ۔
گلشن: اوئی اوئی بیوی خون، خون!
نوشابہ: ہیں ہیں کیا ہو گیا جنون؟ ٹھہر میں خود دیکھتی ہوں (دیکھ کر)
اُف خون! ؎
تعجب ہے مجھے آنکھوں نے کس حیرت میں ڈالا ہے
الٰہی خیر کرنا اس جگہ کیا ہونے والا ہے
(قیدی سے) کیوں اے گرفتار قیدی، آپ کو کس نے سزا دی؟
صفدر: جس نے نمرود کا زور ڈھایا اور ضحاک کو خاک میں ملایا
نوشابہ: مگر وہ تو تھا امرِ الٰہی۔
صفدر: یہ بھی ہے اک تباہی۔
نوشابہ: صاف صاف حال بیان کیجئے، میرا اطمینان کیجئے، کیونکہ آپ کے
چہرے سے شرافت پائی جاتی ہے۔
صفدر: ؎ مٹ چکی اُس دن سے بس ساری شرافت چھوٹ کر
گر پڑی تلوار جب ہاتھوں سے میرے ٹوٹ کر
اب تو بے عزت ہوں ننگِ خانداں ہوں خوار ہوں اک قیدی ہوں ذلیل و خوار ہوں لاچار ہوں

نوشابہ : کیا تلوار ہاتھ سے گئی تو شرافت بھی ذات سے گئی ؟
صفدر : جی ہاں جب تک تلوار ہاتھ میں ہے ، شرافت بھی ساتھ میں ہے ۔
جب میدانِ جنگ میں ذلت اُٹھائی ، تلوار چھنوائی ۔ پھر کہاں رہی شرافتِ آبائی ؎

جن کو عزت کی جگہ بے غیرتی مرغوب ہے
ایسے جینے سے تو اُن کا ڈوب مرنا خوب ہے

نوشابہ : تو کیا یہ بھی کسی آپ کے ساتھی کا سر ہے جو خون میں تر ہے ؟
صفدر : آہ ؎

نہ پوچھو یہ کس آسماں کا ہے تارا سمجھ لو کہ ہے موت نے اُس کو مارا

نوشابہ : تو یہ بھی کوئی بہادر یا صاحبِ دماغ تھا ؟
صفدر : آہ ! افسوس ! بانو یہ میرے اندھیرے گھر کا چراغ تھا ۔
نوشابہ : ہیں تو یہ ہے آپ کا بیٹا ؟
صفدر : جی ہاں ! وہی قسمت کا ہیٹا ، جو موت کی گود میں لیٹا ؎

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزاد کھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

نوشابہ : بس بس اے مظلوم انسان ! آپ کے بیان سے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے ،
دل گھبراتا ہے ۔ اب تو اس زخم کا مرہم یہ نظر آتا ہے ؎

اب تلک رنج سہے ، موردِ بیداد ہوئے
جائیے آپ غمِ قید سے آزاد ہوئے

صفدر : اے عصمت و جمال کی ملکہ ! کہاں جاؤں ؟ مجھ جیسے بہادر صف شکن
کو چرخ نے چرخ کی طرح گھمایا ۔ ملک غیر ، ریاست غیر ، اُس پر طرّہ یہ کہ
ایک دشمنِ خونخوار سے بیر ۔ پھر کس طرف اپنی جان بچا کر جاؤں اور آپ

کو اس مصیبت میں پھنساؤں، بس اب تو یہی نظر آتا ہے ؎

چرخ نے ظلم و ستم کا جب سے مارا تیر ہے
سر جلا سینہ پھنکا اور دل ہوا نخچیر ہے
لوحِ دل پر دستِ قدرت نے کیا تحریر ہے
خاک کا پتلا بنا اور خاک کی تصویر ہے
خاک میں مل جائیں گے اور خاک دامن گیر ہے

نوشابہ: بیٹے نے تو بہادری دکھائی، تلوار چھنوائی، جان گنوائی۔ اب تم بھی اپنی جان کو برباد کروگے تو کیا بہادر بیٹے کی روح کو شاد کروگے؟ ؎

مٹی ہی میں مٹی جو ملانی ہے بدن کی
بہتر ہے ملا دو اسے مٹی میں وطن کی

صفدر: بانو! بانو! تو کیا آپ کی زبان سے مرحوم کی روح بول رہی ہے؟
نوشابہ: ہاں ہاں تمہاری فہمائش کے لئے وہی زبان کھول رہی ہے۔
صفدر: خیر مجبوری۔ بجا لاتا ہوں حکم حضوری ؎

جوہر بہادری کے جو ہوں گے سرشت میں
بیٹے سے جا ملوں گا ریاضِ بہشت میں

(صفدر کا طشت اٹھا کر لے جانا)

نوشابہ: یا الٰہی میری آنکھوں کو کیا ہیبت ناک نظارہ دکھایا۔ کیا میرا سمجھانا الٹا رنگ لایا ؎

غضب ہے اُس بتِ کافر پہ اپنا دم نکلتا ہے
نیا تابوت جس کے کوچے سے ہر دم نکلتا ہے

(بگل کی آواز آنا) گلشن یہ بگل کی آواز کہاں سے آئی؟
گلشن: بانو صاحبہ! شاید صاحب عالم کی سواری بادِ بہاری لائی۔

گانا

سہیلیاں : چلو گوئیاں ٹھمک چال جییاں۔ سجن تورے آئیں گے، اجی سجن تورے
آئیں گے۔ چلو گوئیاں.......
نوشابہ : اُجی آئیں گے تو ہم سمجھائیں گے، دلبر کی قسم
سب : اُس کے سر کی قسم
نوشابہ : ہاں ہاں جاؤ، دلبر کو بلاؤ، نین میں بٹھاؤ، بچن سناؤ، مگن بناؤ۔
چلو گوئیاں.......
سب : سجن تورے آئیں گے۔ چلو گوئیاں......
چنگیز : اللہ اللہ آج تو غضب کا نکھار ہے۔ بہار پر بہار ہے۔ چشم بددور
جانی، یہ حسن و جوانی، اُس پہ پوشاک دھانی، قیامت کی نشانی ہے

تم دستِ ناز میں سے جو چھو لو چمن کے پھول — کلیاں تمام باغ کی رہ جائیں بن کے پھول
تم پہ فدا ہزار کلی، ہر کلی کا رنگ — تم پہ نثار لاکھ چمن، ہر چمن کے پھول

نوشابہ : مگر اے گل گلزار! میرے باغ حسن کی بہار، تمہارے دم سے ہے آشکار

تجھ سے ہی میری شوکت دلدار ہو گئی ہے — یوسف سے آب و تاب بازار ہو گئی ہے
ہم تم چمن میں جا کر دونوں ٹہل رہے ہیں — بلبل میں اور گل میں تکرار ہو گئی ہے

گانا

انبوا کی ڈاری تلے آؤ ری۔ جھولنا جھلا دو ری
بھورے پیا سنگ دھمک کے اُمنگ، جھولوں جھولاؤں۔ ریشم کی ڈوری بندھاری
انبوا کی ڈاری......

سہیلیاں

دوہرا ؎

جھولنے والی ہے رشکِ گلِ لالہ جھولا　　جا کے بلبل تو رگِ گل کا بنا لا جھولا
آج دکھلائے گا انداز نرالا جھولا　　چاند پیاری ہے تو بن جائیگا ہالا جھولا
پیارا لاثانی ہے. پیاری دل جانی ہے　　جوڑی سہانی ہے. مکھڑا نورانی ہے

نوشابہ: چنچل دیوانی سے. ہل ہل پینگ جھولا ڈری۔ انبوا کی ڈاری.......

چنگیز: خیر یہ تو فرمایئے وہ تحفہ میرا قبول ہوا، مطلب حصول ہُوا؟

نوشابہ: ؎　ثبوت شکر کا باہر مری زبان سے ہے
تمہارا تحفہ تو مجھ کو قبول جان سے ہے

مگر پیارے ایک سوال ہے۔

چنگیز: فرمایئے وہ کیا سوال ہے؟

نوشابہ: کمہار جو مٹی کا کھلونا بناتا ہے وہ کس کام آتا ہے؟

چنگیز: اس سے دل بہلایا جاتا ہے؟

نوشابہ: اگر وہ کمہار کے ہاتھ سے چھوٹ جائے یا ٹھوکر سے ٹوٹ جائے؟

چنگیز: تو کمہار کو سخت ملال ہوگا۔

نوشابہ: کیوں ایسا خیال ہوگا؟

چنگیز: کیونکہ اُس شخص نے کمہار کی محنت برباد کی۔

نوشابہ: واہ وا! سبحان اللہ خوب بات ارشاد کی۔ آپ سے میں دریافت کرتی ہوں پیارے! کہ کمہار کو اپنے مٹی کے کھلونے کے ٹوٹنے کا اس قدر ملال ہوگا تو اس قدرت کے مصوّر کو اپنے بنائے ہوئے کھلونے کے ٹوٹنے کا کس قدر

خیال ہو گا ؟

چنگیز: اخاہ! سے کہہ گئیں ڈھنگ سے سارا مطلب خوب سمجھا میں تمہارا مطلب

مگر یہ بھی جانتی ہے دلدارا! جس کا میں نے سر اُتارا وہ کون تھا ستم آرا ؟

نوشابہ: ہاں کوئی دشمن تمہارا۔

چنگیز: تو کیا دشمن کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ سانپ کو دیکھ کر لاٹھی کو توڑ دینا چاہیئے!

نوشابہ: دشمن کے ساتھ نرمی اور مہربانی کرنا کیا خلافِ انسانیت ہے ؟

چنگیز: اگر مہربانی سے وہ شیر ہو جائے ؟

نوشابہ: ممکن نہیں وہ دلیر ہو جائے۔

چنگیز: نوشابہ جانی! بہادری آگ ہے اور نرمی دریا کا پانی جس طرح پانی کی لہر آگ کے دہکتے ہوئے سمندر کو بجھا دیتی ہے اُسی طرح ذراسی نرمی تمام عمر کی بہادری کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

نوشابہ: تو کیا جو لوگ کسی کو بے قصور مارتے ہیں، اُن کو بھی لوگ بہادر کہہ کر پکارتے ہیں ؟

چنگیز: ہیں! یہ اشارہ کس کی طرف ہے ؟ تمہارے خیال میں میں نے اُسے ناحق مارا ہے ؟ وہ تو کتوں سے نچواتے جانے کا سزاوار تھا، کیونکہ وہ کمبخت ناصرالدولہ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔

نوشابہ: اے گلِ گلزارِ رعنائی! چچا زاد بھائی اور اُس سے بُرائی! کہیں ایسا بھی ہوتا ہے پیارے! کہ عزیز اپنے کا سر اُتارے ؟

چنگیز: کیوں نہیں ؟ ؎

موقع پہ چھوڑتے نہیں دشمن کی جان کو

کھاتے ہیں کاٹ دانت بھی اکثر زبان کو

نوشابہ : لڑائی تو پہلے آپ ہی نے اُٹھائی ؎

سلطنت پائی جو اُس نے باپ کی کونسی اس میں خطا کی آپ کی

چنگیز : تو کیا میں چچا کے مال میں کوئی حق نہیں رکھتا ؟

نوشابہ : نہیں ! ہرگز نہیں ! جب بیٹا موجود ہے تو بھتیجے کا حق نابود ہے۔

چنگیز : حق نابود ہے تو اسے ہست کر دونگا ، نوکِ شمشیر سے دشمن کو پست کرونگا ؎

غرورِ اُس کو تو بے شک لشکرِ جرار پر ہوگا مگر جب ہاتھ میرا تیغ جوہر دار پہ ہوگا

سماں محشر کا اُس دم دیکھنا تکرار پہ ہوگا بیانِ الاماں تب ہر لبِ گفتار پہ ہوگا

کہ جب سر کٹ کے موذی کا مری تلوار پہ ہوگا

نوشابہ : کیا یہی تلوار ہے ؟

چنگیز : ہاں یہی تلوار ہے۔

نوشابہ :؎ ہاتھ میں جب کسی نادان کے آ جاتی ہے
عقل و دانائی کی جڑ کاٹ کے کھا جاتی ہے

چنگیز : کیا تم میرے کام میں عیب نکالتی ہو ؟

نوشابہ : بے شک میں تمہارے کام میں عیب نکالتی ہوں۔

چنگیز : کیوں کس لئے ؟

نوشابہ : اس لئے کہ تمہارے دامن سے خونِ ناحق کا دھبا دھل جائے اور تمہارا نام آج سے نیک ناموں میں مل جائے ؎

یاد کیونکر آتے لوگوں کو بھلائی آپ کی اُٹھ ما نہ کرنے بیٹھے جب بُرائی آپ کی

بڑھ گئی ہے کس قدر اب خود نمائی آپ کی صلح پہلے جن سے تھی اب ہے لڑائی آپ کی

چنگیز : جہنم کا غار بند کرنا آسان ہے ، مگر لوگوں کا منہ بند کرنا مشکل ہے ؎

نہیں ہے ہمیں کچھ خدائی سے مطلب بُرائی سے مطلب بھلائی سے مطلب

انھیں کو ہے شوکت نمائی سے مطلب جو رکھتے ہیں کچھ خود نمائی سے مطلب
مگر ہم کو تیغ آزمائی سے مطلب

نوشابہ : سنا ہے وہاں لشکر کا اہتمام ہے۔
چنگیز : تو کیا مضائقہ ہے۔ فتح ہمارے ہی نام ہے۔ کمہار کی ایک سال کی محنت اور لاٹھی کا ایک گھڑی کا کام ہے۔ نوشابہ جانی! جتنا ظلم میں حسن ہے اتنا سمجھ داری کا طور نہیں۔
نوشابہ : اور آپ میں جتنی بہادری ہے اتنا فکر و غور نہیں۔
چنگیز : نوشابہ! نوشابہ! تمہاری زبان بیان سے زیادہ کرخت ہے۔
نوشابہ : اور میری زبان سے زیادہ آپ کا دل سخت ہے۔
چنگیز : میرے دل کی سختی بہادری کا خزانہ ہے۔
نوشابہ : اور میری زبان کی سختی سچائی کا تازیانہ ہے۔
چنگیز : شوہر کا حکم ماننا عورت کا سنگار ہے۔
نوشابہ : دشمن پہ رحم کرنا بہادر کا شعار ہے۔
چنگیز : ہرگز نہیں۔ جب تک میری جان میں جان باقی رہے گی، ناصرالدولہ کی جان کی مشتاق رہے گی۔
نوشابہ : مگر پیارے یہ ایک تلوار ہزاروں کا جھگڑا کیونکر چکائے گی؟
چنگیز : ابھی تم کو یہ دکھائے دیتا ہوں۔ جس طرح یہ ایک کے جگر میں سمائے گی اسی طرح سینکڑوں کی رگوں سے جان کھینچ کر باہر لائے گی۔
نوشابہ : الٰہی توبہ! کوئی اور خون کرنا منظور ہے؟
چنگیز : بے شک تم کو یہ نقشہ دکھانا ضرور ہے۔
نوشابہ : کس غریب کا؟

چنگیز : ایک بدنصیب کا۔
نوشابہ : رحم! پیارے چنگیز رحم!
چنگیز : بس رحم کر آگ لگاؤ۔ لاؤ۔ لاؤ اس قیدی کو۔
نوشابہ : قہ قہ قیدی
چنگیز : قیدی کہنے میں کیوں انتشار ہوا؟ کیا وہ قیدی فرار ہوا؟
نوشابہ : نہیں۔
چنگیز : تو؟
نوشابہ : اُس کو......
چنگیز : کیا......؟
نوشابہ : میں نے....
چنگیز : تونے؟ کیا؟
نوشابہ : چھوڑ دیا۔
چنگیز : آہ! سب منصوبہ توڑ دیا۔ او نادان! نافرمان! مجھے آنے تو دیا ہوتا۔ تجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔
نوشابہ : جناب عالی! جب ایک چیز آپ نے مجھ کو دے ڈالی، میں اُس چیز کی مالک و والی۔ پھر آپ کا دعوےٰ ہے خالی۔
چنگیز : بس بس خوب بنائی۔ بے وقت یہ ڈھٹائی۔ چلی جا ناسزائی!
(نوشابہ کا جانا)
خیر کہاں جاتا ہے سودائی، تو بھی جو پھر زنجیر نہ پہنائی (دستک دینا) دلاور! دلاور!
؎ نصیب اُس کا مری غفلتوں سے جاگ گیا
شکار مجھ کو ملا تھا وہ آج بھاگ گیا

تلاش اُس کی ابھی جا کے دور دور کرو
کسی طرح سے بھی حاضر اُسے ضرور کرو
(سب کا جانا)

سین ختم

باب پہلا ——— سین دوسرا

منظر: جنگل اور چنگیزی کیمپ

پہلا سپاہی: مرزا صاحب ہٹئے۔
مرزا حماقت بیگ: اول ہوں، میں تو نہیں ہٹنے کا۔
پہلا: مرزا صاحب سنتے ہو؟
مرزا: میں تو سنتا ہوں مگر مرزا صاحب نہیں سُنتے۔
دوسرا: تو کھڑے رہو۔
مرزا: تو اڑے رہو۔
(دونوں کو آکر تیسرے سپاہی کا الگ کر دینا)
تیسرا: کہیے مرزا صاحب مزاج تو اچھا ہے؟
مرزا: ارے بھائی! مردوں کو اس نام سے ہراس ہوتا ہے۔ مزاج تو عورتوں ہی کے پاس ہوتا ہے۔ کہو دوست کیسی کہی؟
دوسرا: بہت اچھی کہی۔
مرزا: بھائی آجکل عورتوں کا مزاج ہے۔ اُن کے واسطے مسی، کاجل، ساڑی

جوتی، سب کچھ لانا پڑتا ہے اور اوپر سے جوتیاں کھانا پڑتا ہے۔

پہلا : مرزا صاحب! بہادر مرد بھی عورتوں کے ہاتھ سے جوتیاں کھاتے ہیں؟

مرزا : ارے نادان! آجکل عورت کی جوتیاں کھانے میں بڑائی ہے۔ بڑے بڑے امیر کبیر، شہنشاہ تک، گھر میں تو عورتوں کی جوتیاں کھاتے ہیں اور باہر آکر مونچھوں پر تاؤ چڑھاتے ہیں اور خان بہادر کہلاتے ہیں۔ دراصل یہ جوتیاں نہیں ہیں بلکہ بہادری کا سرٹیفکیٹ ہیں۔ میں خود ہی کبھی کبھی اپنے شوق سے جوتیاں کھاتا ہوں۔

سپاہی : (قہقہہ لگا کر) ارے واہ!

مرزا : یار معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی شادی نہیں کی ہے (بگل کی آواز کا آنا)

گانا

سہیلیاں : پل پل تن من دھن واردو رے پران پیارو، چھل بل وارو، نینن کے نینن سے چتون چرائے گیو، جادو مورے ڈاردو رے
پیا کے درس بن موہے کل نہ پڑت۔ کٹت رین گن گن تاردو رے
اسے ری آلی موری، کچھ نہ سہائے موہے۔
پل پل نینوا کی آن بان یاد آوت، ساتھ کٹت کٹاری
ترناری، پیا کر گیو موکو نیارو رے۔

(دلاور جنگ کا آنا)

دلاور : اے شاہِ نامدار! شہنشاہِ ذی وقار! حاضر ہے یہ گنہگار سے
لایا ہوں پکڑ اس کو بڑی جدوجہد سے   جاتا یہ کہاں صید مرے تیر کی زد سے

چنگیز : کیوں مغرور! او مغرور! عورتوں سے کرنا حیلہ و بہانہ، فریب دے کر

بھاگ جانا۔

صفدر: اے شہِ زمانہ! جس نے بیٹے کا سر کٹتے وقت نہ کیا حیلہ و بہانہ
ایک عورت سے کیسے کرے گا حیلہ و بہانہ؟ ؎
ہوتا نہیں ہے خوف بہادر کو موت سے
کرتے ہیں وہ گریز جو ڈرتے ہیں موت سے

چنگیز: ؎ بھاگ کیوں نکلا تھا جو ڈر موت کا کچھ بھی نہ تھا
کیا جہنم کو چلا تھا جو خطر کچھ بھی نہ تھا

صفدر: ہاں جہنم ہی میں صاحب جہنم ہیں۔

چنگیز: کیوں؟ کس لئے؟

صفدر: اس لئے کہ میں وہاں جاکر دیکھوں کہ وہاں صرف شیطان ہی کی پادشاہی ہے یا تجھ جیسے اسیرِ حرص کی بھی شہر یاری ہے۔

چنگیز: او خانہ خراب! یہ کیا جواب؟ جہنم میں اور میری بادشاہی! کیا مجھ کو بھی شیطان کے برابر سمجھتا ہے واہی؟

صفدر: جی نہیں۔

چنگیز: تو؟

صفدر: وہ کم اور آپ زیادہ!

چنگیز: او سفید بالوں والے غلام! چھوڑ دے یہ خیال خام۔ کیا نہیں دیکھا اپنے بیٹے کا انجام؟

صفدر: جی ہاں بیٹے کا انجام تو دیکھ چکا، اب تمہارا انجام باقی ہے جس کی دل کو مشتاقی ہے ؎
دیکھیں کیا رنگ دکھاتا ہے یہ پیارا انجام دیکھیں کس گھاٹ لگا دیتا ہے سہارا انجام

پہلے فرعون کا انجام تو سب نے دیکھا   اب فقط دیکھنا باقی ہے تمہارا انجام

دلاور : کس قدر گستاخیاں پیدا ہیں اس گفتار سے
اس کی باتوں کا جواب اب دیجئے تلوار سے

چنگیز : اچھا تو بتا سکتا ہے کہ دشمن کی فوج جتنی ہے۔ وہ شمار میں کتنی ہے ؟

صفدر : جتنے اس میدان میں ریت کے دانے ہیں اتنے ہی ہماری فوج میں مرد مردانے ہیں۔

چنگیز : بس اسی قدر ؟

صفدر : جی نہیں میں بھولتا ہوں۔ جتنے ان جنگلی درختوں میں پتوں کے خزانے ہیں اتنے ہی ہماری فوج میں مرد سیانے ہیں۔ بلکہ اس قدر جنگی سپاہ ہیں، جس قدر تیرے نامۂ اعمال میں گناہ ہیں۔

چنگیز : بے ادب ! ادب کے قریب ہو تاکہ موت کے بدلے قید نصیب ہو۔

صفدر : قیدی ؟ قیدی تو سارا زمانہ ہے جس میں تم جیسے بدمعاشوں کا ٹھکانا ہے۔

دلاور : خیر ! ؎

قید خانہ جو زمانہ ہے دکھائی دیتا
میں تجھے قید سے ہوں آج رہائی دیتا

(دلاور جنگ کا صفدر کو گولی سے اڑا دینا)

باب پہلا ——— سین تیسرا

محل

(جھنجھٹ کا چھینکتے ہوئے آنا)

جھنجھٹ : آچھیں ! آچھیں ! آچھیں ! الٰہی خیر، یہ چھینکیں ہیں یا بندوق کے فیر۔ صبح ہی صبح میرا ہاتھ کھجلایا تو میں سیدھا یہاں آیا کہ ضرور کچھ نہ کچھ ملے گا مگر یہاں آیا تو کچھ نہ پایا۔

مرزا : سلارو ! ارے سلارو !

جھنجھٹ : ہیں یہ کون ؟ حماقت بیگ ! کم بخت کا پیٹ ہے یا پلاؤ کی دیگ ! یہ کم بخت بھی عجیب ناہنجار و نابکار ہے۔ سن دیکھئے تو ساٹھ کے بھی پار ہے اور صورت دیکھئے تو خاصا ناہنجار ہے۔ اور سیرت دیکھئے تو ایک کمسن عورت یعنی میری بی بی حسینہ بیگم پر بے سمجھے بوجھے نثار ہے۔ مگر اس کو نہیں معلوم کہ وہ تو اس کے بیٹے سلیم کی دلدار ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیم کو خبر ہو جائے۔ اگر ہو گئی تو عجب نہیں کہ باپ کو چچا ہی بنا کر چھوڑے ——

ارے یہ کمبخت ادھر کو ہی آتا ہے۔ اب ذرا چھپ کر دیکھوں کہ کیا رنگ لاتا ہے۔

(جھنجھٹ کا چھپ جانا اور حماقت بیگ کا آنا)

مرزا : فکر فکر فکر ! جتنی فکر مجھ کو ہے اتنی فکر اگر کوئی ساہوکار کرتا تو مفلس بنک کا حصہ دار بن جاتا۔ اگر کوئی ناٹک کا منشی کرتا تو اس کا نیا کھیل پاس ہو جاتا۔ اگر جنرل کو پر کرتا تو ٹرانسوال کا ستیاناس ہو جاتا۔ کم بخت مجھے جورو بھی ملی ہے تو عقل سے خالی۔ ایک درجن بچے دینے والی۔

جھنجھٹ : (خود[1]) باپ رے ؟

مرزا : اس پر طرّہ یہ کہ ایک نوجوان لڑکی کا عشق۔ یعنی حسینہ کا عاشق کہلایا۔

---

[1] یہ بھی گویا اسٹیج کے فن کی ایک مفاہمت ہے۔ کردار بلند آواز سے اپنے آپ سے کچھ کہتا ہے یہ آواز تماشائیوں کو تو سنائی دیتی ہے لیکن اسٹیج پر کھڑا ہوا دوسرا کردار نہیں سنتا۔

ہائے ہائے پیاری حسینہ! اب کیسے ہوگا جینا؟ (اپنا گلا دباتا)

جھنجھٹ: (ظاہر ہوکر) اجی مرزا صاحب یہ آپ کیا کرتے ہیں؟

مرزا: مرتے ہیں اور کیا کرتے ہیں

جھنجھٹ: نہیں میں تو آپ کو نہیں مرنے دوں گا۔

مرزا: ہیں! کیوں نہیں مرنے دے گا؟ تو کوئی خدائی فوجدار ہے یا بیمہ کمپنی کا حصہ دار ہے؟ تجھے ہمارے مرنے جینے سے کیا سروکار ہے؟

جھنجھٹ: اجی اور تو کچھ نہیں۔ صرف یہ خیال ہے کہ اگر آپ مرجائیں گے تو دنیا سے ایک بے وقوف کم ہو جائے گا۔

مرزا: ارے کیا کہا؟ ہیں کیا کہا؟ (مارنا)

جھنجھٹ: اجی نہیں حضور میں بھولا۔ دنیا سے ایک عقل مند کم ہو جائے گا۔ معاف کیجیئے گا حضور! چمڑے کی زبان تھی پھسل گئی۔

مرزا: ہاں ہاں یار تو سچ کہتا ہے۔ آگے ایک گھن چکر تھا وہ بھی مرگیا۔ لال بجھکڑ تھا وہ بھی مرگیا۔ اب خدانخواستہ اگر میری بھی پائمالی ہو جائے گی تو واقعی دنیا عقل مندوں سے خالی ہو جائے گی۔ کیوں دوست کیسی کہی؟

جھنجھٹ: بہت اچھی کہی۔

مرزا: مگر یہ تو بتا بدلگام! میرے گھر میں تیرا کیا کام؟

جھنجھٹ: اجی میاں! بیوی نے شیرینی بھجوائی تھی وہ دینے آیا تو بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ میاں کو بلا لا۔

مرزا: بیگم! کون بیگم؟

جھنجھٹ: اجی وہ آپ کی نحوست بیگم بلاتی ہیں۔ قہوہ پلینے کو فرماتی ہیں۔

مرزا: (منہ بناکر) ہوں، ایک تو میں خود ہی صبح صبح گرم ہو رہا ہوں اُس پہ

مزہ یہ کہ قہوہ پینے کو بلاتی ہیں۔ جا اُس سے کہہ دے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔
جھنجھٹ : مگر میاں میں جھوٹ کیسے بولوں ؟ آپ تو یہاں کھڑے ہیں۔
مرزا : میں ہوں، مگر تو یہ سمجھ لے کہ میں نہیں ہوں۔
جھنجھٹ : تو یہ بولتا کون ہے ؟ آپ کا بھوت ؟
مرزا : ارے جاتا نہیں شیطان کے پوت !
جھنجھٹ : تو کیا میاں، میں بالکل ہی چلا جاؤں ؟
مرزا : جا بھائی جا، میرا سر نہ پھرا۔ چلا جا۔ چلا جا۔ چلا جا۔
جھنجھٹ : (گھوم کر) تو لو میاں میں گیا۔
مرزا : ارے گیا کہاں ؟ تو تو کھڑا ہے۔
جھنجھٹ : کھڑا ہوں، مگر آپ سمجھ لیجئے کہ میں نہیں کھڑا ہوں۔
مرزا : ارے تو نہیں جاتے گا شیطان ؟
جھنجھٹ : تو کیا میں چلا جاؤں اسی آن ؟
مرزا : ارے ہاں ! اسی آن، اسی آن، اسی آن،
جھنجھٹ : (پھر آنا) میاں !
مرزا : ہت تیرے کم بخت کی۔ ایک تو......
جھنجھٹ : تو میاں.....
مرزا : نہیں جاتا شیطان تو میں خود ہی.....
جھنجھٹ : (آکر) میاں ! (چھپ جانا ونگ میں)
مرزا : کم بخت اب کے آیا تو ٹانگ ہی توڑ دوں گا۔ ایک تو آگئے ہیں حسینہ کے
عشق میں تڑپ رہا ہوں۔ دوسرے مجھے قہوہ پینے کو بلوایا جاتا ہے۔ ہائے ہائے!
پیاری حسینہ ! تیرے عشق میں اب مشکل ہے جینا۔ اب تجھے ماروں یا

اپنا گلا گھونٹ کر مرجاؤں۔ خیر میں اب گھر کو چھوڑ کر چلا جاتا ہوں ۔ مگر
جاؤں کہاں ؟

جھنجھٹ : (خود) بڑے قبرستان یا شمشان میں ۔

مرزا : دیکھ پیاری سنبھال (دونوں ہاتھوں سے گلا دبا کر)

جھنجھٹ : (سامنے آکر) اجی میاں میاں ، بڑا غضب ہوا ، ستم ہوا ۔

مرزا : اسے بھائی کیا غضب ہوا ؟ کیا ستم ہوا ؟

جھنجھٹ : اجی کچھ نہ پوچھو۔ جیلنہ بی بی کی تمام داستان نحوست نے چھپ چھپ
کر آپ کی زبان سے سُن پائی۔ غصے سے آگ ہوئی جاتی ہے ، ہاتھ میں چھ
فٹ کی لمبی جوتی لے کر آتی ہے ۔

مرزا : ارے ہاتے ہاتے مرگیا۔ مٹ گیا۔ ستیا ناس ہوگیا۔ مگر بھائی جوتی ریشمی
ہے یا سوتی ؟

جھنجھٹ : اجی اُدھوڑی چمڑے کی ۔

مرزا : ہائے ہائے اب کیا تدبیر کروں ؟

جھنجھٹ : اجی میاں تدبیر تو ہزار ہے مگر بغیر مٹھی گرم ہوئے بتانا دشوار ہے
جو کوئی تدبیر بتاتا ہے وہ پہلے کچھ پاتا ہے ۔

مرزا : بتا بتا بھائی ! جلدی بتا ، کیا درکار ہے ؟

جھنجھٹ : تو میاں دس روپے دلوا دو تو آپ کا کام بن جاتے گا ۔

مرزا : ارے بھائی اس کان میں میری جورو کی جوتی اٹکی ہوئی ہے ۔ دوسرے
میں آکر کہو ۔ ادھر کے کان میں ۔

جھنجھٹ : اگر بیس روپے دو تو تمہارا کام بن جاتے گا ۔

مرزا : ارے دس روپے والے کان میں آکر کہو ، دس روپے والے میں ؛

جھنجھٹ : اب دیتے ہیں تو دو ورنہ میں بیگم صاحبہ کو بلاتا ہوں - اجی بی !
مرزا : ارے ارے !
جھنجھٹ : جلدی کرو جلدی —— اجی بی !
مرزا : ابے لے بھائی لے -
جھنجھٹ : ارے جلدی کرو جلدی -
مرزا : ارے میاں کیا کروں ؟ روپیہ دینے کو میرا دل نہیں چاہتا -
جھنجھٹ : دل نہیں چاہتا تو بلاتا ہوں بیگم صاحبہ کو - اجی بیگم صاحبہ آنا !
مرزا : ابے لے دس روپے (دینا) ایک ، دو ، تین ، چار ، پانچ ، چھ ،
سات ، آٹھ ، نو ، دس ،
جھنجھٹ : اجی میاں ! آپ کیوں اس قدر رنجیدہ ہوتے ہیں جیسنہ سے
شادی کیوں نہیں کر لیتے ؟
مرزا : ارے یار شادی تو کر دوں مگر اُس کے جوتوں کی شرطیں بڑی کڑی ہیں -
جھنجھٹ : اجی اس کا فکر بیکار ہے . آپ کے بیچ میں یہ ملاؤ خاں جو تیار ہے .
آپنے دو شادی میں کہہ دوں گا کہ ذرا دھیرے دھیرے لگانا . چاہے سر کے
بال اُڑ جائیں مگر تکلیف نہ ہو -
مرزا : مگر یار جوتے کی شرط بڑی کڑی ہے . مجھے تو اپنی عزت کی پڑی ہے -
جھنجھٹ : اجی میاں ، یہ کون سی بات ہے . بڑے بڑے معشوقوں کے ہاتھوں
سے جوتیاں کھاتے ہیں .
مرزا : اچھا بھائی کھالیں گے . اپنی غرض کے لئے کھالیں گے . یار چلیں گے
تو سہی مگر وہاں بات کیا کروں گا ، بات ؟
جھنجھٹ : اجی وہی معمولی بات ، یعنی محبت کی گھات -

مرزا : اچھا تو میں گل بکاؤلی اور اندر سبھا کے عاشقانہ فقرے سنا دوں گا ۔
جھنجھٹ : بس اور کیا ۔
مرزا : مگر یار ؟
جھنجھٹ : یار !
مرزا : تو میری سفارش ضرور کرنا ۔
جھنجھٹ : اجی سفارش تو میں ایسی کروں گا کہ تم یاد ہی کروگے ۔
مرزا : اچھا تو چلو ، جلدی چلو ۔
جھنجھٹ : آپ چلئے میں ابھی آتا ہوں ۔
مرزا : یار ؟
جھنجھٹ : یار !
مرزا : آؤ !
جھنجھٹ : آپ چلئے ، میں آپکے پیچھے پیچھے آتا ہوں (مرزا کا جانا) چلو منحوس ٹلا ، کیوں کیسا دبایا گلا ۔ تب مزا ہے کہ ایسی گھات چلے کہ باپ بیٹوں میں خوب جوتا اور لات چلے ۔

گانا

اجی واہ جی واہ ، دیوانہ ہے بندر ، چھندر ، قلندر سے پالا پڑا
ارے واہ جی واہ یہ لونا چماری ہو ، صورت پہ واری ہو
قربان ، شیطان یہ پیٹ نکالا یا کاندو کا نالا ہے بولو سردار
اجی واہ جی وا بڑھاپے کا ٹٹو ، چھت پہ لٹو ، نکھٹو سردار
ادھر ادھر رنگی جوانوں میں ، بھگی گھرانوں میں ، ہو تا شمار

ساری باتیں دیوانی، اوندھی پیشانی کا اُلّو گنوار۔ ارے واہ جی (جانا)

سین ختم

باب پہلا ـــــــ سین چوتھا

باغیچہ ناصر الدولہ

(قمر پسر ناصر الدولہ کا جھولا جھولتے اور مہ جبیں کا مع سہیلیوں کے نظر آنا)

گانا

سہیلیاں: سکھی پھولن میں راجن جھولت جھولنا، مانو ہوا مکھ چاند واہ واہ!
جھولو جھولو سرتاج، جھولو جھولو راجن کے راج سکھی پھولن میں راج جھولت جھولنا
تورا باغ جوں پھلواری رہے۔ کر دالم سرتاج جگ سرداری رہے۔
جے جے، لالہ، آنکھ کا اُجالا۔ پائے جگ جگ راج ساج سکھی پھولن ....
قمر (جھولے سے اُتر کر آتا ہے اور ناصر الدولہ پیچھے داخل ہوتا ہے) امی جان!
مہ جبیں: (بوسہ لے کر) خاہ آبِ حیات! خدا کی بخشی ہوئی نعمت یا محبت کے پاک درخت کا پھل ہے

جی جاتے اس دوا سے جسے دم میں دم نہیں
بوسہ ترا علاجِ مسیحا سے کم نہیں

گانا

قمر: اماں مجھے اچھی سی ٹوپی منگا دے۔ ٹوپی منگا دے، گھوڑا دلا دے۔

گاڑی میں لیٹوں گا۔ گھوڑے پہ بیٹھوں گا۔ گاڑی میں سوؤں گا۔ گھوڑے کو ہانکوں گا۔ ٹمک ٹمک ٹمک، ہوں ہوں ہوں، آہستہ آہستہ، بس تھم تھم تھم ——— اماں مجھے چھوٹی سی بندوق لادے۔ تیر و کمان ولادے توپوں کو چھوڑوں گا۔ قلعہ کو توڑوں —— دھڑ ڑ ڑ ڑ دھم دھس، دھڑ دھم دھس اماں مجھے . . . .

ناصر: اخاہ، خوشی خوشی! حسن و عشق کے دو گل و بلبل یا شجرِ عشق کا میٹھا ثمر۔ سچی خوشی!

مہ جبیں: (دیکھ کر) ہیں یہ کون کھڑا ہے؟ باغبان؟

ناصر: ہیں باغبان؟ یہ تو میں ہوں آپ کا عاشقِ نیم جان۔

مہ جبیں: عاشقِ نیم جان؟ کچھ شامت تو نہیں بدزبان؟

ناصر: شامت!

مہ جبیں: (دیکھ کر) اوہو، آپ ہیں حضور! نہیں نہیں معاف کیجئے گا قصور۔

ناصر: خوب! معاف کیجئے گا قصور۔ اجی واہ جنابِ عالی! یہ تو آپ نے اچھی چال ہے نکالی کبھی دو گالی، کبھی بناؤ باغبان یا مالی۔ اور پھر معافی مانگ کر بچ جاؤ گی خالی سے

خطا معاف نہ ہرگز حضور کی ہوگی   خطا جو کی تو سزا بھی قصور کی ہوگی

مہ جبیں: سے سزا دو لائقِ کارِ محبت   کھڑی ہے لو گنہگارِ محبت

ہمارے ہاتھ باندھو گیسوؤں سے   ہمیں سمجھو گنہ گارِ محبت

ناصر: خیر جب گنہ گار دل میں شرمایا تو حاکم کو بھی اس پر رحم آیا سے

جب گنہ گار اپنے دل میں جرم پر نادم ہوا
معاف کر دینا اُسے انصاف سے لازم ہوا

مہ جبیں: آداب آداب! تسلیم تسلیم!

ناصر: ہاں مگر اس لئے کہ آئندہ نہ ایسا قصور ہو، اس لئے مجرم پر کچھ جرمانہ ضرور ہو (بوسہ لینا)

مہ جبیں: ~~ ہمارے جرم کا جرمانہ یہ حضور نہ تھا
خطا زباں کی تھی گالوں کا کچھ قصور نہ تھا
نہ اس طرف سے بھی اب درگذر خطا ہوگی سزا تو دے چکے اب آپ کو سزا ہوگی

ناصر: ہاں ہاں چوکئے نہیں، چوکئے نہیں ~~
بدلہ ضرور جرم کا سرکار لیجئے بھر بھر کے جی مزے سے مرے پیار لیجئے
میں ایک لوں تو آپ مرے چار لیجئے

مہ جبیں: بس ہٹئے!

ناصر: اجی لیجئے۔

مہ جبیں: ~~ میں یہ سمجھوں گی سزا آپ کو کافی دیدی
جاؤ ان گالوں کے صدقے میں معافی دے دی
دھوکا پھر کھاؤں جواب بھی نہ میں ہشیار بنوں
کیا غرض مجھ کو ہے جو پھر میں گنہگار بنوں

ناصر: ~~ گر یہی طور ہے اپنا تو یہی طور سہی
جب خطا کی ہے تو پھر ایک خطا اور سہی

(قمر سے) کیوں بیٹا! تم کس کے ساتھ رہوگے؟ اپنی امی کے ساتھ یا ہمارے ساتھ؟

قمر: ابا جان! آپ کے ساتھ۔ مگر آپ کیا کھلائیں گے؟

ناصر: بیٹا جو تم کہوگے۔

(ناصر کا بگڑنا، مہ جبیں کا منانا اور گانا)

مہ جبیں: بولو بولو سنوریا پیارے، بجریا پہ میں واری۔ کہہ دو کہہ دو جو ہو
موسے تقصیر۔ بولو بولو......

ناصر: ہم نہیں بولیں گے، تم ہی سمجھ لو ہو جو تقصیر جاناں۔ ع
سزائیں دوں گا تمہیں اور تم قبول کرو

مہ جبیں: ع وہ کیا سزا ہے صنم مطلقاً نہ بھول کرو

(رستم جنگ کا آنا)

رستم: اے جہاں دارِ آفتاب آثار، اے شہنشاہ ذی وقار ؎
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

ناصر: آؤ آؤ میری سلطنت کے فدائی، میرے مہربان بھائی!

رستم: عالی جاہ! میں شرمندہ ہوں کہ آپ مجھے بھائی کے نام سے یاد فرماتے ہیں،
ورنہ میرا جو خیال ذاتی ہے اُس میں تو غلامی کی لیاقت بھی نہیں پائی جاتی ہے۔

ناصر: یہ تمہاری عالی صفاتی ہے جو اپنی تعریف پسند نہیں آتی ہے ؎
کبھی کرتا نہیں تعریف اپنی جو کہ عالی ہے
ہمیشہ بولتا ٹھوکر سے ہے برتن جو خالی ہے

رستم: عالی جاہ! افواجِ دشمن آ پہنچی، فوجِ چنگیز پہاڑوں کے قریب جا پہنچی ؎
نہ ہو ایسا کہ کسی وقت وہ حملہ کر دیں ہم تو غفلت میں رہیں اور وہ پسپا کر دیں
فوجیں تیار کھڑی ہیں کہ فدا جاں کر دیں آپ اب آئیں تو ہم کوچ کا ساماں کر دیں

ناصر: لو پیاری! اب آگئی جدائی کی باری۔

مہ جبیں: نہیں نہیں میری جان، میرے ارمان! ایسا نہ فرماؤ، مجھے تنہا چھوڑ کر
نہ جاؤ۔ میرے شیشۂ دل کو سنگِ مفارقت سے توڑ کر نہ جاؤ ؎

تم تو کہتے تھے ہمیشہ کہ مری جان تمہیں ہو　　جب جان چھوٹے جیتے جی پھر کیسے یقیں ہو

ناصر: یہ سچ ہے پیاری! تم جان ہو ہماری۔ لیکن یہ بھی تو ہے دشواری کہ بوقت تیغ باری، دشمنوں سے لڑوں گا، اپنی جان کی حفاظت کروں گا۔

مہ جبیں: نہیں نہیں، تم اس بات کا مطلق فکر نہ کرو سے

جان میری کھوگئی تو کھو گئی　　یہ سمجھنا مجھ پہ صدقے ہوگئی

(گانا ناصر کا دامن پکڑ کر)

مورے شام، مورے دھام، مورے سنوریا! نہ مجھ سے پھیر نجریا۔
تم بن سنوریا، جائے عمریا۔ بن تورے نین تکے ڈگریا۔ مورے شام......

ناصر: خیر جاؤ، لباس بدل کر آؤ۔ مگر خبردار خیمے سے باہر نہ آنا (مہ جبیں کا جانا) پیارے رستم!

رستم: صاحب عالم!

ناصر: تھوڑی دیر میں کیا ملے گا؟

رستم: فتح یا موت!

ناصر: اگر دشمن کے لئے فتح اور میرے لئے موت ہو؟

رستم: تو ہم سب کے لئے موت ہو۔

ناصر: پیارے رستم! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری قضا دامن گیر ہے۔ اگر میں میدانِ جنگ میں مارا گیا تو پھر میری بیوی اور بچے کو کون سنبھالے گا؟

رستم: وہی جو دو جہان کو پالے گا۔

ناصر: پیارے رستم! یہ مت سمجھنا کہ عیش و عشرت کی گود میں پلا ہوا ناصر تیر و تفنگ کے منہ میں جانے سے خوف کھاتا ہے۔ نہیں، بلکہ آتش فشاں توپوں کی چادر میری پوشاک ہے، تلواروں کا پھل میری خوراک ہے۔

مگر خدا معلوم آج کیا ہونے والا ہے جو دل خود بخود تہ و بالا ہے۔ اچھا اگر سب کے لئے موت ہے تو اپنی بیوی اور بچے کو خدا کے بھروسے پر چھوڑتا ہوں۔ اگر بالفرض میرے لئے ہی موت ہو تو تم میرے بعد میری بیوی مہ جبیں کے شوہر اور میرے بچے کے پدر بننا۔

رستم: مہ جبیں کے شوہر اور قمر کے پدر؟ یہ میں کیا سنتا ہوں؟

ناصر: جو میں کہتا ہوں۔

رستم: پھر کیوں نہیں مرتا ہوں؟ ؎

کیوں نہیں مرتا ہوں، کیا ذی شان سے سنتا ہوں میں
دیکھتا کس آنکھ سے، کس کان سے سنتا ہوں میں

اے آنکھوں تم کور ہو جاؤ۔ اے کانوں، تم زندہ درگور ہو جاؤ۔

ناصر: تو میں تم سے ناامید ہو جاؤں؟

رستم: بے شک آپ مجھ سے ناامید ہو جائیے۔ مگر خدا سے ناامید نہ ہو جائیے۔

ناصر: بہادر رستم تمہارے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیش و عشرت کی گود میں پلا ہوا ناصر تیر و تفنگ سے جھجکتا ہے۔ نہیں نہیں پیارے رستم میدان جنگ میرا مکان ہے اور تیر و تفنگ میرا سامان ہے۔ خیر اگر تم منہ سے کہنے میں ہو منفعل تو میں خط میں لکھے دیتا ہوں حالِ دل ؎

یا تو تم جا کر زبانی ہی سنا دینا اُسے
یا جو خط دوں میں تمہیں وہ جلد جا دینا اُسے

رستم: ؎ منظور ہے کلام بھی سلطانی نام بھی	راضی ہیں شہ اسی میں تو خوش ہے غلام بھی

ناصر: پیارے رستم چلو خدا فتح دینے والا ہے۔

رستم: چلئے (دونوں کا جانا اور مہ جبیں کا اندر سے گاتے ہوئے آنا)

سین ختم

باب پہلا ——— سین پانچواں

منظر: حسینہ کا محل

(حسینہ کا سلیم کے فراق میں اندر سے گاتے ہوتے آنا)

حسینہ: ہائے مجھے دردِ جگر نے ستایا

؎ فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالوں میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والوں میں

؎ کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

اہل بے داد ہلا، سخت جلاّد بلا، پورا استاد بلا ؎

سانس دیکھا تن بسمل میں جو آتے جاتے اور جو کا دیا جلاد نے جاتے جاتے

ہائے مجھے دردِ جگر......

خدایا راستے میں کیا غضب آیا جو جھنجھٹ میرے پیارے کو لے کر ابھی تک نہ آیا۔

(جھنجھٹ کا آنا)

جھنجھٹ: بیگم صاحبہ! آداب، تسلیمات!

حسینہ: کیوں رے موتے صبح کا گیا اب آیا؟ کہیں میرے پیارے سلیم کا بھی پتہ پایا یا یوں ہی خالی ہاتھ چلا آیا؟

جھنجھٹ: سلیم؟ وہ سامنے کون کھڑے ہیں؟

سلیم: آداب بجا لاتا ہوں دلدارِ من، بندہ پرور!

حسینہ: بس قدم نہ رکھنا گھر کے اندر۔

سلیم : ہیں ہیں خیر تو ہے ؟ یہ آج کیا فقرہ منہ سے نکالا جاتا ہے ، بندہ کوئی
بلا ہے جو ٹالا جاتا ہے ۔
(سلیم کا حسینہ کو گلے لگانا چاہنا اور اُس کا بگڑنا)
حسینہ : نہیں نہیں ! بس مجھے نہ ستایئے ۔ جایئے جایئے کسی اور سے دل بہلایئے
سلیم : اب خفگی کو دُور کیجئے اور یہ بتایئے کہ آج اس گل سے چہرے پہ اُداسی
کیوں چھائی ہوئی ہے ؟
حسینہ : چار دن تک منہ نہ دکھانا ، جلانا ، کڑھانا ، ستانا ۔
سلیم : اُف تیرا تیوری چڑھانا ۔
(سلیم اور حسینہ کا مل کر گانا)
توری چھل بل ہے پیاری ، توری کل بل ہے تیاری ، کرو باتیں سندریا جات
توری زلفیں ہیں کالی ، تورے گالوں پہ لالی ، تیرے نینوں کی لاگی کٹریا جان
جاؤ نادان ، مجھے نہ بناؤ جان !
اجی نینوں سے نیناں ملاؤ جان !
اجی چھوڑو جی ہاتھ ، نہیں ہوگی یہ بات ، کرو اوروں سے گھات ۔ اجی واہ واہ
سلیم : ہیں یہ سامنے سے کون آتا ہے ؟ یہ تو میرے قبلہ و کعبہ تشریف لا رہے ہیں ۔
حسینہ : پیارے سلیم تمہارے والد بالکل پاگل ہوگئے ہیں ۔ رات دن میرے مکان
کے گرد چکر لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے بھی اپنے شیدائیوں میں داخل کر لو ۔
سلیم : پیاری حسینہ ، تم جانتی ہو کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اُس کی
عقل ٹھکانے نہیں رہتی ۔ ان کا سن تو ساٹھ سے بھی پار ہے ۔ کس طرح اُن کو
بدنامی کی ندامت سے بچاؤں ، کس طرح کلنک کا ٹیکہ مٹاؤں ؟
حسینہ : ہاں پیارے جس طرح ممکن ہو پردے ہی پردے میں اُن کو نصیحت پہنچانے

کی کوشش کریں شاید پشیمان ہوکر باز آئیں۔

سلیم : اچھا آؤ ذرا چھپ کر دیکھیں۔

مرزا : (آکر) یار جھنجھٹ آج تو تونے مجھ پر بڑا احسان کیا جو حسینہ کو مجھ پہ مہربان کیا۔ خدا کرے تیرے گھر میں بھی میرے ہی جیسا بہادر لڑکا ہو۔

جھنجھٹ : اور وہ بھی حسینہ پر شیدا ہو۔

مرزا : یار دیکھنا یہ تو تلوار چلنے کی بات ہے۔

جھنجھٹ : ہاں حضور کیوں ؟

مرزا : یار ؟

جھنجھٹ : یار !

مرزا : یار ؟

جھنجھٹ : اجی ! حسینہ تو تم کو بیٹے سے زیادہ جانیں گی۔

مرزا : تو یار میں بھی اُسے سگی ماں سے زیادہ پیار کروں گا۔ کہو کیسی کہی ؟

سلیم : توبہ توبہ یہ بوڑھا تو پاگل خانے جانے کے قابل ہوگیا۔ خیر پیاری ، تم اس کے سامنے جاؤ اور ظاہرا پیار محبت کا رنگ جماؤ۔ میں بھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں اور تم کو ایک نیا سوانگ دکھاتا ہوں۔

جھنجھٹ : مرزا صاحب آپ یہاں ٹھہریں میں حسینہ کو لاتا ہوں۔

مرزا : جھنجھٹ ؟

جھنجھٹ : جی !

مرزا : اس سے بات کیا کریں گے ؟

جھنجھٹ : اجی وہی ناٹک کے یاد کئے ہوئے فقرے کہہ دیں۔

مرزا : ناٹک کے فقرے اُسے دیکھتے ہی کہنے شروع کردوں۔

جھنجھٹ : جی ہاں۔
حسینہ : (آکر) آگئے میری جان۔
مرزا : جھنجھٹ ! یہ تو بڑی فصاحت سے بات کرتی ہے۔
جھنجھٹ : پھر دیر کیا ہے، تم بھی شروع کرو — وہی ترانہ۔
مرزا : اے حسینوں کی ستیاناسی کا مسالہ، مرجائے تیرا باپ سہراب کا سالہ۔
تشریف کا ٹوکرا لائیے جناب والا! — کہو دوست کیسی کہی ؟
جھنجھٹ : بہت اچھی کہی۔
مرزا : جھنجھٹ ؟
جھنجھٹ : جی !
مرزا : یار میرے گلے میں تو آواز اٹک گئی۔
جھنجھٹ : آواز اٹک گئی ؟ تو پہلے ہی سے جمال گوٹے کا جلاب لیا ہوتا۔
مرزا : نظر آتا ہے نہ اپنا نہ پرایا مجھ کو (اندرسبھا باب دوسرا، پردہ چوتھا) کہو کیسی کہی ؟
جھنجھٹ : بہت اچھی کہی۔
مرزا : مجھے کون گھر سے ہے لایا یہاں ؟ یہ بتادو کہ ہے یہ کس کا مکاں ؟ سب بچھڑے کوئی سنگی نہ ساتھی۔ حسینہ کو اپنی میں پاؤں کہاں — زنانٹک چندراول باب سترواں، پردہ ساتواں) کہو دوست کیسی کہی ؟
جھنجھٹ : بہت اچھی کہی۔
حسینہ : آپ کو میرے اس غم کدے میں آنا مبارک ہو۔
جھنجھٹ : تمہیں جوتے لگانا اور انھیں کھانا مبارک ہو۔
حسینہ : کہو پیارے، کیا تم سچ مچ مجھ سے محبت کرتے ہو۔
مرزا : جھنجھٹ ؟

جھنجھٹ : جی !
مرزا : عاشق ہوں نا عاشق ؟
جھنجھٹ : اجی اول نمبر
مرزا : اول نمبر، اول نمبر

گانا

تو ہے میری جانی ، تو ہے نانی ، تو ہے میری خالہ جان ! جان لے، ایمان لے
مکان لے. پیاری پیاری باتیں ، ساری ساری راتیں سنوں کرکے دھیان.
تو ہے میری . . . .
حسینہ : توری ترچھی نجریا کو پیار کروں ، موہے مارے کٹاری نین کی، بانکا سپیّا
تو مورا سیّاں ، ڈالوں تورے گل بیّاں ۔ تو ہے میری . . . .
(نثر) پیارے اچھا میری شرط منظور ہے یا نہیں ؟
مرزا : جھنجھٹ ؟
جھنجھٹ : جی !
مرزا : یہ تو جوتیاں کھانے والی بات ہے ۔
جھنجھٹ : اجی محبّت کی خاطر تو لوگ جوتیوں کے ہار پہنتے ہیں، معشوق کے
ہاتھوں کی جوتیاں کیا ہیں یہ تو پھول جھڑیاں ہیں ۔ اب کہہ دو منظور ہے ۔
مرزا : اچھا بابا منظور ہے .
حسینہ : اچھا تو بیٹھ جاؤ، میں جوتیاں لگاتی جاؤں اور تم تعریف کرتے جاؤ ۔
مرزا : مگر پیاری ذرا آہستہ آہستہ لگانا ، کہیں سر کو چوراہے کا ناریل یا صدقے
کا بکرا نہ سمجھ لینا ۔

حسینہ : (جوتے مارتی ہے) ایک، دو، تین۔
مرزا : بس یار رہنے دے۔ باقی شادی کے دن کے لئے۔
حسینہ : ہیں تم بیچ میں کیوں بول اُٹھے ؟ میں بھول گئی۔ پھر سے کھاؤ۔
مرزا : اور اتنی جوتیاں جو کھائی تھیں وہ سب فضول گئیں ؟
حسینہ : تم بیچ میں بول اُٹھے۔ میں گنتی بھول گئی۔
مرزا : میں تو اب نہیں کھاؤں گا۔
حسینہ : نہیں کھاؤ گے تو میں جاتی ہوں — ایک، دو، تین، چار
مرزا : دیکھنا یاد رکھنا، کہیں پھر نہ بھول جانا۔
حسینہ : ہیں پھر بیچ میں بولے — ایک، دو، تین، چار۔
مرزا : ارے اس نے تو سال بھر کے لئے حجامت ہی کی چھٹی کر دی۔ کم بخت جوتی اور سر دونوں بے غیرت ہیں۔
حسینہ : ہیں، پھر بولے !
مرزا : خدا کرے جو ہم کو دیکھ کر ہنسے وہ اس آفت میں پھنسے[1]۔
حسینہ : ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ۔
(جھنجھٹ کا اندر سے روتے ہوئے آنا)
جھنجھٹ : بانو صاحبہ ! آپ کے والد صاحب تشریف لاتے ہیں۔
مرزا : ارے اس کا باپ بھی عجیب نالائق ہے۔ کم بخت جوتے کھاتے وقت مرگیا جو شادی کے وقت آن کودا۔ اس وقت کباب میں ہڈی بن کر کہاں سے آگیا ؟

---

[1] یہ تخاطب تماش بینوں سے ہے (مرتب)

حسینہ : اوئی اللہ ! میں مرگئی ۔
جھنجھٹ : اجی مرزا صاحب ! حسینہ مرگئی ۔
مرزا : ارے مرگئی تو مر جانے دے ۔ پہلے مجھے تو کہیں چھپا ۔
جھنجھٹ : ارے بھائی ، میں کہاں چھپاؤں !
حسینہ : اے اللہ ! میری تو لاکھ کی عزت خاک ہوا چاہتی ہے ۔
مرزا : ارے ہائے ہائے ۔ اب کیا تدبیر کروں ؟
جھنجھٹ : اجی میاں ، مجھے ایک تدبیر یاد آتی ہے مگر انعام کا اقرار کرو ۔
مرزا : ضرور ضرور ۔ دوں گا ، جلدی بیان کر ۔
جھنجھٹ : اچھا ٹھہریئے (ساڑی اور چکی اندر سے لا دینا) لو یہ ساڑی اور گھگرا پہن کر بیٹھ جاؤ اور چکی چلاؤ ۔
مرزا : ارے چل ، میں یہ کام کبھی نہیں کروں گا ۔
جھنجھٹ : نہیں کروگے تو میں میاں کو بلاتا ہوں ۔
مرزا : ارے ٹھہر بابا پہنتا ہوں ۔
جھنجھٹ : اجی لوگ تو محبت کی خاطر خدا جانے کیا کیا کرتے ہیں ۔ تم ابھی سے گھبراتے ہو ۔ حسینہ سن پاتے گی تو کہے گی جھوٹا عاشق ہے ۔
مرزا : ہاں ہاں یار کہتا تو ٹھیک ہے ۔
جھنجھٹ : تو پھر چکی پیسنی شروع کردو ۔
مرزا : جھنجھٹ ؟
جھنجھٹ : جی !
مرزا : اس ٹوپی کو کیا کروں ؟
جھنجھٹ : اس ٹوپی کو بچہ بناؤ بچہ ۔

مرزا : بچّہ ؟
جھنجھٹ : جی ہاں اور ساتھ ساتھ گانے چاہیئے ۔

گانا

مرزا : مرے من کی بتیاں نہ بھاتے رہے ۔مرے پیا گھر نہ آتے رہے ۔
سلیم : پیاری حسینہ ! دروازہ کھولنے میں اس قدر وقفہ لگایا ؟
حسینہ : اجی چکی کی کھڑکھڑ میں آپ کی آواز سنائی نہیں دیتی ۔
سلیم : اچھا پیاری ، ذرا میرے گلے سے لگ جا ۔
مرزا : ہائے ہائے ! جی میں آتا ہے کہ چکی کا پاٹ کم بخت اپنے سر میں اُٹھا کر مار لوں ۔
جھنجھٹ : چپ رہ ۔
سلیم : پیاری حسینہ ، یہ کون بیٹھی ہے ؟ زرینہ ؟ (لات مار کر) اری منہ سے کیوں نہیں بولتی ہے بدقرینہ ! اُٹھ اس جگہ سے ۔
جھنجھٹ : (حماقت بیگ کو لات مار کر) اری بول ۔
مرزا : ارے بولتا ہوں ۔
جھنجھٹ : ارے بولتا نہیں ۔
مرزا : اچھا باوا بولتا ہوں ۔
سلیم : ارے پیچھے ہٹ کر بیٹھ ۔
مرزا : بیٹھتا ہوں باوا ، بیٹھتا ہوں ۔
جھنجھٹ : ارے بیٹھتا کیوں نہیں ؟
مرزا : ارے بیٹھتا نہیں ، بیٹھتی ہوں ۔

سلیم : اچھا پیاری حسینہ، اب میں جاتا ہوں ۔
حسینہ : بہت اچھا (سلیم کا جانا) لو پیارے۔ اب تم بھی یہ گھگری ساڑی پہنے ہوتے گھر سے نکل جاؤ۔ ورنہ بڑے میاں آئیں گے۔ پھر کسی وقت آنا۔ میں آپ سے شادی کر لوں گی۔
مرزا : ارے جاؤں کہاں ؟ زمین ٹلت مگر مرزا صاحب نہ ٹلت سہ
بیٹھا ہوں تیرے در پہ کچھ کر کے اُٹھونگا   یا تو ہو وصال ہی یا مر کے اُٹھونگا
کہو دوست کیسی کہی ؟
جھنجھٹ : بہت اچھی کہی ۔
حسینہ : نہیں جاتے تو میں بلاتی ہوں میاں کو۔
مرزا : اچھا جاتا ہوں بادا جاتا ہوں ۔
جھنجھٹ : نہیں جاتے ؟ وہ آئے ۔

گانا

حماقت : (مرزا) جانا ہمارا یاد رکھنا۔
جھنجھٹ : جوتیاں کھانا یاد رکھنا ۔
مرزا : چُپ بے سُرے (جانا)

سین ختم

باب پہلا ——— سین چھٹا

منظر : میدانِ جنگ

پہلا سپاہی : مارو مارو۔
دوسرا : دیکھو، یہ سامنے سے کون آتے ہیں ؟
پہلا : یہ تو دشمنوں کے جاسوس نظر آتے ہیں۔
ناصر : خبردار او آمادۂ شرارت ! اُف ناکامی ! بدنامی !
پہلا : تم کون ؟
دوسرا : تمہاری موت کا پیغام۔
ناصر : تم کو کس کی تلاش ہے ؟
سپاہی : ذرا او ہوشیار ! ٹھہر او بدمعاش، تیری جان کی ہے تلاش !
ناصر : کیا خوب ہے

کرے ہے بزدل ہم سے شیر نر کی تلاش
تجھے تلاش مری، مجھ کو تیرے سر کی تلاش (تلوار نکالتا ہے)
(لڑائی کرنا آخر ناصر الدولہ کا گرفتار ہونا)

سپاہی : پکڑو پکڑو۔
رستم : ٹھہرو ٹھہرو، نامردو ! میں تم کو حکم دیتا ہوں۔ تم مرد نہیں بلکہ عورتیں ہو۔ تمہارے ہاتھ تلوار پکڑنے کے لائق نہیں، بلکہ چوڑیاں پہننے کے قابل ہیں۔
سپاہی : حضور کیا کریں، ذلت سہی نہیں جاتی، جان بوجھ کر جان دی نہیں جاتی۔
رستم : ارے یہ کیا شور مچایا۔ کہیں شاہ کا بھی پتہ پایا ؟

سپاہی : ہائے ہائے ! شاہ کہاں، شاہ ہلاک ہوا۔
رستم : اُف جگر چاک ہوا۔ خدایا ! میرے کانوں کو کیا سنایا۔
مہ جبیں : ناصر ناصر، پیارے ناصر ! بتاؤ بتاؤ کہاں ہے ؟ میرا گل رعنا کہاں ہے
ہیں تم نے گردن کیوں جھکائی ؟ میرا پیارا کس حالِ تباہ میں ہے ؟ کس جا
چھپا ہوا ہے وہ، کس پناہ میں ہے ؟
رستم : افسوس صد افسوس ! وہ اس کی پناہ میں ہے جہاں قیامت کے
دن چنگیز کو پناہ لینا دشوار ہوگا۔
مہ جبیں : ہیں تو کیا میرا پیارا دنیا سے سدھارا۔ افسوس !
(خنجر مارنا چاہنا۔ رستم کا روکنا)

ڈراپ سین

باب دوسرا ——— سین پہلا

جنگل

(چنگیزی فوج کا شراب پینا اور سب کا گانا)

چلی ناؤ منجدھار، لگادے پار، پلادے یار۔ بنے سرشار ہر ایک میخوار
تجھ پہ میں قربان، ساقیا دونی ہو تیری شان، اونچی ہو تیری دکان ساقیا
ساغر لانا، بھر کے پلانا پیمانہ، رنگ لانا، مے اڑانا، مل کر گانا کوئی ترانا۔ لو
یار شوخ شنگ، چھیڑ چنگ کا سارنگ، جام کا جمادے رنگ — چلی ناؤ
منجدھار......

دوسرا: ساقیا ترسانہ ہم کو بوند پانی کے لئے
دل ترستا ہے شرابِ ارغوانی کے لئے
پھر کہاں یہ دوست ہوں گے اور کہاں یہ بزمِ چنگ
آگئی پیری تو روویں گے جوانی کے لئے چلی ناؤ منجدھار...

پہلا: بھائی آج تو بڑی خوشی کا دن ہے۔ کیونکہ ہمارے شہنشاہ نے ناصرالدولہ کو گرفتار کر لیا ہے۔

دوسرا: ہاں بھائی خوب مزے اڑاؤ، گاؤ بجاؤ، جام پر جام لنڈھاؤ۔

پہلا: مگر یار مرزا صاحب کے بغیر محفل بے نمک ہے۔ خدا جانے وہ کیوں اس جلسے میں نہیں آئے۔ ہاں بڑی عمر ہے، لو وہ سامنے سے آگئے۔ آئیے! مرزا صاحب آئیے! جلسے میں شریک ہو جائیے۔

مرزا: یار جلسے میں تو شریک ہوں گا، مگر چندہ نہیں دوں گا۔

پہلا: نہ دینا یار نہ دینا۔

دوسرا: چلو بھائی۔ آؤ شاہ کے پاس جائیں اور اپنا اپنا قصیدہ سنا کر انعام پائیں۔

مرزا: ہاں بھائی چلو۔ میں بھی شاہ کو ایک قصیدۂ مبارک باد سنانے والا ہوں۔

سب: چلو بھائی چلو!

سین ختم

باب دوسرا ـــــ سین دوسرا

خیمہ

(رقاصاؤں کا ناچنا اور گانا)

گانا

سہیلیاں : آؤ آؤ چھیلا ! میں مدھوا پلاؤں
چین پاتے جیا ، مورے پیارے پیا. تو ہے من میں بٹھاؤں
بل بل جاؤں ، سجن مناؤں
مے کا پینا ہے نیک قرینہ' چار دن ہے زمانے میں جینا ، سچی باتیں تمہیں سناؤں
آؤ آؤ ....

دوہرا : شراب ناب بھی ہو صاف اور پیالہ صاف
میں زہل ساقی بنوں اور پینے والا صاف
اجی آجاؤ آجاؤ آجاؤ ہاں ـــ آؤ آؤ چھیلا ....

دلاور : اجی مرزا صاحب وہ جو قصیدہ آپ نے تیار کیا ہے سناؤ۔
مرزا : جھنجھٹ ؟
جھنجھٹ : جی !
مرزا : اب کیا کروں ؟
جھنجھٹ : اجی کوئی شیر دیر بنایا ہو تو سنا دینا۔
مرزا : ارے بھائی ! میں نے کبھی شیر چھوڑ کر بکری بھی نہیں بنائی۔

جھنجھٹ : بکری بھی نہیں بنائی۔
مرزا : نہیں۔
جھنجھٹ : سب شاعر نظم میں تعریف کرتے ہیں، تم نثر میں تعریف کرو۔
مرزا : مجھے تو وہ بھی نہیں آتی۔
جھنجھٹ : اچھا جس طرح میں کہوں کہتے جاؤ۔
مرزا : واہ بھائی بول۔
جھنجھٹ : اے لاکھ چھتر کے شاہ!
مرزا : اے لائق تھپیڑے شاہ!
جھنجھٹ : ارے تھپیڑ نہیں چھتر۔
مرزا : ارے چھتر نہیں تھپیڑ۔
جھنجھٹ : اے جنگیوں کے سردار!
مرزا : اے بھنگیوں کے سردار!
جھنجھٹ : اے سلطانِ خاص و عام!
مرزا : اے سلطان کے خاص حجام!
جھنجھٹ : آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار۔
مرزا : آپ کے گلے میں جوتوں کے ہار۔
جھنجھٹ : ارے جوتوں کے نہیں، پھولوں کے ہار۔
مرزا : ارے پھولوں کے نہیں، جوتوں کے ہار۔
جھنجھٹ : آپ سب کے سرتاج۔
مرزا : آپ سب کے محتاج۔
جھنجھٹ : تمام زمانوں کے شاہ!

مرزا : تمام زمانوں کے شاہ ! آگے بول

جھنجھٹ : آگے کیا بولوں ؟ تیرا سر

مرزا : آگے کیا بولوں ، تیرا سر

جھنجھٹ : ہائے ہائے کم بخت تونے سب کا ستیاناس کر دیا۔

مرزا : ہائے ہائے کم بخت تونے سب کا ستیا ناس کر دیا۔

جھنجھٹ : کم بخت مجھے دربار سے نکلوائے گا۔

مرزا : کم بخت مجھے دربار سے نکلوائے گا۔

جھنجھٹ : ہٹ تیرا باپ مرے۔

مرزا : ہٹ تیرا باپ مرے۔

جھنجھٹ : قصیدہ تمام بابا قصیدہ تمام

چنگیز : ٹھہرو ، مرزا صاحب ٹھہرو۔

پہلا : اے شاہ نامدار ! شہنشاہِ ذی وقار !

دوسرا : یہ جشن تجھ کو مبارک ہو لاکھ بار۔

تیسرا : شاہ کی فتح ہو اور عدو کی شکست ہو، ہر نیک سر بلند ہو، بدخواہ پست ہو۔

چنگیز : اچھا اے میرے بہادرو ! میرے شکار کو میرے سامنے لاؤ۔

مرزا : آؤ ! اچھا اپنا قصیدہ ہی رہا سب سے۔

جھنجھٹ : تیرا سر رہا۔

مرزا : جھنجھٹ ، چل اب حسینہ کے گھر بھی چلنا ہے۔

جھنجھٹ : چلو (سب کا جانا ــ ناصرالدولہ کو سپاہی کا پا بہ زنجیر لانا)

چنگیز : کیوں اے شاہِ زمانہ ، آپ نے اس غلام کو بھی پہچانا ؟

ناصر: شیطان کو کون نہیں جانتا ہے، بلکہ ہر ایک شخص پہچانتا ہے ؎

شکل و صورت دیکھ لی اور سب رعونت دیکھ لی
نام پہلے سے سُنا تھا آج صورت دیکھ لی

چنگیز: مغرور تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ مگر اتنا اکڑا ہوا ہے ؎

سر سے غرورِ مسندِ مخمل نہیں گیا رسّی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا

ناصر: عزّت والے مصیبت میں کب ڈرتے ہیں۔ تارے دن کے بدلے رات کو چمکتے ہیں ؎

بھری برسات میں کیا ندی نالوں میں روانی ہے
انھیں گرمی میں دیکھو تو نہ موجیں ہیں نہ پانی ہے
مگر دریا کو اس گرمی سے ہرگز غم نہیں ہوتا لگا دو آگ بھی اسمیں تو پانی کم نہیں ہوتا
عطر کی مٹّی میں بھی مل کر مہک جاتی نہیں توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں
جان جائیگی مگر جوہر نہ جائیں گے کبھی قید میں بھی شیر کی شیرانہ خو جاتی نہیں

چنگیز: تو نے بادشاہی اس لئے چاہی کہ مجھ سے ہی کرے لڑائی۔ بیں تیرا کون تھا نامنرائی؟

ناصر: کون؟

چنگیز: چچازاد بھائی۔

ناصر: اُف بھائی کا نام لے کر تو نے میرے مرحوم چچا کو قبر کی میٹھی نیند سے جگا دیا اُس کے مردہ دل کو ہلا دیا۔ ارے نامنرائی! چچازاد بھائی اور اُس سے یہ بُرائی۔ لعنت ہے قصائی ؎

جن کی گودوں میں پلا دشمن اُنھیں کا ہوگیا تو نہیں پیدا ہوا اک سانپ پیدا ہوگیا

چنگیز: جب تم جانتے ہو کہ عیش کا نتیجہ دل گیری ہے، شاہی کا انجام فقیری ہے

توناحق رنج اٹھائے تونے مجھے ملک والی　　مجھے ہی اسطرح کی سلطنت پھر کیوں نہ دینے والی

ناصر: تم کو؟

چنگیز: ہاں مجھ کو!

ناصر: تم کو سلطنت دینا ایسا ہے جیسے انصاف کو ظلم کے ہاتھ میں دینا۔ یا شیر سے بکری کی حفاظت کا کام لینا ہے

کر سکوں گا تب میں اس ظلم بیجا کا سامنا　　جب کہ کرنا ہو قیامت میں خدا کا سامنا

چنگیز: جب تیری تقدیر میں خراب ہونا ہے تو پھر تجھے کس بات کا رونا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہے

سب کو ہو رنج والم یاں غم نہیں تو کچھ نہیں　　اور رہیں اپنے گھر ماتم نہیں تو کچھ نہیں

آدمی دنیا میں بھی بے غم نہیں تو کچھ نہیں　　دم کے ہیں سب دیدے جب دم نہیں تو کچھ نہیں

ساری دنیا ہیچ ہے جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

ناصر: تم کو جس آرام کی ضرورت ہے اس کا اس دنیا میں پورا ہونا دشوار ہے۔ البتہ اگر خدا کے یہاں جاؤ گے تو وہاں پورا آرام پاؤ گے۔

چنگیز: تو نے میری موت اس لئے چاہی کہ تیری قید ٹوٹ جاتے اور تو اس عذاب سے چھوٹ جاتے۔

ناصر: نہ صرف میں تیرے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا بلکہ تمام دنیا تیرے اس ظلم سے چھوٹ جاتے گی۔ او خوں ریز چنگیز ہے

کون سا مل جائے گا اس بے ہنری میں فائدہ　　تو نے کیا سوچا ہے آخر دشمنی میں فائدہ

چنگیز: فائدہ؟ سلطنت حاصل کرنے کا قاعدہ۔ جس طرح ایک میان میں دو خنجر آبدار نہیں رہ سکتے اسی طرح ایک ملک میں دو شہریار نہیں رہ سکتے ہے

بھوک جب ہو تو طبیعت صبر کر سکتی نہیں　　ایک دو روٹی بشر کا پیٹ بھر سکتی نہیں

ناصر: یہ تو انسانی خصلتوں میں برابر ہے۔ ایک انسان ایک روٹی دس آدمیوں میں مل کر کھاتا ہے۔ مگر کتا اکیلا ہی ہڈی چباتا ہے ؎

جہاں میں ہو کے جن لوگوں میں ایسی کٹ لڑائی ہے   وہ اک کتّے ہیں لیکن شکل انسانوں کی پائی ہے

چنگیز: خیر یہی سہی کہ تیری نظروں میں خوار ہوں، مکار ہوں، عیّار ہوں۔ مگر اپنی طرف دیکھ کہ کس مصیبت میں گرفتار ہے اور مجھ کو دیکھ کہ مئے عشرت سے سرشار ہوں۔

ناصر: یہ کون سی بات ہے، جن بہادروں کو اپنی عزّت عزیز ہوتی ہے اُن کے ہاتھ میں ہمیشہ دو چیز ہوتی ہے۔

چنگیز: کیا کیا؟

ناصر: تیغ و شمشیر یا ہتھکڑی و زنجیر۔ ایک شاخ پر دو پھول ہوتے ہیں۔ ایک کو شادی کے وقت سہرے میں لگایا جاتا ہے اور دوسرا قبر پہ چڑھایا جاتا ہے۔ ایک صدف میں دو گوہر برآمد ہوتے ہیں ایک کو شاہی تاج میں لگاتے ہیں اور دوسرے کو کھرل میں پیس کر سرمہ بناتے ہیں۔

چنگیز: دیکھ اگر اس وقت میرا غصّہ نہ نکل جائے گا تو آفتاب نکلنے سے پیشتر قتل کیا جائے گا۔

ناصر: جہاں تجھ جیسا کور باطن ہے وہاں آفتاب کا نکلنا غیر ممکن ہے۔

چنگیز: کیوں، کس لئے؟

ناصر: اس لئے کہ تیرے گناہوں کی تاریکی نے تمام جہان میں اندھیرا چھا رکھا ہے۔ آفتاب کی روشنی کو سیاہی نے چھپا رکھا ہے۔ او مغرور یہ کون سی بات ہے عزّت و دولت خدا کے ہات[1] ہے۔

---

[1] قافیے کی وجہ سے یہ اِملا۔

چنگیز:- بدزبانی نہیں یہ تو ہے حماقت تیری
خیر معلوم ہوا آگئی شامت تیری

ارے کوئی ہے ۔
لے جاؤ اس کو قید کرو آج کی رات خون پی لوں گا تڑا نا شتہ صبح کے ساتھ[1]

ناصر: خون ؟

سپاہی: بس بات نہ کر (ناصر کو پابہ زنجیر لے جانا)

چنگیز: او دشمن جانی! اب کون بچائے گا زندگانی ؟
(نوشابہ کا آنا)

نوشابہ: وہ ذات رحمانی، وہ ذات رحمانی ۔ اے عدم کے سونے والو! ذرا ہوش سنبھالو ۔ قیامت آتی ہے، زمین تھراتی ہے ۔

چنگیز: نوشابہ جانی کیا حال ہے ؟ کدھر خیال ہے ؟

نوشابہ: زمانے کی برائی سے انجام کا خیال ہے ۔

چنگیز: انجام! اے دل آرام، کیا میری محبت کا انجام ؟

نوشابہ: آہ، کیا محبت کا انجام ابھی باقی ہے، جس کی دل کو مشتاقی ہے ۔
گئے وہ دن کہ راحت ملتی تھی دل کے لگانے سے
مزا ملتا ہے اب بھائی کو بھائی کے ستانے سے
تم جو اس قدر اُس کو ستاتے ہو، آخر کیا چاہتے ہو ؟

چنگیز: موت موت، ناصر کی موت ۔ جب تک اُس کے جسم میں روح کے ذرے دوڑتے رہیں گے تب تک موت ۔ جب تک آگ میری تلوار کی اُس کے

---

[1] قافیہ کی وجہ سے بیاں ملا ۔

خون سے نہ بجھے گی تب تک موت، بس موت ہے

میں نے کیا گناہ تو پھر تم کو کیا غرض　　رنگیں ہے قتل گاہ تو پھر تم کو کیا غرض
دنیا ہوئی تباہ تو پھر تم کو کیا غرض　　روتے ہیں مہر و ماہ تو پھر تم کو کیا غرض
کرتے ہیں لوگ آہ تو پھر تم کو کیا غرض

نوشابہ : غرض ؟ انسان کا فرض ۔ وہ انسان نہیں، جس کے دل میں رحم اور ایمان نہیں ۔
چنگیز : نوشابہ تو دیکھنے میں روئی مگر چبھنے میں سوئی ہے ۔
نوشابہ : مگر تم بھی دیکھنے میں امرت کی نہر ہو اور پینے میں زہر ہو ۔
چنگیز : کیا میرے سینے میں دل نہیں ؟
نوشابہ : آپ کے سینے میں دل نہیں ۔
چنگیز : ہیں، میرے سینے میں دل نہیں ۔
نوشابہ : اگر ہے تو سوراخ دار ہے، جن سوراخوں سے شیطان آتا جاتا ہے اور آپ کو بہکاتا ہے ۔
چنگیز : نوشابہ، تو پری کی سی شکل پا کر چڑیلوں کی سی باتیں کرتی ہے ۔
نوشابہ : اور آپ بھی فرشتوں کی سی شکل پا کر شیطانوں کی سی باتیں کرتے ہیں ۔
چنگیز : بس بس چلی جا، او نادان عورت، چلی جا ۔ ورنہ میری تلوار میان سے باہر آتے ہی تو نا صرکی زندگی کے ساتھ تیری زندگی کی جڑ بھی کاٹ کر پھینک دے گی ۔
نوشابہ : یہ تلوار جو دیکھنے میں آتی چمکتی ہے، زندگی کی جڑ کاٹ سکتی ہے ۔ مگر ایمان کی جڑ نہیں کاٹ سکتی ۔
چنگیز : تو کیا میری بیوی ہو کر تو میرے کام میں شریک نہیں ؟

نوشابہ: بے شک مظلوم سانپ کی ٹھیک ہے، مگر ظالم شوہر کی شراکت ٹھیک نہیں
چنگیز: خیر، شوہر کی نہیں تو دشمن ہی کی شراکت کرنا، ناصر کے ساتھ ہی قبر میں اترنا۔
شوہر سے بڑھ کے دشمنِ جانی کا دھیان ہو　　　چل دور نا سزا تیِ یہاں سے دفعاں[1] ہو
(چنگیز کا غصّے سے کانپتے ہوئے جانا)
نوشابہ: خود غرض مطلبی! تو نے ایک عورت کی محبت تو دیکھ لی۔ اب یہ دیکھنا کہ عورت تجھ سے نفرت کس طرح کرتی ہے۔

سین ختم

باب دوسرا ——— سین تیسرا

مکان حسینہ

جھنجھٹ: (آکر) اجی بیگم صاحبہ، آپ کے نام ایک پارسل کہیں سے آیا ہے۔
حسینہ: یا الٰہی، اپنا نہ پرایا، یہ پارسل کہاں سے آیا؟
جھنجھٹ: یہ تو مجھ کو خبر نہیں۔ باہر دو قلی لئے کھڑے ہیں۔ اگر حکم ہو تو اندر لے آؤں۔
حسینہ: دو قلی اور ایک پارسل! اچھا لے آؤ (پارسل کا آنا) جھنجھٹ دیکھ اس میں کیا بند ہے؟
جھنجھٹ: اجی اس میں ایک پہاڑی اُلّو ہے اُلّو۔

---

[1] صحیح لفظ دفعان ہے۔ زبانوں پر دفان ہے اور یہاں قافیہ کی وجہ سے درست ہے "مرتب"

حسینہ : اچھا کھول تو سہی۔
جھنجھٹ : بہت اچھا کھولتا ہوں (کھول کر) دیکھئے بانو صاحبہ! پورا اُتو، بلکہ اُتو کا پٹھا ہے۔
حسینہ : ارے جھنجھٹ، کہیں دم گھٹ کر تو نہیں مرگیا۔ ٹھہر میں خود دیکھتی ہوں (ہاتھ منہ پر رکھ کر دیکھنا، حماقت بیگ کا ہاتھ کا بوسہ لینا۔ حسینہ کا چلا جانا)
مرزا : چلی گئی۔ چلی گئی۔ ارے یار جھنجھٹ چلی گئی۔
جھنجھٹ : اجی چلی گئی تو میں ابھی بلا کر لاتا ہوں۔ کہئے مرزا صاحب، کیسے انگریزی طریقے سے آپ کو بلایا؟
مرزا : واقعی یار قاعدہ تو ولائتی تھا، مگر اُس روز جوتیاں بہت کھانی پڑیں۔
جھنجھٹ : اجی اس کا کیا فکر ہے ؎
سو جوتے سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا   عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا
(حسینہ اور سلیم کا چھپ کر باتیں کرتے آنا)
حسینہ : دیکھو پیارے، تمہارے والد پھر آگئے۔ اگر یوں نہ آسکے تو پارسل بن کر آئے۔
سلیم : خیر پیاری تم جاؤ، ظاہرا محبت کا رنگ جماؤ۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ تم کو ایک نیا سوانگ دکھاتا ہوں۔
حسینہ : (قریب آکر) او ہو میرے چاہنے والے نرالے، آپ آموجود ہوتے۔
مرزا : ہاں پیاری میں آگیا۔ اب جلدی قاضی کو بلوانا چاہیئے اور نکاح پڑھوانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ پھر بیچ میں گڑ بڑ پڑ جائے۔
حسینہ : ہائے بُلاتے گا، بُلاتے گا، جلدی نکاح پڑھواتے گا۔
(دونوں کا مل کر گانا)

جوان دولھا پہ ہوں میں نثار، ستے کھوسٹ پہ ہوں میں نثار
(مرزا) تیری میری جوڑی بنی مزے دار
(حسینہ) اندھی کانی جوڑی بنی مزے دار
(مرزا) دولھا بنوں گا، گھوڑے چڑھوں گا اب نہ کرو تکرار
(حسینہ) مجھے بالی بھی لادو، بندے بھی لادو، جوتا گٹھادو موچی کے ہاتھ
(مرزا) ابھی لاؤں ابھی لاؤں ابھی لاؤں جانی، شادی کا کرو اقرار۔تیری میری جوڑی
...... بس اب میں جاتا ہوں دلدار۔
(سلیم کا دیو کی شکل میں آنا)

سلیم : بس خبردار !
مرزا : جان گئی پروردگار۔
سلیم : تو یہاں کیا کرنے آیا تھا ؟
مرزا : جوتیاں کھانے آیا اور کیا کرنے آیا تھا۔
سلیم : ارے تو تو حسینہ سے شادی کرنے آیا تھا۔
مرزا : ارے یار کیوں جھوٹ بولتا ہے۔ حسینہ تو میرے چچا کی بیٹی ہے۔ میں اُس سے ملنے آیا تھا۔
سلیم : پانچ مرتبہ اُٹھ بیٹھ کر، ورنہ میں تجھ کو کھا جاؤں گا۔
مرزا : اچھا بھائی ! ایک، دو، تین
سلیم : ابے یہ کیا ؟
مرزا : ذرا دم لیتا تھا۔
سلیم : دم لیتا تھا۔ تو پھر نئے سرے سے شروع کر۔
مرزا : ارے یہ تو حسینہ کا بھائی ہے۔ مگر یار تو ہے کون ؟

سلیم : میں کالی کلکتہ والی کا بیر، یعنی بیر کلوا۔
مرزا : اچھا بھائی، ایک، دو، تین۔
سلیم : ابے کہاں چلا تھا؟
مرزا : ذرا ہوا کھانا تھا۔
سلیم : ہوا کھاتا تھا کہ ہوا ہو جاتا تھا۔ اچھا یہ لے کاغذ اور پنسل اور لکھ کہ حسینہ میری ماں ہے۔
مرزا : یہ تو میں نہیں لکھوں گا۔
سلیم : نہیں لکھے گا تو میں تجھے کھا جاؤں گا۔
مرزا : اچھا باوا، حسینہ تیری ماں ہے۔
سلیم : ابے میری نہیں، تیری۔
مرزا : ابے تیری میری ایک ہی بات ہے۔
سلیم : نہیں جو میں کہتا ہوں وہ کر۔
مرزا : لیجئے باوا، حسینہ میری ماں ہے۔
سلیم : لکھ حسینہ میری بیٹی ہے۔
مرزا : ارے یار، میری جگہ تیری لکھ دوں تو کیا ہرج ہے؟
سلیم : ابے بدمعاش۔
مرزا : لکھتا ہوں — حسینہ میری بیٹی ہے۔
سلیم : اچھا پھر تو یہاں نہیں آئے گا؟
مرزا : ارے نہیں باوا، اگر یہاں سے جاؤں گا تو تیرے نام کا ایک بکرا بھینٹ چڑھاؤں گا۔

(مرزا کا جانا)

سلیم : بہت تیرا باپ مرے۔
حسینہ : آج تو بہت ہی ذلت اٹھائی ہے۔
سلیم : اجی مرنے مرجائیں گے، مگر اب ادھر نہ آئیں گے۔
جھنجھٹ : (اب ذرا سلیم کو بھی ہتھیلی پر چاند دکھاؤں) اجی آئیں اور بیچ کھیت آئیں۔
سلیم : نہیں، کبھی نہیں۔
جھنجھٹ : نہیں تو ایک خط حسینہ سے اُن کے نام کا لے کر اُن کے پاس جائیں۔ اور پھر دیکھئے وہ لیتے ہیں یا انکار کرتے ہیں۔
حسینہ : ہاں ہاں پیارے آپ کو ضرور خط لے کر جانا چاہئے اور اُن کی بیوقوفی کو آزمانا چاہئے۔
سلیم : ارے ہیں، یہ تم کیا کہتی ہو؟ بیٹے سے باپ کی دلالی کراتی ہو؟
حسینہ : میرے پیارے اس میں دلالی کی کون سی بات ہے۔ یہ تو اُن کو آزمانا ہے۔ اُن کی بیوقوفی چھڑوانا ہے۔
سلیم : اچھا تم لوگوں کے کہنے سے جاؤں گا اور اُن کی بیوقوفی آزماؤں گا۔
حسینہ : ہاں پیارے، ابھی جانا۔
سلیم : ابھی تو ایک اور ضروری کام سے جانا ہے۔ بے قصور ناصرالدولہ کا پتہ لگانا ہے۔
جھنجھٹ : اجی میاں، جب آپ بھی اور سب لوگ بھی اُن کو بے قصور ٹھہراتے ہیں، پھر اُن کی رہائی کے واسطے کوشش کیوں نہیں فرماتے ہیں۔ اگر آپ سے نہ ہوسکے تو مجھ کو ہمراہ لیجئے، پھر دیکھ لیجئے میں کیسی حکمت عملی سے کام لیتا ہوں۔

سلیم : ارے بیوقوف یہ تیرے جیسے بے وقوف آدمی کا کام نہیں ہے۔
جھنجھٹ : اجی آپ چلئے تو سہی !
سلیم : اچھا آؤ۔ (جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــــ سین چوتھا

(مہ جبیں کا بحالتِ پریشانی آنا)

گانا

مہ جبیں :
چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں
شکل راحت نہیں زمانے میں جان جاتی ہے دل لگانے میں
کیا ترا کام بن گیا اے یاس میری اُمید کے مٹانے میں
معلوم جو ہوتا ہمیں انجام محبت لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نام محبت
نثر : رخصت میری دُنیا کی نعمت رخصت۔ بس ہمیشہ کے لئے رخصت ہے

جب تلک انجام بزم عشق کا کاشانہ تھا
شمع تھی اُمیدِ دنیا اور دل پروانہ تھا
نشہ غفلت کا جب اُترا پھر تو ظاہر ہو گیا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

قمر : امی جان کیا کرتی ہیں رچلئے نامکان پہ
مہ جبیں : بیٹا تیرا کدھر دھیان ہے ، اب یہی ہمارا مکان ہے۔

قمر: اماں جان یہ تو ویران ہے، ہمارا تو بستی میں مکان ہے۔
مہ جبیں: بیٹا تو نادان ہے، بستی میں نہیں بیابان میں مکان ہے۔

گانا

دو دن کی ہے راحتِ منزل۔ دو دن کا کاشانہ ہے
دو دن کی ہے راحتِ محفل دو دن کا عشرت خانہ ہے
سدا جہاں نہیں رہنا ہے، پھر جنگل یا ویرانہ ہے
رہے مسافر کمر کو باندھے آج آنا کل جانا ہے
جس کو کہتے ہیں دنیا وہ ایک مسافر خانہ ہے۔ دو دن کی ہے...

(قمر کا سو جانا اور رستم کا آنا)

رستم: صبر صبر، اے وفاداری کے روشن ستارے، صبر۔ اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو تھوڑے عرصہ کے لئے صبر۔
مہ جبیں: کیوں صبر کی کیا ضرورت؟
رستم: مرحوم شاہ کی آخری وصیت۔
مہ جبیں: وصیت؟ کیا میرے پیارے کی آخری وصیت۔ بول بول دل بیٹھا جاتا ہے۔ کیا وصیت ہے اور کیا کام ہے؟

(رستم کا خط دینا اور مہ جبیں کا پڑھنا)

گانا: ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے — یہی دنیا کا کارخانہ ہے
جو کہ تھے بادشاہ ہفت اقلیم — ہو گئے جا کے وہ زیرِ خاک مقیم
نہ ہے شیریں نہ کوہکن کا پتہ — نہ کسی جا ہے نل دمن کا پتہ
ہو گئے الفت تمام پہیلی سے — باقی اب قیس ہے نہ لیلیٰ ہے

نشتر : صبا! ہوا کا جھونکا برف کی طرح جم جاتے ۔ نظام شمسی کے ستاروں کی رفتار تھم جاتی ۔ زمین پورب سے پچھم کی طرف چلنے لگے، آفتاب دن کے بدلے رات کو نکلنے لگے ۔ مگر جو مر گیا ہے اُس کا زندہ ہونا غیر ممکن ہے ۔ لہذا اب غم کو دور کرو اور رستم جنگ کو اپنے بچے کا پدر اور اپنا شوہر منظور کرو ۔ شوہر، شوہر!

یہ میں کیا پڑھ گئی !

رُستم : مرحوم شاہ کی آخری وصیّت ۔

مہ جبیں : وصیّت ! او بے حمیّت ! کیا تو اس جعلی وصیت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟

رستم : رستم اپنے آقا کو دیا ہوا آخری قول نبھانا چاہتا ہے ۔

مہ جبیں : رستم رستم ! کیا یہی رستم بول رہا ہے ۔

رستم : ہاں ہاں، یہی رُستم ۔

مہ جبیں : او خدایا ! یہ کیسا اندھیرا میری آنکھوں میں چھایا ۔ او بے کس شہید اب تیری موت کا باعث میری سمجھ میں آیا ۔ تونے، او دغا باز تونے، جس چنگیز کے نام سے تمام دنیا کانپتی تھی، اُس سے میرے شوہر کو اکیلا لڑایا ۔ وہ شیر تھا، وہ دلیر تھا، وہ لڑا بھڑا ۔ مگر تونے او دغا باز اُسے نہ بچایا ۔ اس جعلی وصیّت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے نمک حرامی کا داغ اپنے دامن پر لگایا ۔

رستم : اوہ، کیسی لعنت بھری بدگمانی، کیسی سخت نا انصافی ؂

ہر گروز یرِ فلک تھی ان بہانے میں نہیں   باوفائی کی کوئی قدر زمانے میں نہیں

مہ جبیں : باوفا ؟ جھوٹا مکار ! اگر تجھ جیسے مکار کو دنیا وفادار کہے گی تو اُن جاں نثاروں کو کیا کہے گی ؂

جن کی جاں جنت گئی اور دھیان سکاروں میں ہیں   ہاتھ قبضوں پر پڑے ہیں، تیغے تلواروں میں ہیں

مر گئے پر بھی وہ ویسی ہی بے چاروں میں ہیں   تم وفاداروں میں ہو یا وہ وفاداروں میں ہیں

او دوزخ کیا تجھ میں اتنی آگ نہیں جو اُس کی زبان کو جلا دے۔ اے پہاڑ کیا
تجھ میں اتنے پتھر نہیں کہ اس بدکار پر برسا دے۔
رستم: جلادو، جلادو، بے شک جلادو۔ اگر میرے دل نے میری زبان کو یہ بات
سکھلائی ہے تو اس کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جلادو۔ اے عورت اگر
یہ رستم ہی تیرا گنہگار ہے تو لے یہ حاضر تلوار ہے ؎
بھونک دے اس کو میرے سینے میں   ہے مزا خاک ایسے جینے میں
مہ جبیں: نہیں نہیں تو جی، اپنی بدکاری کا انجام دیکھنے کے لئے۔ تو تو آخری
وصیت سن چکا اب میری بھی آخری وصیت سن لے۔ اس سے پہلے کہ میں
تجھ کو شوہر کے نام سے پکاروں یا میرا لاوارث بچہ تجھے باپ کے نام سے
بلاتے وہ میری چھاتی سے قاتل زہر پی کے سو جائے گا اور میرا بھی اس کے
بعد خاتمہ ہو جائے گا۔
رستم: او نادان عورت، او بدگمان عورت (اندر سے نوشابہ بیگم کا آنا)
کیوں کیوں کیا ہے؟
سپاہی: حضور میں نے ابھی ایک چنگیزی سپاہی سے خبر پائی ہے کہ شاہ ناصر نے
جان نہیں گنوائی ہے۔
رستم: (خوش ہو کر) تو کیا شاہ مارا نہیں گیا؟
سپاہی: نہیں حضور ابھی تک ہم غریبوں کا سہارا نہیں گیا۔
رستم: او خدا تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ اب چاہے آن جائے، شان
جائے، جان جائے، ضرور شاہ ناصر الدولہ کو چھڑاؤں گا اور اپنی پیشانی
سے بدنامی اور کلنک کا ٹیکا مٹاؤں گا۔
(رستم کا جانا، بعد میں دو سپاہیوں کا آنا)

پہلا : بھائی ہم تو چلتے چلتے تھک گئے۔ اب کہیں بیٹھنے کا ٹھکانا ہو تو ذرا دم لے لیں
دوسرا : ہاں جتنے پہاڑی راستے ہیں اُن سب میں خرابیاں ہیں۔ اب انشاء اللہ
کل اپنے کیمپ میں پہنچ جائیں گے۔
پہلا : (قمر کو دیکھ کر) ہیں یہ کون ؟
دوسرا : ارے یہ تو اپنے جانی دشمن کا کلیجہ ہے۔ خدا نے شاہ کے لئے تحفہ بھیجا
ہے چلو اگر بہت سا انعام لینا ہے تو اُس کو اُٹھا کر لے چلو۔ شاہ کی نذر گزرانیں
گے اور باپ کے ساتھ بیٹے کو بھی ماریں گے (قمر کو اُٹھا کر لے جانا)
قمر : امی جان !
سپاہی : چپ شیطان !

(دوبارہ مہ جبیں کا آنا)

گانا

مہ جبیں : نینن کو بھائے پیتم، دل میں سمائے پیتم
تم بن مورے سنوریا، بھری چلی عمریا، جلدی لو کھبریا، برہا ستائے پیتم۔
چھٹ گئیں سکھیاں سگری، بھٹکت ہوں ڈگری ڈگری۔ ڈھونڈوں کون نگریا
کون پردیس جاتے پریتم (قمر کو آواز دینا)
قمر ! قمر ! کیا میں تجھ سے بھی بچھڑ گئی۔ مانگ کے ساتھ کوکھ بھی اجڑ گئی
افسوس ایک دل اور دو داغ، ایک گھر دو چراغ (بے ہوش ہو جانا)

سین ختم

باب دوسرا ——— سِین پانچواں

راستہ

(رستم کا لباس تبدیل کر کے آنا)

رستم: اے خدائے دوجہاں! والیٔ مالکِ کون و مکاں! پیدا کنندۂ زمین و آسماں! اگر رستم کو کچھ اُمید ہے تو فقط تیری ہی ذات سے ہے ؎

اُمید وہ ہے جو شیروں کا کام لیتی ہے اُمید وہ ہے جو گرتوں کو تھام لیتی ہے

او نادان عورت، تو نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا، خطاوار ٹھہرایا... مگر یہ سامنے سے کون آتے ہیں۔ کوئی نیک دل انسان، یا چنگیزی فوج کے شیطان۔ ذرا چھپ کر دیکھوں۔

سلیم: ارے چل، بڑھ بڑھ کے باتیں نہ کر۔ اتنی سی جان اور گز بھر لمبی زبان! یہ کام تم جیسے معمولی آدمی کا نہیں ہے۔

جھنجھٹ: اجی میاں جتنا چھوٹا ہوں اتنا ہی کھوٹا ہوں۔ اگر یقین نہیں آتا تو آزمالو۔

سلیم: ارے نادان، میری رائے بیکار ہے۔ اس کام کے لئے کوئی صاحب شجاعت شخص درکار ہے۔ اگر ایسا آدمی مل جائے تو اپنا کام انجام پائے اور بے گناہ ناصر الدولہ چھوٹ جائے۔

رستم: ارے، یہ تو میرے آقا کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کا نام لیتے ہیں۔

جھنجھٹ: مگر ایسا آدمی ملنا دشوار ہے۔

رستم: (سامنے آکر) تیار ہے، تیار ہے، جیسا آدمی تم چاہتے ہو ویسا ہی تمہاری مدد کو تیار ہے۔

سلیم : ہیں تم کون !
ستم : گو میں ایک شخص پرایا ہوں مگر جس کا تم ذکر کرتے ہو اُس کا وفادار، ادنیٰ رعایا ہوں سے

اس قدر ظلم سے چنگیز کے بیزار ہوں میں
ساتھ کیا جان تلک دینے کو تیار ہوں میں
بات میری جو نہ باور ہو نوشتہ لے لو
شاہد انساں کے عوض چاہو فرشتہ لے لو

جھنجھٹ : بے شک میاں، یہ آدمی اجنبی تو معلوم ہوتا ہے مگر اس کی زبان سے سچائی کی بو آتی ہے۔ ضرور اس کو شریک بنانا چاہیئے اور بے گناہ ناصرالدولہ کو ظالم کے پنجے سے چھڑانا چاہیئے۔
سلیم : غیر شخص کو ساتھ لیتے ہوئے طبیعت ڈرتی ہے، مگر آپ کے چہرے سے سچائی ٹپکتی ہے۔ چلو ہم تم ایک جگہ بیٹھ کر صلاح کریں۔ پھر اس کام میں ہاتھ ڈالیں۔

(تینوں کا جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــــ سین چھٹا

جیل خانہ

دلیر خاں : کیوں بھائی شیر خاں !

شیرخاں : ہاں بھائی دلیرخاں !
دلیر : رات کتنی گئی ہوگی ؟
شیر : یہی کوئی بارہ بجے ہوں گے (حماقت بیگ کا آنا)
مرزا : خبردار، ہوشیار، جاگتے رہو۔ سونے سے بچتے رہو۔
دلیر : اوہو، مرزا صاحب آپ ہیں ؟
مرزا : اور کون تمہارے باپ ہیں۔ ارے بھائی نوکری کرنے آئے ہو یا حکومت کرنے۔ اگر ایسا ہی سونا ہے تو بڑا قبرستان دریافت کرتا ہوا چلا جا۔
دلیر : اجی مرزا صاحب، اس وقت کون دیکھتا ہے۔ رات دن تو پہرہ دیتے دیتے تھک گئے۔
مرزا : اور میں تمام فوج کا گشت کرکے آرہا ہوں۔ چکر لگاتے لگاتے حیران ہوگیا ہوں مگر تم نے پانچوں سواروں میں نام تو لکھوا لیا۔ یہ کچھ قواعد وغیرہ بھی آتی ہے ؟
دلیر : قواعد کس چڑیا کا نام ہے ؟
مرزا : کیا قواعد نہیں آتی ؟
دونوں : نہیں۔
مرزا : اچھا تو سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہیں سکھاتا ہوں۔
دونوں : اچھا سکھاؤ۔
مرزا : اچھا تو سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ہیں یہ کیا کیا ؟
دونوں : اجی ہم تو ویسے ہی کھڑے ہیں۔
مرزا : ابے پھر ؟
شیر : اور دیکھئے میرے ہاتھ کو دو گھنٹے سے لقوہ ہوگیا ہے۔

مرزا: ابے کنگال جیب سے ہاتھ نکال۔
دلیر: (ہاتھ نکال کر) اب سر ڈال دوں؟
مرزا: ابے اونٹ، تیری جیب ہے یا ولائتی بوٹ؟ اگر نہیں سیکھنے تو میں جاتا ہوں۔
دونوں: سیکھنے کیوں نہیں، مرزا صاحب، سیکھتے ہیں۔
مرزا: اچھا تو سیدھے کھڑے ہو جاؤ — دم دھوس اُف اُف
دلیر: ٹھہرئیے مرزا صاحب ٹھہرئیے۔
مرزا: کیوں؟
دلیر: آپ کے پاؤں میں گھنگرو باندھ دوں؟
مرزا: اس سے کیا ہوگا؟
دلیر: مزا ہوگا۔ اجی آپ انگریزی ناچ ناچتے ہیں نا؟
مرزا: ابے تو کیا تو نے مجھے بھانڈ کا نڑ کا مقرر کیا ہے۔ تو میں جاتا ہوں۔
دلیر: اجی ٹھہرو ٹھہرو، مرزا صاحب۔ دو گھڑی یاروں میں دل بہلاؤ اور مزے اڑاؤ۔ پھر جہاں جی چاہے جاؤ۔
مرزا: ارے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے؟
دلیر: اجی کھانے کو نہیں، پینے کو ہے۔
مرزا: کیا؟
دلیر: وسکی۔
مرزا: کس کی؟ ارے یار اس کی جس کی ہو لے آؤ۔
(شراب لانا اور پینا)
دلیر: ہاں مرزا صاحب، وہ آپ کیا گانا گایا کرتے تھے — پلیٹ میں جھپیٹ ہیں

گانا

مرزا : میری جانی شراب، ارغوانی شراب، آجا، تجھے ڈالوں میں پیٹ میں، جی میرا آیا
تیری پلیٹ میں۔ کوفتے پسند سے منگا کر پلیٹ میں، تجھ کو پیوں گا سلیٹ میں
یارو خطا معاف کرو، میں نشہ میں ہوں — شیشے میں مے ہے صاف کرو، میں نشہ میں ہوں
یوں کہتے ہیں مرزا حماقت بیگ سنو بھائی — تم بیچ کے گھر پی جاؤ، پاس نہ ہو گر پائی
چوکو نہ یارو انسلیٹ[1] میں۔ میری جانی شراب، ارغوانی شراب......
(اندر سے جھنجھٹ کا گانا) مرزا دیتے ہیں کیا یار...... (گانے کی آواز)

مرزا : ہیں یہ کیسی آواز ہے ؟
دلبر : مرزا صاحب معلوم نہیں یہ کس کی آواز ہے۔
مرزا : میں دیکھوں ؟ (دیکھ کر) ارے یارو، یہ تو کوئی لنڈی منڈی زنڈی ہے

گانا

جھنجھٹ : مزا دیتے ہیں کیا یار، تیرے بال گھونگر یالے
نکلی مرے دل سے آہ، جاتا تھا وہ رشک ماہ، دیکھا، دشمن کے ہمراہ
دونوں ہاتھ گلے میں ڈالے
پہلے تھی مجھ سے تکرار، اب کیوں کرتا ہے پیار، اب تو تیری طرف سے یار
میرے دل میں پڑ گئے، چھالے
تیری بھویں ہیں یا شمشیر، تیری چتون ہے یا تیر، تیری آنکھیں بت بے پیر

---

[1] INSULT کا بگڑا ہوا مزاحیہ تلفظ۔

جیسے زہر بھرے دو پیالے
کوئی دم کا ہوں مہمان، ایک نظر ادھر بھی جان، تیری آنکھوں کے قربان
او منہ پھیر کے جانے والے

مرزا: بھلا، بیگم صاحبہ آپ کا نام؟
جھنجھٹ: بندی کا نام ہے دل آرام
مرزا: آپ کا مکان؟
جھنجھٹ: آنکھ کی کوٹھری اور دل کا دالان۔
مرزا: بھلا آپ کے پاس وہ تو ہوگا؟
جھنجھٹ: کیا؟ بے واؤ پیش بو، س الف زبر سا۔
مرزا: کیا؟ بوسہ تو کسی بقال کے پاس ہوگا۔ یہاں تو ملتا ہے لات اور گھونسا
شیر: اچھابی صاحب، کوئی عمدہ سا گانا سناؤ۔
جھنجھٹ: اجی گانے کا تب مزا ہے کہ دور بھی چلتا رہے، بندی کا دل بھی بہلتا رہے
گر پاس ہو شراب تو پیمانہ بھی چلے گانے کا جب مزا ہے کہ میخانہ بھی چلے
دلبر: اجی شراب تو ہمارے پاس نہیں ہے۔
جھنجھٹ: آپ کے پاس نہیں ہے تو میں خود لاتی ہوں۔
دلبر: مرزا صاحب، لاتی ہے لاتی ہے۔
جھنجھٹ: (خود سے) اب شراب میں دھتورا ملا کر ان سب کو اُلّو بناتا ہوں، اور شاہ ناصرالدولہ کو چھڑاتا ہوں۔

گانا

جھنجھٹ: بنوا دو جان موہے سلمہ ستارے کی انگیا۔ موہے درزی نے انگیا

بگاڑی: میں تو پہنوں بنارس کی ساری۔ اُس پہ گوٹے کناری کی انگیا! جی بنوادو
اپنے سیّاں کی میں ہوں بھولی۔ میں تو پہنوں گی ریشم کی چولی۔
جس میں اطلی مسالہ ہو۔ ہاں اُس پہ کھلتی ہزارے کی انگیا — اجی بنوادو....
مرزا: کیوں بی صاحب پھر تو وہی گانا سنانا۔ ترے ہجر میں یار مرگئے سسر سالے
اور پھر گانا "مجھے منگوا دو جان پلاؤ تنجن کی ہنڈیا"
جھنجھٹ: اجی جناب، کیا یہ مسافر خانہ ہے۔
مرزا: اجی ہاں مسافر خانہ۔ اس میں تیس تیس برس رہتے ہیں۔
جھنجھٹ: اجی کیوں میاں، ہم کو بھی اس جیل خانہ کی سیر کرائیے گا۔ میں بھی
کیا یاد کروں گی، جیل خانہ کے سرداروں سے دوستی ہوئی تھی۔
مرزا: پیاری کو جیل خانہ کی سیر کراؤ (سب نشہ میں)
دلیر: سب سے پہلے میں سیر کراتا ہوں۔
شبیر: نہیں، پہلے میں سیر کراتا ہوں۔
جھنجھٹ: اجی لڑتے کیوں ہو۔ باری باری سے سب سیر کرانا۔ کیا مجھے
بھاگ کر کہیں جانا ہے۔ مگر یہ کیا ہے؟
مرزا: اجی یہ بھی ایک قسم کا قید خانہ ہے۔ اس میں قیدی کو جکڑتے ہیں۔
جھنجھٹ: کس طرح جکڑتے ہیں۔
مرزا: پہلا پاؤں اس میں ڈالا۔
دلیر: دوسرا پاؤں اس میں ڈالا۔
جھنجھٹ: اجی پاؤں! یہ تو آپ نے ہاتھ ڈالا۔
دلیر: ہاتھ ڈالا ہے تو لو پاؤں لو۔
شبیر: میرا پیرا اس میں ڈالو۔

جھنجھٹ : مگر اس سے فائدہ کیا ہوا؟ جب چور کے جی میں آئے گا تختہ اٹھا کر
فوراً باہر نکل جائے گا۔
مرزا : بڑا نکلنے والا، کوتوال کا سالا، ابھی تو ایک اور ہے باقی مسالا۔
جھنجھٹ : وہ کیا ہے جناب والا ؟
مرزا : کنجی اور تالا۔ تالے میں کنجی کو ڈالو۔
جھنجھٹ : ڈالا۔
مرزا : تالہ لگا کر کنجی نکالو !
جھنجھٹ : نکالا۔ یہ لو اب پڑ گیا تالا۔
مرزا : تو پھر قیدی بھی پکڑا گیا میری خالہ !
جھنجھٹ : واہ رے دانائی۔ (سیٹی بجانا، رستم کا آنا، ناصر کو باہر نکالنا)
رستم : آپ سیاہ چوغہ پہن کر نکل جایئے۔ اور میں چنگیز کو اس قید کا مزا چکھا کر
ابھی آتا ہوں۔
ناصر : مگر بھائی، میری رہائی کی تدبیر کس طرح ہاتھ آئی ؟
رستم : عالی جاہ، اس وقت بات کرنے کا موقع نہیں ہے۔ آپ یہاں سے
نکل جایئے۔ پھر کسی وقت عرض کروں گا۔
(ناصر الدولہ اور رستم کا جانا۔ سلیم کا آنا)
سلیم : کون ؟ ابا جان ! ہائے قسمت !
(کاٹھ سے چھڑا کر حماقت بیگ کو لے جانا)
مرزا : پیاری کہاں لئے جاتی ہو، دل آرام ؟
جھنجھٹ : دیکھا مے خواری کا انجام۔

سین ختم

باب دوسرا ـــــ سین ساتواں

محل

مرزا : اس کمبخت نے مجھے شراب پلا کر بالکل بے ہوش کر دیا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ مجھے جلد ہی ہوش آگیا اور سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگا۔ خدا جانے اُن بچارے سپاہیوں پہ کیا غضب شیطانی ٹوٹا (نوکر کا آنا) کیوں کیا ہے ؟

نوکر : حضور ایک اجنبی آپ سے ملنا چاہتا ہے ۔

مرزا : ہیں، کہیں اُس دن کی طرح کلوا بیر تو نہیں آیا۔ اچھا آجایئے (سلیم کا آنا) کیوں بھائی تو کون ہے اور کیوں آیا ہے ؟

سلیم : حضور، بندہ ایک امیر زادہ ہے مگر آج کل دلالی کے پیشے پہ آمادہ ہے ۔

مرزا : ہیں دلال ؟ گھوڑے کا یا مکان کا ؟

سلیم : عورت کا ۔

مرزا : اجی آپ تو دل لگی کرتے ہیں، یہ کوئی پیشہ نہیں ۔

سلیم : بے شک بے شک، یہ کوئی پیشہ نہیں۔ صرف غریب ہونے کی وجہ سے یہ پیشہ اختیار کیا ہے ۔

مرزا : کیوں ؟

سلیم : سنئے، اس لئے کیا ہے کہ میں نے اپنی ساری دولت عیاشی اور عیش و عشرت میں اڑا دی اور میرا باپ بھی میری معشوقہ پر عاشق ہو گیا۔

مرزا : تمہارا باپ، تمہاری معشوقہ یعنی بہو پہ عاشق ہو گیا۔

سلیم : جی ہاں !

مرزا : اور تم نے اُس کو منع نہ کیا ؟
سلیم : اجی کئی دفعہ کیا ۔ ایک دن وہ میری معشوقہ کے گھر اس سے ملنے کو آیا ۔ تو میں اپنی معشوقہ کا باپ بن کر وہاں آیا اور اُس کو بہت ذلیل کیا ۔
مرزا : (خود سے) ارے یہ تو میرا اور حسینہ کا واقعہ ہے ۔ کہیں چھپ کر دیکھ تو نہیں لیا ۔ یار تمہارا باپ بڑا ہی بے وقوف تھا ، جو اپنی بہو پر عاشق تھا ، اچھا پھر تو وہ کبھی نہ آیا ہو گا ؟
سلیم : اجی پھر آتے ۔ مگر اب کے نئی ترکیب سے آتے ۔ یعنی پارسل میں بند ہو کر آتے ۔
مرزا : اچھا تو پھر تم نے کیا ترکیب نکالی ؟
سلیم : اجی میں نے بھوت بن کر اُن کی گردن دبالی ۔
مرزا : ارے کیا خوب ! (خود سے) یہ تو بالکل میرا اور حسینہ کا قصّہ ہے ۔ مگر حسینہ کا نام نہیں ۔ یار تمہارا باپ بالکل اندھا ہے جو اپنے بیٹے کو نہیں پہچانتا ۔ اچھا آگے کیا ہوا ؟
سلیم : پھر میں نے اُن کو ایک کاغذ اور پنسل دے کر کہا کہ لکھ ، میری معشوقہ میری ماں ہے ۔
مرزا : ارے کیا خوب ! یہ تو اُس نے کبھی نہ لکھا ہو گا ۔
سلیم : جی ، سب لکھ دیا ۔
مرزا : تمہارا باپ بھی بڑا اُلّو کا پٹھا تھا ۔ اگر اس وقت میرے سامنے ہوتا تو پچاس جوتے لگاتا ۔
سلیم : اجی نہیں نہیں ، آپا !
مرزا : ابے تو آدمی ہے یا گھاس کا ڈبہ ۔

سلیم : اجی آپ کچھ خیال نہ کریں ۔ کیونکہ میرے باپ کی آپ سے شکل ملتی جلتی ہے اس لئے زبان سے بے ساختہ نکل گیا ۔

مرزا : ملتی جلتی ہے ۔ غریب کا تو کوئی باپ نہیں بنتا ۔ اور امیر کے سو بیٹے بننے کو تیار ہیں ۔

سلیم : پھر تو جناب انھوں نے ناک سے لکیریں کھنچیں کہ پھر میں یہاں کبھی نہ آؤنگا مجھے زندہ یہاں سے جانے دے ، میں تیرے نام پہ بکرا چڑھاؤں گا ۔

مرزا : اچھا تو یہاں کس لئے آیا ہے ؟ کیا اپنے باپ کی طرح مجھے بھی بیوقوف بنانا چاہتا ہے ؟

سلیم : جناب عالی ! میں آپ کے پاس حسینہ کا خط لے کر آیا ہوں ۔

مرزا : کیا ، حسینہ کا ؟ حسینہ کا خط ؟

سلیم : جی ہاں ، حسینہ کا خط ۔

مرزا : یار واہ ! پھر تو تُو نے مجھ پر بڑا احسان کیا ، جو حسینہ کو مجھ پہ مہربان کیا ۔ (خط پڑھنا) اے میرے چاہنے والے ! منوالے ! نرالے ! مجھ کو اس وقت شنو ڈگری بخار ہے ۔ تم جلدی آؤ اور مجھ سے نکاح پڑھاؤ ۔ مگر تم اپنی اصلی حالت میں نہ آنا ۔ کیونکہ اُس دن کی طرح اگر کلوا بیرا آگیا تو پھر خرابی ہوگی ۔ اس لئے تم بھنگی کے لباس میں آنا ۔

مرزا : نہیں یہ نہیں ہو سکتا ۔

سلیم : اجی ، محبت کی خاطر لوگ سب کچھ کرتے ہیں ۔

مرزا : اچھا یار ، یہ بازی بھی کھیلیں گے ۔ اب تو جا ، میں جاتا ہوں اور جھاڑو والے سے اُس کا لباس لاتا ہوں اور بھنگی بن کر آتا ہوں ۔

سلیم : بہت اچھا ۔

مرزا: ارے، بہت اچھا۔ کہیں میری کرسی اُٹھا کر نہ لے جانا (جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــ سین آٹھواں

پچھلا محل

نحوست: ارے ہائے ہائے حسینہ! تیرا ستیاناس ہو جائے۔ اری او شیطان کی خالہ تونے میرے بھولے بھالے شوہر کو کس علت میں ڈالا جھنجھٹ! کیا سچ مچ بڈھا ہر روز ایسے سوانگ لاتا ہے؟

جھنجھٹ: اجی تو کیا بندہ آپ کو جھوٹ سناتا ہے۔

نحوست: ارے خدا کرے وہ مرے، اُس کا چاہنے والا سڑے۔

جھنجھٹ: لو اور سنو، اپنے بیٹے کو آپ کوستی ہے۔

نحوست: جھنجھٹ! کیا حسینہ سچ مچ دیوانی ہو گئی ہے۔

جھنجھٹ: اجی بالکل شیطان کی نانی ہو گئی ہے۔ کل ہی بریلی کے پاگل خانے سے آئی ہے۔

نحوست: خیر میں جاتی ہوں۔ اُسے اچھی طرح ٹھیک بناتی ہوں۔ حرامزادی کا دیوانہ پن بھلاتی ہوں۔

جھنجھٹ: مگر بیگم، وہاں تم خالی ہاتھ نہ جانا۔

نحوست: کیا مجھ سے لڑے گی؟ میں چوٹی کاٹ لوں گی مُردار کی۔ اچھا چل تو سہی دیکھا جائے گا۔

جھنجھٹ : ہاں ہاں چلو، سب جمع خرچ حسینہ کے گھر وصول ہو جائیگا۔ (جانا)

سین ختم

باب دوسرا ــــــــ سین نواں

خواب گاہ

(چنگیز کا سوتے ہوئے نظر آنا اور بکنا)

چنگیز : موت! قتل! اے ناپاک پلیدو! مجھے جہنم میں نہ جھونکو۔ میرے سینے میں خنجر نہ بھونکو۔

(نوشابہ کا خنجر لے کر آنا)

نوشابہ : اے دلِ نادان ٹھہر، اے ضبطِ ہمت صبر کر۔ اے آنکھو مت روؤ

گر یونہی آنسو کا طوفاں اور دم بھر رہ گیا
یاد رکھنا تم کہ یہ دل خون ہو کر بہہ گیا

یہ شمع جل رہی ہے اسے بجھا کر میں پھر روشن کر سکتی ہوں۔ مگر اے بزمِ حیات کی جاں سوز شمع! اگر تجھ کو بجھاؤں گی تو تجھے کیسے روشن کروں گی ؎

دیکھ لوں جی بھر کے تجھ کو آج اے روشن چراغ
لیکن اس سے پہلے کر لوں روشن اپنے دل کے داغ

مگر اس ظالم کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں۔ اُف خون، خون، خون،

(نوشابہ کا حملہ کرنا چاہنا۔ رستم کا باہر نکل کر نوشابہ کا ہاتھ روکنا) کون؟

رستم : ایک انسان ؟

نوشابہ : اگر تو انسان ہے تو دیکھ یہ تیرا دشمن شیطان ہے۔

رستم : آخر اس بے وفائی کا سبب ؟ کج ادائی یا دنیا کی بھلائی !

نوشابہ : زمانے کی بھلائی۔

رستم : اگر تم زمانے کی بھلائی کے لئے اپنے گھر کا چراغ بجھاتی ہو تو خدا تم کو اُس کا اجر نیک دے گا۔ مگر اس خونی کام کے لئے یہ نازک ہاتھ نہیں بلکہ پتھر کے ہاتھ درکار ہیں۔ خنجر مجھے دیں۔ آپ تشریف لے جاویں۔

نوشابہ : ؎ تمہارا قول مرے دل نشین کیونکر ہو
تمہاری بات کا مجھ کو یقین کیونکر ہو

رستم : اے ملکۂ ذی وقار، رستم جنگ کا اقرار۔

نوشابہ : ہیں کون ؟ رستم جنگ، بھائی ناصر کا سپہ سالار۔ بس مجھے ہے اعتبار
پھرتے نہیں ہو تم کبھی اقرار سے اپنے میں جاتی ہوں غفلت نہ کرو کار سے اپنے (جانا)

رستم : اخاہ ! انسانوں میں فرشتہ باغ میں گلاب کا پھول۔ مبارک ہیں وہ انسان جو اوروں کی بھلائی کے لئے اپنا گھر برباد کرتے ہیں۔ اوروں کا چراغ روشن کرنے کے لئے اپنا چراغ گل کرتے ہیں۔ یارب ذوالکرام مظلوموں پر یہ ظلم اور ظالموں کو یہ آرام۔ بس اس کی زندگی ہے میرے حوالے۔ ایک وار میں جھگڑا پاک (قریب جاکر، چنگیز کے سینہ پہ گھٹنا رکھ کے اُس کو بیدار کرنا)
اُٹھ چنگیز اُٹھ۔

چنگیز : تو کون ؟

رستم : تیری موت کا سامان۔

چنگیز : پہرہ گیر !

رستم : چپ شریر ! پہرہ گیر کے آنے سے پہلے میرا ہاتھ چل جائے گا۔ یہ بالشت بھر کی چھری تجھے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے گی۔ تو خاک کا ڈھیر ہو جائے ایک دم میں۔ روح تیری تڑپتی ہو گی جہنم میں۔

چنگیز : اس بے ادبی کا سبب، آخر تو کون ہے بے ادب !

رستم : او بدلگام ! نہیں سُنا رستم جنگ کا نام ؟

چنگیز : کون ؟ رستم جنگ ! ہائے افسوس۔

رستم : ہیں چنگیز تو تو کانپتا ہے۔ تو تو خدا کے خوف سے بھی نہیں کانپتا تھا، اب موت کے ڈر سے کیوں کانپتا ہے ؟

چنگیز : کیا تو میری جان لے گا ؟

رستم : نہیں، یہ بات میرے دل میں آتی تو تیرے بند حشر تک نہ کھلنے پاتے
وہ بھیڑیے ہیں جو سوتوں پہ وار کرتے ہیں   جو شیر ہیں وہ جگا کر شکار کرتے ہیں

(رستم کا خنجر پھینک دینا، چنگیز کا اُٹھ کر کہنا)

چنگیز : حیرت ! تعجب ! دشمن اور رحم !

رستم : تعجب کا کون سا مقام ہے۔ رحم کرنا بہادروں کا ادنیٰ سا کام ہے ۔
آن یہی، بان یہی، شان یہی ہے   دنیا میں جواں مرد کی پہچان یہی ہے

چنگیز : اگر قتل کرنا منظور تھا تو پھر یہاں آنا کیا ضرور تھا ؟

رستم : چنگیز، میں تجھے چھری اور کٹاری سے نہیں مارنے آیا ہوں بلکہ تیرے حلق میں نصیحت کا زہر اُتارنے آیا ہوں۔

چنگیز : اگر نصیحت سے ملک و دولت حصول ہو تو ایک بار کیا ہزار بار قبول ہو۔

رستم : او نادان ! زردار تو وہی ذی مقدور ہے جس کے دل سے حرص و لالچ کوسوں دور ہے ۔

دانائی عقل سے ہے سن و سال سے نہیں
زردار دل سے ہوتا ہے کچھ مال سے نہیں

چنگیز: رستم تو نے میری جان بچائی ہے۔ دشمنی میں دوستی دکھائی ہے۔ مانگ جو چیز مانگنی منظور ہے۔

رستم: مانگتا ہوں۔ اگر آپ دو چیزیں دیں تو مانگتا ہوں۔

چنگیز: دو چیزیں؟

رستم: ہاں، دو چیزیں۔

چنگیز: کیا؟

رستم: عدل و انصاف اور ظلم سے انحراف!

چنگیز: جس دل میں ان کمزور چیزوں کا خیال ہے۔ اس کا دلیر ہونا محال ہے!

رستم: تو وہ دل نہیں بلکہ سوکھی ہوئی ڈالی ہے جو پھلنے پھولنے سے پہلے مرجھانے والی ہے۔ او اسیرِ حرص دو دن جینا اور اس قدر کینہ۔ پانی سے بنا ہوا دل اور آگ سے بڑھ کر قاتل۔

چنگیز: بس ہو چکا ہو چکا۔

نوشابہ: (آکر) کیا ہو چکا؟ قتل و خون؟

چنگیز: کیسا قتل و خون، او مجنون؟

نوشابہ: کیا ابھی تک یہ زندہ ہے؟ او دغا باز فریبی سردار، تو نے صرف مجھ سے ہی دغا نہیں کی، بلکہ اپنے بھائیوں اور شاہ ناصر کے ساتھ دغا کی۔

چنگیز: تو کیا تو ہی میرے قتل کے واسطے یہاں لائی تھی؟

نوشابہ: بے شک، میں مکرتی نہیں ہوں۔ یہ خنجر میرا ہی دیا ہوا ہے مگر افسوس کہ اس نے دغا کی۔ یہ کام خود کرنے کا تھا جو میں نے اس نامرد کے سپرد کیا۔

چنگیز: افسوس اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ تو وہ بے وفا چڑیا ہے تو اس پنجرے کو

جو تیری محبت کی رگوں سے بنا ہوا تھا توڑ دیتا اور تیری محبت کو ہمیشہ کے لئے
چھوڑ دیتا ہے

ایسا کیا جو موم سے آہن بھی نہ کرتا وہ وار کیا تونے جو دشمن بھی نہ کرتا
اچھے سے بُرا نیک سے بدظن بھی نہ کرتا

نوشابہ: ظالم، میرے وار کا تونے اتنا ملال کیا اور اپنے وار کا ذرا بھی نہ خیال کیا
جس نے ایک زمانے کو حلال کیا۔

رستم: اب آپ اندر جاتی ہیں یا محبت بڑھاتی ہیں۔

نوشابہ: نہیں، اب گھر کے اندر نہیں قبر کے اندر جاؤں گی، جہاں اس جیسے
مکار کو جگہ نہ ملے گی۔

چنگیز: ــــ اب اماں تیرے لئے او ستم انگیز نہیں
گر ترا خون نہ پی لوں تو میں چنگیز نہیں

رستم: ہیں ہیں، یہ کیا جنون ہے، کیا انسان کے پینے کی چیز خون ہے؟

چنگیز: بس بس! ارے کوئی ہے؟ (سپاہی کا آنا) لے جاؤ اس کا سر کاٹ لو
ہڈیاں اور خون چاٹ لو۔

نوشابہ: بس آخری سلام، اے نا منصف سردار سلام، او خدا کے پکّے گنہگار سلام ــ
نہ ملے گی مرضِ غم کی دوا میرے بعد پائیگا ظلم و ستم کا تو مزا میرے بعد
یاد آئے گی تجھے میری وفا میرے بعد

میں جاتی ہوں مگر اتنا کہے جاتی ہوں کہ تو بھی اس ظلم و ستم کا نتیجہ جلدی
پائے گا۔

چنگیز: بس بس، میں اب کچھ نہیں سننا چاہتا۔ لے جاؤ اس نامنزائی کو میرے
سامنے سے۔ اس کی بوٹیاں نوچ کر چیل کوّوں کو کھلا دو۔ اس منحوس

صورت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔

رستم: رحم کر چنگیز، رحم!

چنگیز: نہیں، ہرگز نہیں۔

رستم: افسوس! (رستم کا جانا چاہنا، چنگیز کا روکنا)

چنگیز: ٹھہر رستم ٹھہر۔ تو نے میری جان بخشی کی ہے اس لئے میں تجھے بغیر ہتھیار نہیں دیکھنا چاہتا (تلوار دے کر) یہ ایک دشمن کی تلوار ہے۔ گر سچے دوست کی یادگار ہے سے

رہیں گے ہم بہم بس استخواں و پوست کی صورت
ملیں گے دشمنوں سے اور رہیں گے دوست کی صورت

رستم: پہلے تو نوشابہ پہ رحم کر، پھر میں بھی مان جاؤں گا۔ بلکہ تیرا دوست بن جاؤں گا۔

چنگیز: دوستی کا انعام کس طرح دینا چاہیئے، یہ میں خوب جانتا ہوں۔

رستم: اور لوگوں کی بھلائی کو کس طرح بھول جانا چاہیئے، یہ بھی میں خوب جانتا ہوں۔

سپاہی: اے شہنشاہِ ذی حشم، لشکرِ دشمن کا رنگ ڈھنگ جا کر دیکھ آتے ہیں، اور آتے آتے ایک مژدہ ہاتھوں ہاتھ لاتے ہیں، یعنی کہ اپنے دشمنِ جانی کا کلیجہ ساتھ لائے ہیں۔

رستم: ہیں، کون قمر؟

قمر: چچا جان!

چنگیز: پھینک دو، شیطان کے بچے کو، دریا میں پھینک دو۔

رستم: چنگیز! معاف کر اسے۔

چنگیز: لڑائی کے وقت اس کا سر کاٹ کر نیزہ پہ چڑھاؤں گا اور اس کی
ماں کو فتح کی مبارک باد دینے جاؤں گا۔

رستم: چنگیز! جو رستم کسی کے آگے نہ جھکا تھا اب اپنے مالک کے بچے کے
لئے تیرے آگے سر جھکاتا ہے، رحم کر، رحم کر۔

چنگیز: کبھی نہیں، ہرگز نہیں۔

رستم: چنگیز، میں تجھ سے بھیک مانگتا ہوں۔

چنگیز: کیا!

رستم: اس کی جان۔

چنگیز: بس بس، اب اگر تاخیر ہوگی تو تمہاری زندگی بھی اخیر ہوگی۔

رستم: تو بدکار، سمجھ کہ یہ تلوار تیری دی ہوئی نہیں، بلکہ خدا کی بخشی ہوئی
غیبی مدد ہے۔ لے ہوشیار ہو جا اور سنبھل۔

(قمر کو لے کر لڑتے ہوئے فرار ہونا۔ پل کے پار
ہو جانا۔ پل پہ بجلی کا گرنا۔ پل کا ٹوٹ جانا۔ سپاہیوں
کا اس طرف اور رستم کا اس طرف کھڑا نظر آنا)

ڈراپ سین

باب تیسرا ـــــــ سین پہلا

محل

گانا : من دھرو دھیر، موری سجنی، ہاں دھرو دھیر، دن رین چیت ہوں بھجتی۔ ہاں روکے بیتی چھتیاں، کیسی ہائے مورتیاں۔ تو بے چین نہیں دن رین، ہاں دھرو دھیر۔ تمہاری زاری، موری پیاری، سُن سُن کے اُٹھت ہے پیر، دکھ سنگرے پیارے، توری نیلوا کا لگاوت تیر۔ من دھرو دھیر موری سجنی۔۔

نثر

پہلی : ہمارے شاہ آتے۔

دوسری : سچ ! ہائے !

تیسری : تیرے سر کی قسم !

دوسری : لیکن ادھر نہ آنے دیا اُن کے قدم

پہلی : ع گل سے جلنا کیا بُرا ہے بلبلِ بے برگ کا

دوسری : ع یک بیک ملنے سے ڈر ہوتا ہے شادی مرگ کا

ناصر : کیا بہت ہی حال تباہ ہے ؟

پہلی : حضور ! اب خدا پر نگاہ ہے۔

ناصر : آخر کچھ اس کی وجہ بھی پائی۔

دوسری : آپ کا صدمہ اور قمر کی جُدائی۔

ناصر : افسوس ـــ ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ ! نئی

مہ جبیں : اے ستارو، میرے ناصر کو نہ مارو۔ قمر کے کپڑے بھی نہ اُتارو۔ اے چاند، میرے قمر کو پکڑ کر کیوں مارتا ہے ؟ قمر، میرا قمر۔
سب : جی ؟
مہ جبیں : میرا قمر کہاں ہے ؟
سب : رستم جنگ کے پاس۔
مہ جبیں : کون رستم جنگ ؟
سب : آپ کا وفادار
مہ جبیں : نہیں نہیں، وفادار نہیں ہے، عصمت کا شکاری ہے۔ آہ پانی نہیں برسا، ارے بھاگ بھاگ، آگ لگنے کی تیاری ہے۔
سب : کہاں کہاں ؟
مہ جبیں : وہاں وہاں (سب کا جانا۔ مہ جبیں کا ہاتھ میں مشعل لئے گاتے ہوئے آنا)

گانا

تمہیں کون اذیت سکھائی۔ سُن ساجن موری سدھ بسرائی۔ اے آسمان ظالم، بپتی بن بپتی اتی دُرگتی۔ تن من تج کر برہن نسدن پل چھن گن گن، تڑپ تڑپ پتی کٹھن۔ اب ملت کہاں ہمرا اُسکھ درشن۔ تمہیں کون . . . .
نثر : جل آئی نورانی مشعل۔ رات آگئی، اندھیری چھاگئی ہے
دل کو جلایا، جسم کو اور جان کو جلا گذری ہے آدھی رات اب ارمان کو جلا
(مہ جبیں کا آگ لگانے کا ارادہ کرنا۔ ناصر کا روکنا)
ناصر : ہیں ہیں، پیاری مہ جبیں، یہ کیا کرتی ہو ؟
مہ جبیں : رب العالمین مجھے بچا، مجھے بچا۔

ناصر: پیاری، میں کوئی غیر نہیں، تمہارا شوہر ناصر ہوں۔

مہ جبیں: نہیں نہیں، ناصر کو تو موت مے مارا۔ قبر میں گیا وہ میرا پیارا۔ تم اُس کی روح ہو یا اُس کا بھوت۔

رستم: (قمر کو لے کر آنا) کیوں کیوں خیر ہے؟

ناصر: خیر ہے یا خدا کا قہر ہے۔

قمر: امی جان!

مہ جبیں: کون؟ میرا قمر۔ نہیں، قمر کی روح، قمر کا بھوت۔ ہٹ جا، سرک جا۔

(جانا)

سین ختم

باب تیسرا ——— سین دوسرا

محل

حسینہ: ارے جھنجھٹ! کیا نحوست سچ مچ دیوانی ہو گئی ہے؟

جھنجھٹ: اجی بانو صاحبہ، بالکل شیطان کی نانی ہو گئی ہے۔

نحوست: ارے جھنجھٹ؟

حسینہ: ہیں یہ کون؟

جھنجھٹ: اجی یہ تو نحوست بیگم کی آواز ہے۔

نحوست: ارے دروازہ کھول۔

حسینہ: بیگم صاحبہ بندگی!

نحوست : میں نے تیری سب کو تو ت دیکھ لی ۔
حسینہ : میری کیا کرتوت آپ نے دیکھی ؟
نحوست : تو نے ہی تو میرے شوہر کو ھسلایا ہے ۔
حسینہ : جھنجھٹ کیا یہ سچ کہتی ہے ؟
جھنجھٹ : اجی تم بھی سناؤ ۔
حسینہ : بیگم صاحبہ ! دیکھئے میرے ساتھ ایسی بدکلامی نہ کیجیے ۔
نحوست : جھنجھٹ تو سچ کہتا تھا کہ حرامزادی لڑائی بغیر بات ہی نہیں کرتی ۔
جھنجھٹ : اجی تم کیا دیکھتی ہو ، خوب سناؤ ۔
نحوست : تو کیا مجھ سے لڑے گی ؟ یہ جوتی بھی دیکھی ہے ؟
حسینہ : یہ لکڑی بھی دیکھی ہے ؟
جھنجھٹ : ہٹ چلی ۔
نحوست : (گانا) چل چل دیوانی ، تو تو ہوگئی دیوانی ۔
سلیم : ہیں ہیں ، یہ کیا ہے ؟
حسینہ : دیکھو پیارے ، تمہاری اما جان کہتی ہیں کہ تو نے ہی میرے شوہر کو پھسلایا ہے ۔
سلیم : نہیں نہیں اماں جان ! اس نے نہیں پھسلایا ہے ۔ وہ دیکھئے سامنے سے جناب آتے ہیں ۔ ذرا چھپ کر ان کا تماشا دیکھنا چاہتے ۔
مرزا : کہو دوست کیسی کہی ؟ یار شکر ہے کہ اس شکل میں تو مجھے کوئی نہیں پہچان سکتا ۔ شکر ہے کہ جھنڈو بھنگی سے میری جان پہچان تھی جو یہ لباس مل گیا ورنہ بڑی مشکل ہوتی ۔
حسینہ : کیوں پیارے ، تم آگئے ؟

مرزا: ہاں پیاری میں آگیا۔
حسینہ: اب تمہیں کوئی نہیں پہچان سکتا، کیونکہ تم پورے ماسٹر بن گئے۔ اگر خدانخواستہ فوج میں سے نوکری چھوٹ جاتے تو کمیٹی میں درخواست دیکر گنڑمیں ماسٹر ہوسکتے ہو۔
مرزا: اور آہستہ آہستہ کمیٹی کے ممبر ہو جائیں گے پھر تو کسی کو بھی خاطر میں نہ لائیں گے، اپنے ہی بھائیوں کے گلے پر چھری چلائیں گے اور مرزا حماقت بیگ کے بدلے خان بہادر مرزا صاحب کہلائیں گے۔

گانا

صورت سیرت میں چندا، ہر فن میں کامل ہے بندا۔ شکل مچھندر، عقل میں بندر خاصے قلندر۔ بن کر ممبر، گھر گھر پھر کر ٹیکس لگائے گا بندا، واہ واہ واہ خوب نکالا یہ دھندا۔ تیرے بھلے میں، سب کے گلے میں، ٹیکس کا ڈالوں گا پھندا
صورت سیرت میں ....

ساروں میں، یاروں، بھنگی چماروں میں، دھوبی کہاروں میں، پاؤں گا نام کرسی پہ بیٹھوں گا، یاروں میں اینٹھوں گا، دولت سمیٹوں گا، میں صبح شام خان بہادر بن کے، زر لوں گا اور گھر رشوت سے بھر لونگا، چال چلوں گا تن کے۔ میری تیری جوڑی، ایک اندھا ایک کوڑھی۔ مطلب پائیں گے من کے۔
صورت سیرت میں ....

نشر

حسینہ: لو پیارے، کوئی سامنے سے آتا ہے۔ جھاڑو دینا شروع کرو۔
جھنجھٹ: کم بخت کیا آہستہ آہستہ جھاڑو دیتا ہے۔

مرزا : ارے ہائے ہائے مرگیا۔
جھنجھٹ : اوہو، آپ ہیں جناب والا۔ میں سمجھا تھا گھر کا جھاڑو دینے والا۔
مرزا : ہٹ تیرے باپ کا منہ کالا۔
مرزا : آتی ہے! اسے بھی میرے بغیر چین نہیں آتا۔ مگر یہ اتنی بڑی کیوں ہوگئی؟
ہاں، شاید شادی کی خوشی میں بڑھ گئی — اچھا ذرا آنکھ تو ملاؤ ——
ہائے ہائے!
سلیم : اوں ہوں۔
مرزا : ستم تری اداؤں سے مجھ کو سرور ہوتا ہے خطا معاف ہو مجھ سے قصور ہوتا ہے
سلیم : ارے چھوڑ چھوڑ میرا بدن چُور ہوتا ہے۔
مرزا : ارے اس میں اتنا زور کہاں سے آگیا۔ پیاری ذرا اپنا منہ تو ہم کو دکھاؤ۔
سلیم : اجی یہ تو میں ہوں آپ کی سبز پری۔
مرزا : واہ رے اُستاد زمانہ، کیا آپ نے مجھ کو اپنے باپ کی طرح بیوقوف جانا۔
سلیم : اجی نہیں، میرے دل میں آیا کہ ذرا آپ سے دل لگی کر دوں۔
مرزا : اچھا، ذرا اپنے بے وقوف باپ کا قصہ تو بیان کرو۔
سلیم : لو سنو۔ جب میں شکل بدل کر خط لے کر اس کے پاس گیا تو حکم پاتے
ہی میری پیاری کے گھر پہنچا۔
مرزا : پھر بھی اس اُلو نے تم کو نہ پہچانا۔
سلیم : اجی، بالکل نہ جانا۔
مرزا : اس وقت لباس کیا پہنے تھا؟
سلیم : یہی جو آپ پہنے ہیں۔
مرزا : واہ واہ، کیا کہنے —— اچھا پھر؟

سلیم : پھر کچھ دیر تو ہم نے اُن کی حرکتوں کو دیکھا بھالا ۔
مرزا : پھر؟
سلیم : پھر میں نے اپنی نقلی داڑھی جو شکل چھپانے کے واسطے لگا رکھی تھی اُتار ڈالی. پھر تو سب نے کہا سلیم تھا۔
سب : سلیم تھا؟
مرزا : او، کون سلیم؟
سلیم : ابا جان! سلیم.
مرزا : اور یہ کون؟ نحوست. کم بختوں نے پہلے سے میرا گھر اُڑانے کو بارود تیار کر رکھا تھا۔
نحوست : کم بخت، اتنی بڑی داڑھی اور جوگی کی پوشاک.
مرزا : دیکھو دیکھو، نحوست، داڑھی کی مسخری نہ کرو۔
نحوست : چپ بے شرم.
مرزا : اری واہ ری میری کڑک مرغی ۔
نحوست : کم بخت اتنی ذلت پاکر بھی ہنستا ہے۔
مرزا : ہنستے ہی گھر بستے ہیں ۔
سلیم : ابا جان، یہ سب کمبخت جھنجھٹ کی شیطانی ہے ۔
حسینہ : اسی نے مجھ سے کہا کہ نحوست بڑا چھٹا سیلانی ہے۔
نحوست : اور اسی نے مجھ سے کہا کہ حسینہ دیوانی ہے۔
جھنجھٹ : اجی اس میں کیا اپنا کانی ہے ۔ یہ تو یاروں ہی کی کارستانی ہے۔
مرزا : ٹھہریئے، میں ابھی اس کو ٹھیک کرتا ہوں (مارنا)
جھنجھٹ : بس حضور، بندہ بھول گیا۔

مرزا : کمو دوست کیسی کہی ؟ (سب کا جانا)

سین ختم

باب تیسرا ——— سین تیسرا

جنگل

چنگیز : افسوس ، ذلت ، تباہی ۔ رستم کیسا دلیر شیر ۔ اگر رستم کی آدھی ہمت بھی میرے سپاہیوں میں ہوتی تو آج یوں ذلت نہ اُٹھانی پڑتی ۔

سپاہی : بچاؤ سرکار !

چنگیز : کون ؟ میرا شکار ، ناہنجار بدشعار ۔ مجھے خاک میں ملانے والے ، اب کہاں ہیں تیری جان بچانے والے ؟

نوشابہ : یہ روح بھٹکے گی میری جبتک نہ جسم تیرا فگار ہوگا خوشی نہ ہوگی نصیب مجھ کو تیرا جبتک مزار ہوگا

چنگیز : کس قدر تیز ہے اس کی گفتار میں اثر ۔ اگر زندہ ہے تو لیتا ہوں تیری خبر اگر ہوگی روح تو نہ ہوگا تجھ پہ تلوار کا اثر ۔

سپاہی : لے لوں اب تو عوض بھائی کے خون کا ۔

چنگیز : یہ کیا کام تو نے جنون کا ؟

رستم : ظالم ! نتیجہ تو نے بدکام ہے یہی دنیا میں اہل ظلم کا انجام ہے یہی

چنگیز : رستم ، میرا غصہ تجھ کو دوست سمجھ کر چھوڑتا ہے اور تو مجھ پر یہ ستم توڑتا ہے ۔

رستم : جہاں میں ظلم سے تیرے مچا اندھیرا ہے جہاں کا گر ہے تو دشمن تو دشمن پہلے میرا ہے

چنگیز : چرکے دیتا ہے مجھے تو نشتر گفتار سے یوں نہیں سمجھا اگر تو سمجھ تلوار سے

رستم : بول، اب کیا تیرا غرور ہو گیا، نشۂ غرور کا کہاں کافور ہو گیا ؟
ناصر : (آکر) رحم، پیارے رستم، رحم !
رستم : عالی جاہ ! اگر اس کو بھی کسی پہ رحم کرنا آتا تو مجھ کو بھی اس پہ ضرور رحم آتا
چنگیز : نہیں نہیں، مجھ کو اب ہلاک کر ڈالو، سب سے پہلے میرا سینہ چاک کر ڈالو

دعا کرو کہ خدا میرا بیڑا پار کرے — دعا کرو نہ ہزاروں میں شرمسار کرے
ساقیا ہم تری محفل سے پر ارماں نکلے — نہ تو شیشہ ہی ملا اور نہ ساغر پایا

ناصر و نوشابہ : ہیں ہیں، خیر ہے.
چنگیز : کچھ نہیں، ملکِ عدم کی سیر ہے.
رستم : کیوں اب قتل کی دہشت طاری ہوئی، جو خودکشی کی تیاری ہوئی.
چنگیز : زلزلہ تھا نام سے میرے زمین و کوہ میں — سکتے بیٹھے تھے مرے ہر شہر اور انبوہ میں
ایسا کچھ دیکھا کہ دل کا حوصلہ جاتا رہا — ہائے قسمت سے وہ سارا ولولہ جاتا رہا

ناصر : اگر پہلے سے یہ خیال ہوتا تو کیوں ایسا حال ہوتا.
چنگیز : عزیز ناصر، میرے پچھلے گناہوں کی سزا مجھے ندامت میں ڈبوتی ہے.
مجھے معاف کرو، میری طرف سے دل صاف کرو.
رستم : آپ بھی عالی جاہ، نوشابہ کی طرف سے دل صاف کریں. کیونکہ جب میں قمر کو آپ کی خواب گاہ سے لیکر فرار ہوا تو راہ میں اُن سپاہیوں سے دوچار ہوا. وہ آپ کا حکم بجا لا رہے تھے اور اس بے گناہ کا خون بہار ہے تھے سمجھانے کے طور پہ کہا. جب وہ نہ مانے تو زبردستی لے کر فرار ہو گیا.
چنگیز : پیاری نوشابہ کے علاوہ تیرا بھی گنہ گار ہوں. تم دونوں میرا قصور معاف کرو.
نوشابہ : پیارے چنگیز مجھے اس ساعت سے بڑی خوشی حاصل ہوئی. ایک تو آپ کا راہِ نیک پہ آنا. دوسرے مہ جبیں کا جو بھائی ناصر کے غم میں دیوانی

ہو گئی تھی، حکیم صاحب کی دوا سے صحت پانا۔

چنگیز: بھائی ناصر، اب ایک خوشی کا دن مقرر ہو تاکہ یہ تاج میرے ہاتھ سے تیرے زیبِ سر ہو۔

سین ختم

باب تیسرا ـــــ سین چوتھا

تخت

چنگیز: ؎ دنیا کی پاؤ سروری، تاجِ عدالت گستری
مل کر مبارکباد دیں جن و بشر حور و پری
دل شاد ہو، آباد ہو دشمن سدا ناشاد ہو
تا حشر محو داد ہو پاؤ جہاں کی سروری

سب: آمین! آمین! آمین!

مرزا: حضور، ایسی خوشی کا وقت آیا، مگر بندے نے انعام نہ پایا۔ عقل دیتے وقت تو خداوند تعالیٰ بھول گئے اور انعام دیتے آپ بھولے جاتے ہیں۔

چنگیز: کیا مرزا صاحب، ابھی تک آپ کو انعام نہیں ملا؟

مرزا: نہیں حضور! ابھی تک تو کچھ نہیں پایا۔

چنگیز: اچھا مل جائے گا۔

جھنجھٹ: اچھا چلو، آج سے آپ کو گھسیاروں کا جمعدار بنایا۔

مرزا: چپ بے نالائق!

(سہیلیوں کا ناچنا اور پردے کا اوپر سے گرنا)

تمام شد

خوبصورت بلا

تختۂ ناٹک

مردانہ کردار

توفیق	ایک وفادارِ سلطنت امیرِ دربار (نیکی کا مجسمہ)
نواب قتلو	عیّار وزیر (ظالم و جابر بدی کا مجسمہ)
طغرل بیگ	ایک سردار
قہرمان	"
شہریار	"
صفدر	شمسہ کا ملازم (نیک طینت)
سہیل	مقتول بادشاہ کا کمسن لڑکا (ولیعہدِ سلطنت)
رشید	توفیق کا کم سن لڑکا
خیر سلّا	قتلو کا مصاحب
ماشاء اللہ	شہریار کا ملازم
ایجنٹ	شادی کے دفتر کا
کپتان	ایک فوجی پنشنر۔ بگڑا رئیس
شہباز	ایک لاابالی شخص
مشکل آسان	"
چچا	مشکل آسان کا
فیضو	شہریار کا ملازم

سیفو — خیرسلا کا ملازم
ڈاکٹر
جمعدار
چوبدار
قاصد
درباری
سپاہی اور دوسرے نوکر چاکر وغیرہ

زنانہ کردار

شمسہ — بدچلن ملکہ (بدی کا مجسمہ)
طاہرہ — توفیق کی نیک بیوی
تسنیم — ایک نوجوان امیرزادی۔ شہریار اور طغرل کی محبوبہ
شیریں — ایک نوجوان حسینہ
میڈم — خیرسلا کی بیوی
ممتاز — ماشاءاللہ کی بیوی
سہیلیاں اور خواصیں وغیرہ

خوبصورت بلا

باب پہلا ــــــ سین پہلا

(اندر سے نیکی کا گاتے ہوئے آنا)

گانا: رب کی شان نیاری نیاری پہ واری بلہاری۔ توری کہانی گھر گھر من مانی، جان یکتائی چھتراتی۔ پیاری پیاری ساری۔ رب کی۔۔۔۔ نیکی پر بندے دھیان دھرنا۔ کرودھ کام سے نت ڈرنا۔ ہوس لپٹ کرت پھرت چھل کی ماری، دنیا ساری، نس دن آری ہے خواری۔ رب کی۔

نثر: خداوند کا جلال ہو۔ مقدس ہے وہ خدا جو آدم کے سرکش اور باغی بیٹوں کو ماں باپ کی طرح پیار کرتا ہے۔ مبارک ہے وہ انسان جو سچے دل سے اور پوری سچائی کے ساتھ اس کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ اے گمراہ ہستی! جو اندھی اور دیوانی بنی ہوئی تباہی کے غار کی طرف دوڑی

جا رہی ہے، آ! روشنی کی طرف آ۔ خدائے رحیم تیری پکار پر کان لگائے
ہے۔ اُس کی رحمت تجھے گود لینے کے لئے محبت کے بازو پھیلائے ہے

جس راہ میں ہوں ٹھوکریں وہ راہ اے انسان نہ چل
جرم و گنہ کے بوجھ سے ورنہ گرے گا منہ کے بل
تاریکیاں ہیں ہر طرف اندھا نہ بن اب بھی سنبھل
ایمان کا فانوس لے اور اس میں جلا شمعِ عمل
اُٹھ دوڑ بھاگ آ اس طرف، طاقت ابھی ہے پاؤں میں
آرام و راحت زندگی سب ہیں خدا کی چھاؤں میں

بدی: (آکر) میں ہوں، جہان کی خوشی، میں ہوں!
نیکی: دنیا کی مصیبت، خدا اور انسان کے بیچ میں دیوار!
بدی: دنیا کی قسمت میرے داہنے ہاتھ میں ہے اور اس کی کنجی میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔ تم جو بہشت کی امید میں دنیا کو دوزخ بناتے ہوتے ہو میری طرف آؤ اور میرا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ میری سخاوت کے بادل موتی برسائیں گے اور تمہارے دامن کو بھی مالا مال کر دیں گے۔
نیکی: تو جھوٹی ہے۔ تو آدمی کو ذلت، مصیبت اور خوفناک موت کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔
بدی: چپ! تو ہی میری طرف آنے والوں کو روکتی ہے۔
نیکی: اور تو نیک راہ چلنے والوں کو جہنم کے اندھیرے غار میں گراتی ہے۔
بدی: تو نہ ہوتی تو دنیا میں بہشت کا مزہ آتا۔
نیکی: بدی! تو نہ ہوتی تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہیں کرتا۔
بدی: نیکی! لڑائی چھوڑ!

نیکی : بدی ! بڑائی چھوڑ !
بدی : اری دنیا عاشقوں کا بازار ہے۔ اس میں کوئی تیرا خریدار ہے کوئی
میرا طلب گار ہے ؎

اگر نفرت ہے میرے عاشقوں کو تیری صورت سے
تو مجھ سے کس لئے لڑتی ہے جا لڑ اپنی قسمت سے

نیکی : جو آج جانتے ہیں دنیا کی حور تجھ کو   دے بیٹھے ہیں جو دل سے عقل و شعور تجھ کو
جس روز روشنی میں دیکھیں گے شکل تیری   نفرت کی ٹھوکروں سے پھینکیں گے دور تجھ کو
بدی : نادان کبھی ایسا نہ ہوگا۔ کیا تو نہیں جانتی کہ دنیا کی مٹی خود غرضی اور لالچ کے
پانی سے گوندھی گئی ہے۔
نیکی : جھوٹی تیرا ہر لفظ عداوت سے بھرا ہے، دنیا کا چمن بس میری کوشش سے ہرا ہے
بدی : بس بند کر قیل و قال۔ اب دیکھ میرے عاشقوں کا حال۔
(طغرل کا شراب پیتے دکھائی دینا۔ رامشگر کا گانا)
گانا : اے پیارے مہاراجہ۔ دُلارے مہاراجہ۔ پیالے مے کے پی لوجی۔
جیو جانی، پیو جانی۔ پیالے مے کے پی لوجی۔ اے پیارے . . . . . .
دوہرا : بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد مے خانہ
گھڑی گھڑی پل پل چھن چھن کامنی کمسن پیارے مہاراجہ . . . .
بدی : میرے عاشقوں کا حال دیکھ چکی۔ اب اپنے چاہنے والوں کی ذلت اور
مصیبت دیکھ۔
نیکی : بدی ہوئی شرط۔ دیکھنا میں ہارتی ہوں یا تو ہارتی ہے۔ (جانا)
(پردہ پھٹنا اور شمسہ کا عالی شان مکان نظر آنا)

سب درباریوں کا دست بستہ کھڑے دکھائی دینا

پہلا چوبدار: ع جلال ہمرہ، کمال ہمدم، عروج مانند چھتر سر پہ

دوسرا: ع زمانہ حامی، فلک محافظ، سپہر بندہ، ستارہ چاکر

پہلا: ع نصیب دربان، قضا مگس راں، قدر ثنا خواں، ہو بخت یاور

دوسرا: ع سحاب قلزم قدم قدم پر، زر و جواہر نثار سر پہ

پہلا: وقار ہر سمت چھا رہا ہے، دلوں کی عظمت بڑھا رہا ہے

دوسرا: حضور تشریف لا رہی ہیں، کھڑے ہوں خدام سر جھکا کر

(شمسہ کا آنا سہیلیوں کا ناچنا اور مل کر گانا)

گانا: رہیں حکم سے تخت و تاج، ملک و راج، مال و منال۔ بلند نام ہو۔ دن بدن عزت بڑھے جاہ و جلال۔ زہیں پہ آج ہے جس طرح آسمان محیط یونہی جہان پہ چھایا رہے ترا اقبال۔ رہیں .....

(سہیلیوں کا ناچتے اور گاتے ہوئے اندر جانا)

شمسہ: جاؤ اُس ضدی کتے کو میرے سامنے لاؤ۔ ضد کس سے؟ مجھ سے جو طوفانی سمندر کی طرح غصّے میں دیوانی ہو جاتی ہے، جو دم کے دم میں آندھی کی طرح بلائے ناگہانی ہو جاتی ہے۔ اگر یہ راہ پہ نہ آیا تو پھر اس کو دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

(قتلو کا توفیق کو پا بہ زنجیر سامنے لانا)

شمسہ: کیوں توفیق کس حال میں ہے؟

توفیق: کس حال میں ہے؟ شیر ہو ہے کے جال میں ہے۔

شمسہ: سرکش ~

کیوں تباہی لا رہا ہے اپنے عز و جاہ پر چھوڑ دے گمراہی آجا اب بھی سیدھی راہ پر

توفیق : دنیا میں سچی اور سیدھی راہ فقط نیکی ہے جو قبر کے دروازے سے نکال کر
قیامت کے میدان سے ہوتی ہوئی بہشت کے دربار میں پہنچاتی ہے
باقی ہر ایک راہ ٹھوکریں کھلاتی ہے، کانٹوں میں پھنساتی ہے اور آخر کار جہنم
کے اندھیرے غار میں گراتی ہے ؎

پروا نہیں جو آج زمانہ خلاف ہے   رستہ وہی چلوں گا جو ٹھیک اور صاف ہے
رکھا اور سکھ تو ہیچ ہیں میری نگاہ میں   میں جان بھی جو دوں گا تو نیکی کی راہ میں

شمسہ : میں نہیں سمجھتی کہ نیکی کیا چیز ہے جو تجھ کو اور تیرے جیسے چند بیوقوفوں کو عزیز ہے
توفیق : نیکی کیا چیز ہے ؟ نیکی ایک پاک نور ہے۔ نیکی خدا کے ہاتھ کا بنایا ہوا
قلعہ ہے جس میں پاک انسان بیٹھ کر شیطان کی فوج سے مقابلہ کرتا ہے۔
شمسہ : پاگل ہو گیا ہے ؟
توفیق : ہاں ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں مگر شکر ہے خدا کا جو باغی، حرص کا
بندہ، شیطان کا غلام، بے رحم، خونی اور نمک حرام نہیں ہوں۔
شمسہ : او نمک حرام ! ہمارے سامنے یہ گستاخانہ کلام ؟
توفیق : میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کا اظہار
کرتے ہیں۔ میں بہادر ہوں اور بہادر ہمیشہ سامنے آکر وار کرتے ہیں ؎

صاف دل اس طرح کہتے ہیں برابر صاف صاف
جس طرح آئینہ کہہ دیتا ہے منہ پر صاف صاف

قتلو : اگر تو ضد چھوڑ دے تو میں ایمان سے کہتا ہوں ......
توفیق : چپ بدمعاش ! اس مقدس چیز کا نام نہ لے جس کا ایک ذرہ بھی تیرے
ناپاک تن میں نہیں ہے۔ تم دونوں شیطان سے زیادہ ایمان کے دشمن ہو۔
شمسہ : بیشک ہیں اور اس لئے ہیں کہ بہادر کو نامرد اور سرخ کو زرد بنانے والی ہے

توفیق : جس طرح خدا نے جسم کے لئے جان کا لمپ جلایا ہے اسی طرح جان کے لئے ایمان کا چراغ بنایا ہے۔

شمسہ : مگر میں ہوں تو ضرور اس چراغ کی روشنی بجھاؤں گی۔

توفیق : اری تو کیا اگر دنیا کے شیطان مل کر کوشش کریں پھر بھی یہ خدائی چراغ ہمیشہ جگمگاتا رہے گا اور جہان میں رحم اور انصاف کی روشنی پھیلاتا رہے گا۔

شمسہ : توفیق تو جانتا ہے کہ میں کیسی عورت ہوں؟

توفیق : ذلت کی پتلی! تجھے کون عورت کہتا ہے۔ عورت وہ ہے جس میں رحم ہو، شرم ہو، سچائی ہو، باوفائی ہو، پارسائی ہو، جس نے فرشتوں کی طینت اور حور کی عصمت پائی ہو، تو کبھی عورت نہیں ہو سکتی۔ جس طرح تو نے معصوم شہزادی کا دغا سے حق چھینا ہے اسی طرح عورت کے نام پر بھی زبردستی قبضہ کر لیا ہے

شمسہ : توفیق سن

سانس سے آگ جو برساؤں وہ اژدر ہوں میں
ضد میں طوفان تو غصے میں سمندر ہوں میں
پیس ڈالوں گی، مٹادوں گی، فنا کردوں گی
یاد رکھنا تری تقدیر کا چکر ہوں میں

توفیق : دل کا جوش ایسے ڈراوے سے کہیں گھٹتا ہے موم سے پنجۂ فولاد کہیں دبتا ہے
مت سمجھ دل سے مرے زہر دغا نکلے گا چیر کر دیکھ شرافت سے بھرا نکلے گا
روئیں روئیں کی زباں پر یہ سخن جاری ہے
جان پیاری نہیں دنیا میں وفا پیاری ہے

قتلو : مذہبی دیوانے! کیوں جان کر دنیا کی خوشیوں سے بیزار ہے۔ تیری ایک ہاں پر شاہی مہربانیوں کا بادل عزت و دولت اور رحم کی بارش برسانے کے لئے تیار ہے

توفیق : مجھے کوئی ایسی مہربانی نہیں چاہیئے۔ او حرص کے غلام! یاد رکھ یہ کلام ؎

چار دن ہے شان و شوکت کا خمار　　موت کی ترشی نشہ دے گی اُتار
جب اُٹھائیں گے جنازہ مل کے یار　　ہاتھ مل مل کے کہے گا بار بار

کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
جو یہاں پایا یہیں سب دھر چلے

شمسہ : بس بس یہ وعظ پاگلوں کے لئے رکھ چھوڑ۔ سہیل کو ہمارے حوالے کر تاج کا تابعدار ہو، ورنہ خوفناک انجام کی پیشوائی کے لئے تیار ہو۔

توفیق : کیا معصوم شہزادے کو تم قصابوں کے پنجے میں ذبح ہونے کے لئے دیدوں؟ رحم اور انصاف کے گلے پر چھری پھیر دوں؟ تخت و تاج کے لٹیروں کی تعظیم کروں؟ شیطان کو بہشت کا مالک و وارث تسلیم کروں؟ نہیں وفادار توفیق سے ایسا کبھی نہ ہوگا۔

قتلو : مگر تم کو ایسا ضرور کرنا پڑے گا۔

توفیق : کیوں؟

شمسہ : ہمارا حکم۔

توفیق : تیرا حکم کوئی خدا کا حکم نہیں ہے۔

شمسہ : میں شاہی حکم دیتی ہوں۔

توفیق : میں تیری شاہی سے بھی منکر ہوں ؎

تیر و تلوار و تبر نیزہ و خنجر برسیں　　زہر، خوں، آگ مصیبت کے سمندر برسیں
بجلیاں چرخ سے اور کوہ سے پتھر برسیں　　ساری دنیا کی بلائیں مرے سر پر برسیں

ختم ہو جائے ہر اک رنج و مصیبت مجھ پہ
گر ایمان کو جنبش ہو تو لعنت مجھ پہ

شمسہ: غور کر پھر غور کر ورنہ اجل تیار ہے — تیرا سر ہے اور اس جلاد کی تلوار ہے
توفیق: مصیبت کے ڈر سے رنج کے بول سے — بہادر بدلتے نہیں قول سے
خدا لے کہ تولے یہ جاں ایک ہے — مگر بات ایک اور زباں ایک ہے
شمسہ: مجھ پہ لعنت ہے جو تجھ کو اب میں زندہ چھوڑ دوں
کاٹ لا سر تاکہ اس کو ٹھوکروں سے پھوڑ دوں
(جانا)

سین ختم

باب پہلا ——— سین دوسرا

اگلا محل

(آنا خیر سلا کا)

خیر سلا: واہ رے قسمت برسوں کی کاٹی بھاگی کنزاتی، مگر آخر کار یاروں کے اڑنگے میں آئی. ملکہ شمسہ نے نواب تنو خاں کو بلایا اور اپنے بھائی برجیس کو اس کے ہاتھ سے قتل کرایا تو مابدولت نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا جس کے صلے میں ایڈی کانگ کا عہدہ پایا. اس کام میں تھوڑی سی بے ایمانی تو ضرور کرنی پڑی مگر تقدیر کھل گئی. اماں کہاں کا دین اور ایمانداری! یہ تو لوگوں کے ڈرانے کے لئے یاروں نے ڈھکوسلا بنا رکھا ہے. ورنہ ایمانداری میں کیا رکھا ہے.
ارے سیفو. ارے سیفو!

سیفو : (آکر) جناب آپ کسے پوچھتے ہیں ؟
خیر سلا : ابے اپنے مالک کو نہیں پہچانتا ؟
سیفو : جناب وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں ۔
خیر سلا : ابے کیا اتنی جلدی بھول گیا ۔ ذرا غور سے دیکھ ۔
سیفو : کون میاں خیرو ؟
خیر سلا : چپ بے ادب ۔ خیرو کسی موچی کے لڑکے کا نام ہو گا ۔
سیفو : پھر تم کون ہو ؟
خیر سلا : مرزا خیر سلا بیگ ۔
سیفو : اماں کاہے کو جھوٹ بولتے ہو ۔
خیر سلا : چپ ! دیکھ آج سے ہمیں جناب اور صاحب کے نام سے پکارنا ۔
سیفو : کس لئے ؟
خیر سلا : کیونکہ اب ہماری ڈگری بڑھ گئی ہے ۔
گانا : دیکھو میرا رتبہ اعلیٰ ، میں ہوں ایڈی کانگ ۔ بڑی آن بان شان کیسا بنا ہاں ؟ وہ عمامہ ، ڈھیلا پاجامہ چھینکا ، ڈاٹا بوٹ شوز وا سکوٹ ، یہ کلنگ ہے ، پڑھی اس کو بھنگ ہے ، میری عقل دنگ ہے ۔ کوٹھی بنگلے میں رہوں ، کلب ہوٹل میں پھروں ۔ امن چمن میں کروں ۔ ٹھاٹ باٹ دیکھو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
سیفو : اماں کاہے کو جھوٹ بولتے ہو ۔ تمہاری صورت پر تو وہی پاجی پن برستا ہے ۔
خیر سلا : دیکھ پہلے میں ایک معمولی جمعدار تھا ۔ اب طغرل بیگ ایڈی کانگ کہلاتا ہوں ۔

سیفو: واہ میاں واہ !

خیر سلا: پہلے ہم چٹائی پر بیٹھ کر چٹنی روٹی کھاتے تھے اب کرسی ٹیبل پر مٹن چاپ اُڑاتے ہیں۔

سیفو: واہ بھئی واہ !

خیر سلا: پہلے ہم گدڑی بازار سے لاکر پرانی جوتی پہنا کرتے تھے اب ولائتی بوٹ ڈانٹتے ہیں۔

سیفو: بھلا یہ ولائتی بوٹ آپ کو کیا بھاؤ پڑتا ہے؟

خیر سلا: ابے چپ! تو سنتا جا۔ پہلے میں ڈھیلا کرتہ پاجامہ پہنا کرتا تھا اور اب پتلون کوٹ ڈانٹتا ہوں اور قمیص پر ٹائی لگاتا ہوں۔

سیفو: ارے واہ میاں! میں تو سمجھتا تھا کہ تم موچی کے موچی ہی رہو گے مگر ہو قسمت کے دھنی کہ آپ سپاہی سے ایک دم ایڈی کانگ بن گئے۔

خیر سلا: ارے یہ تو ہماری بدقسمتی ہے۔ کہ ہم ایڈی کانگ بن کر رہ گئے ورنہ ہمارے والد تو عجیب شان کے آدمی تھے۔ تو نے ان کو دیکھا ہوگا۔

سیفو: کیوں نہیں! کئی دفعہ۔ وہ ہمارے محلے میں پاپڑ بیچنے کے لئے آیا کرتے تھے۔

خیر سلا: ارے چپ رہ! وہ کوئی اور اُلّو ہوگا۔

سیفو: اُلّو ہو یا گدھا مگر صورت تو آپ کے باپ کی تھی۔

خیر سلا: خیر! اس ذکر کو دفعان کر اور یہ بتا کہ میرے گھر میں کیا پکا ہے؟

سیفو: پکا کیا ہے وہی باجرے کی روٹی اور اُبالی ہوئی دال۔

خیر سلا: ارے دال کو بھاڑ میں ڈال۔ کیا امیروں کے گھر میں ایسے کھانے پکتے ہیں؟ دیکھو آج سے ہمارے گھر میں ایسے کھانے پکا کریں۔ قورمہ، قلیہ،

قلیجن ، بریانی ، پلاؤ ، مٹن چاپ ، ٹپاٹا چاپ اور کٹلس کباب ۔
سیفو : اجی میاں کل وہ الم غلم کھا لینا ۔ آج تو شکر کرکے یہ چٹنی روٹی کھالو ۔
خیر سلا : تم جیسوں نے چٹنی روٹی پر شکر کرکے خداوند تعالیٰ کی عادت بگاڑ دی ہے
اس نے دیکھا جب یہ بیوقوف چٹنی روٹی پر ملہار گاتے ہیں تو انہیں پلاؤ
کھلانے کی کیا ضرورت ہے ۔
سیفو : بھلا کھانے ایسے نہ کھاؤ گے تو تمہیں یہ پرانا مکان کیسے پسند آتے گا ؟
خیر سلا : ابے پرانا مکان کیا ، میں تو اب پرانی جورو بھی بدل دوں گا ۔
سیفو : دیکھو میاں ایسا نہ کرنا ۔ وہ بیچاری تو تمہیں بیٹے کی طرح چاہتی ہے ۔
خیر سلا : کیا تجھے معلوم نہیں کہ پرانی جنتری اور پرانی جوتی ہر سال بدل دیتے
ہیں ۔ اور میں نے تو نئی جورو کے واسطے اخبار میں اشتہار دے دیا ہے ۔
سیفو : بھلا میاں میں تم کو کوئی ٹپا خاسی جورو دلا دوں تو طغرل بیگ سے
سفارش کرکے مجھے بھی خان بہادری کا خطاب دلا دینا ۔
خیر سلا : ابے خان بہادری کے خطاب کو لے کر کیا کرے گا ۔ وہ آج کل ٹکے
سیر بکتا ہے ۔ جو بلّی چوہے کی آواز سے گھبراتے ہیں ، وہی آج کل خان بہادر
کہلاتے ہیں ۔
سیفو : اچھا یہ نہیں تو شیر جنگ کا خطاب دلا دو ۔
خیر سلا : ہاں یہ دلا دوں گا ، کیونکہ کل تو نے دو چوہے مارے تھے ۔
سیفو : اچھا سنو ! میرے خیال میں جتنی عورتیں ہیں ان سب کی فہرست
پیش کرتا ہوں ۔ فلاں محلے میں مٹھو گھاس والا رہتا ہے اُس کی ایک
لڑکی ہے ۔
خیر سلا : ارے مجھے کیا کوئی گھسیارہ سمجھا ہے جو گھسیارے کی لڑکی سے شادی

کرا تا ہے ؟

سیفو : تو پھر تم جیسے مداری کو گھسیارے بھٹیارے کے سوا کون لڑکی دے گا ؟

خیر سلا : ابے دے گا کیوں نہیں ؟ ذات صفات اور شرافت اگلے زمانے میں دیکھا کرتے تھے۔ اب تو فقط پیسے کو دیکھتے ہیں۔ جہاں چار پیسے دیکھ پاتے ہیں بڑے بڑے اپنی لڑکی دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

سیفو : اچھا تو فلاں محلے میں عبدالکریم قصاب کا سالہ رہتا ہے۔ اُس کی سات بیٹیاں ہیں۔

خیر سلا : خوب ! جب تو سب نے مل کر باپ کا دیوالہ نکال دیا ہو گا۔

سیفو : ان میں چار تو اندھی ہیں، ایک کانی ہے، ایک گنجی ہے۔ مگر سب سے جو چھوٹی لڑکی کریمن ہے وہ آپ کے لائق ہے۔ لیکن ذرا سا لنگڑاتی ہے

خیر سلا : ابے تو کیا تو نے مجھے لولا لنگڑا مقرر کیا ہے جو لنگڑی جورو دلاتا ہے۔

سیفو : خیر تو فلاں محلے میں مرزا فجو رہتے ہیں۔ ان کی ایک بہن ہے اور بڑی نیک ذات ہے اور مزا تو یہ ہے کہ ایک گلاب کے پھول جیسا بچہ بھی ساتھ ہے۔

خیر سلا : ابے تو مجھے سیکنڈ ہینڈ مال دلاتا ہے۔ شیر بھی کہیں دوسروں کا جھوٹا کھاتا ہے۔

سیفو : تو پھر آپ کو کیسی جورو چاہئے ؟

خیر سلا : دیکھو ! نیک ہو، شریف ہو، حسین ہو، جوان ہو۔ ہوشیار ہو، بلکہ عصمت دار ہو اور بڑی بات یہ کہ وفادار ہو۔

سیفو : ایسی تو آپ کو فلاں محلے میں ایک سو برس کی کنواری لڑکی ملے گی۔

خیر سلا : ابے مجھے جورو کی ضرورت ہے یا اماں کی ؟

سیفو : یہ بھی نہیں اور وہ بھی نہیں ، تو پھر آپ کو جورو مل چکی ۔
خیر سلا : ارے ملے گی کیوں نہیں ۔ یہ تو ہماری مہربانی ہے جو ہم جورو تلاش کر رہے ہیں ، ورنہ اس مہنگے زمانے میں شوہر ملتے ہی کہاں ہیں ۔

(ایجنٹ کا آنا)

ایجنٹ : جناب تسلیم عرض !
خیر سلا : آداب عرض !
ایجنٹ : جناب آپ کا نام ؟
خیر سلا : مرزا خیر سلا بیگ ۔
سیفو : اماں کاہے کو جھوٹ بولتے ہو ۔
خیر سلا : ارے چپ رہ ! دوسرے کے سامنے عزت کیوں اُتارتا ہے ۔ مگر آپ کون صاحب ہیں ؟
ایجنٹ : ہم انڈین میرج کمپنی لمیٹڈ کے ایجنٹ ہیں اور فلاں مقام پر ہمارا ہیڈ آفس ہے ۔
خیر سلا : میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کہتے ہیں ؟
ایجنٹ : ہمارا یہ کام ہے کہ دنیا کی آبادی بڑھادیں ۔ جورو کو شوہر اور شوہر کو جورو دلوا دیں ۔
خیر سلا : تو پھر آپ دلّال ہیں ۔
ایجنٹ : دلّال کی ایسی تیسی ۔ ہم ایک شریف آدمی ہیں ۔
خیر سلا : شرافت تو آپ کے پیشے سے ٹپکتی ہے ۔
سیفو : جب تو یار ہمارا بھی ایک کام بنادو ۔
ایجنٹ : وہ کیا ؟

سیفو: پرانی جورو اور تھوڑا سا روپیہ لے کر ایک نئی جورو ہم کو دلا دو۔
ایجنٹ: پرانی جورو کو صندوق میں بند رکھو۔ ہم تو بالکل نئے مال کی تجارت کرتے ہیں
خیر سلا: بھئی واہ اس ترقی کے زمانے میں کیا کیا نئے دھندے نکلے ہیں۔
ایجنٹ: آپ نے شادی کے لئے اخبار میں اشتہار دیا ہے؟
خیر سلا: جی ہاں! مجھے ایک جورو کی سخت ضرورت ہے۔
ایجنٹ: فرمایئے آپ کو کیسی جورو چاہئے؟
خیر سلا: حسین ہو، جوان ہو، پڑھی لکھی ہو، چنچل ہو، بلکہ فیشن ایبل ہو۔
ایجنٹ: ہنگامی ہو یا دوامی؟
خیر سلا: دوامی۔
ایجنٹ: اکسٹری مسٹ ہو یا ماڈریٹ[1]؟
خیر سلا: نہیں نہیں اکسٹری مسٹ نہیں چاہئے۔ وہ کم بخت ناراض ہوگی۔
تو ہم کو بم کے گولے سے اڑا دے گی۔
ایجنٹ: عمر کیا ہو؟
خیر سلا: سولہ برس کی۔
ایجنٹ: اگر سولہ برس کی نہ ملے!
سیفو: تو آٹھ آٹھ برس کی دو لے آنا۔
خیر سلا: نکل کمبخت! بیچ میں گڑ بڑ کرتا ہے۔
ایجنٹ: اور کیا خوبیاں ہوں؟
خیر سلا: سنئے! نہ ایسی بدصورت ہو کہ دیکھتے ہی جی متلائے۔ نہ ایسی خوبصورت

---

[1] MODERATE

ہو کہ سارا زمانہ زیارت کو آتے۔ نہ ایسی دبلی ہو کہ ایک ایک پسلی نظر آئے۔ نہ اتنی موٹی ہو کہ ریل کے پھاٹک میں بمشکل سماسکے۔ نہ اتنی چھوٹی ہو کہ بیوی کی جگہ لڑکی نظر آئے اور نہ اتنی لمبی ہو کہ بوسہ لینے کے لئے سیڑھی لگانی جاتے۔ نہ اتنی کنجوس ہو کہ برسوں تک بچہ نہ دے۔ نہ اتنی فیاض ہو کہ بچوں سے گھر بھر دے۔ نہ اتنی تندرست ہو کہ دن میں چھ چھ دفعہ کھائے۔ نہ اتنی بیمار ہو کہ ڈاکٹر کا بل چکاتے چکاتے دیوالہ نکل جاتے۔ نہ اتنی بے عزت ہو کہ پاس بٹھاتے شرم آتے اور نہ اتنی عزت دار ہو کہ میاں کے پاس آتے بھی شرمائے۔ غرضیکہ تھوڑی تھوڑی سی سب خوبیاں اس میں موجود ہوں۔

ایجنٹ: ٹھیک! ٹھیک! میں سمجھ گیا۔ دیکھئے اس شہر میں فی الحال ایسی ایک عورت بھی نہیں۔ ہاں یہاں ایک ڈاکٹر پڑوس میں رہتے ہیں ان کی ایک لڑکی ہے اور وہ آپ کے لائق ہے۔

خیر سلا: اجی کوئی ہو، ہمیں تو جورو سے کام ہے۔

ایجنٹ: تو بس آپ کو ہفتہ بھر میں مل جائے گی۔

خیر سلا: دیکھئے ذرا اچھا مال ہو تو آپ کا کمیشن بھی اچھا رہے گا۔

ایجنٹ: آپ بے فکر رہیں۔

خیر سلا: مگر کہیں دھوکا نہ کھا جانا۔ کیونکہ آج کل ساٹھ ساٹھ برس کی بڑھیاں منہ پر چونا مل لیتی ہیں اور ہاتھ میں پنکھا لے کر فوٹی باتمیسکل کی طرح کہیں تھرکتی پھرتی ہیں۔ دیکھو تم تم سمجھ کر پرانے چھکڑے کو نہ اٹھا لانا۔

ایجنٹ: اجی واہ! ہم کہیں دھوکا کھانے والے ہیں۔

خیر سلا: مگر ذرا جلدی! اور کام بھی سستے میں ہو۔

ایجنٹ : یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب میں آپ کو غیر تھوڑا ہی سمجھتا ہوں۔
بندگی ! (ایجنٹ کا جانا)

غیرِسلا : بھئی واہ اب تو دو چار روز میں ایک فیشن ایبل جورو کے خاوند کہلائیں گے اور خدا نے چاہا تو دو چار مہینوں میں دس بیس بچوں کے باپ بن جائیں گے۔

گاتا : بڑی بانکی دلھنیاں، موہنیاں، سیلی، البیلی، لے موری نار، بن جاؤں کہلاؤں دس بیس بچوں کا باپ۔ بڑی بانکی......
وہ کہیں مجھے فادر پیش کہوں او مائی ڈیر۔ بڑی بانکی.... بنوں بنوں میں مکھن۔ ہاں رے باغ و بنگلے سجا ڈالوں۔ میڈم کو ساتھ ساتھ بغل میں ڈال ہاتھ۔ واکنگ کو لے جاؤں رے۔ دیکھو یار غار کہیں لگ ہیرا بانکی........

(غیر سلاّ کا جانا)

سین ختم

باب پہلا ـــــــ سین تیسرا

محل طاہرہ

(طاہرہ کا اندر سے گاتے ہوئے آنا)

طاہرہ : جل تھل میں تو ہے۔ ہر پل میں تو ہے۔ داتا بدھاتا۔ بھکھانے میں پربھو ناتھ! جگ مات! انوپ روپ دیکھ کر کبریٰ گادیں۔ ہیں جل تھل...

دوہرا

نہ ہو ہو گز مرے مجرم و گناہ و بے حد کا — الٰہی تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر ہمیں محتاج — یہ اُنکے بندے ہیں جن کو کریم کہتے ہیں
کشپ ہر اب تمرے چرن تحنیں آویں۔ ہیں جل تھل میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نثر

سہیل : امی جان کل مجھ سے طغرل مرزا کہتے تھے کہ بغیر تیر و تلوار کے سلطنت کا کام انجام نہیں پا سکتا ۔

طاہرہ : ہاں صحیح ہے ۔ مگر تیر و تلوار سے رعیت کا سر بادشاہ کے سامنے جھک سکتا ہے دل نہیں جھکتا ۔ دل اس وقت اطاعت کرتا ہے جب بادشاہ نرمی اور انصاف سے پیار کرتا ہے ۔

سہیل : امی جان میں بڑے رحم اور انصاف سے بادشاہت کروں گا ۔

طاہرہ : تو بیٹا تمہاری بادشاہت کو کبھی زوال نہ ہوگا ۔

(خادم کا آنا)

خادم : حضور عالی ! نواب قتلو خاں کے فرزند آپ کی زیارت کے لئے آئے ہیں ۔ کیا حکم ہے ؟

طاہرہ : ان کو عزت کے ساتھ لاؤ ۔ جاؤ بیٹا کل کا سبق یاد کرو ۔

باغِ عالم میں تم خوش حال رہو — میرے بچے سدا نہال رہو

(طغرل کا آنا)

طغرل : خادم کورنش ادا کرتا ہے ۔

طاہرہ : خوش آمدی ! طغرل خوش آمدی !

طغرل : میں اپنی خوش نصیبی پر مغرور ہوں ۔

طاہرہ: کوئی شاہی پیغام لائے ہو؟ کیا جنگ فتح ہوگئی اس کا مژدہ دینے آئے ہو؟

طغرل: بیشک ہم نے دشمنوں پر شاندار فتح پائی اور ساتھ ہی ایک بہت بڑی شکست کھائی۔

طاہرہ: وہ کیا ہے؟

طغرل: آہ کیا کہوں۔ خونِ اُمید ہوگیا۔ رعیت کا باپ ہمارا بادشاہ شہید ہوگیا۔

طاہرہ: او خدا! او خدا! یہ میں کیا سنتی ہوں؟ طغرل یہ تم کیا کہتے ہو؟

طغرل: وہ جو آپ سے نہیں کہنا چاہتا تھا۔

طاہرہ: تو واقعی سہیل یتیم ہوگیا! کیا اس کا نصیبہ سو گیا؟

طغرل: بانو! قسمت اور موت سے کون لڑ سکتا ہے؟

طاہرہ: او قسمت! او بے رحم موت! معصوم سہیل نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ جو تم دونوں نے مل کر اس کو تباہ کیا؟

طغرل: لیکن آپ تسلی رکھیں۔ جب تک ملکۂ عالم سلامت ہیں اُن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ وہ خود شہزادے کی حفاظت اور آئندہ آرام کے لئے کافی انتظام کریں گی۔

طاہرہ: کون انتظام کرے گی؟ اس کی سنگدل پھوپھی جو مدت سے تخت و تاج کے لئے بھائی کی موت کا انتظار کر رہی تھی، جو کل تک معصوم سہیل پر نفرت کا اظہار کر رہی تھی۔

طغرل: اگر ملکہ کی نیت حریص و بے انصاف ہوتی تو جس وقت اُن کی شاہی کا اعلان کیا گیا تھا رعایا ضرور بر خلاف ہوتی۔

طاہرہ: ہاں تو وہ تاج بھی پہن چکی؟ تخت پر بھی بیٹھ گئی؟

طغرل : جی ہاں ! ملک کی مرضی سے، نہ کہ اپنی خودغرضی سے۔
طاہرہ : افسوس! خدا اور انصاف کے ہوتے ہوتے ایک معصوم کے حق پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے۔
طغرل : نہیں ایسا نہیں ہوا۔
طاہرہ : ضرور ایسا ہی ہوا۔
طغرل : فرض کرلو کہ ایسا ہی ہوا تو حکومت اور اطاعت کے سامنے کون سر اٹھا سکتا ہے؟
طاہرہ : تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اب دنیا شریفوں اور بہادروں سے خالی ہے؟
طغرل : میرے خیال میں تو آج ایسا ایک آدمی بھی نہیں ہے۔
طاہرہ : نہیں ضرور ہے۔
طغرل : کون؟
طاہرہ : ملک کا رفیق، میرا شوہر توفیق۔
طغرل : آپ یہ یقین سے کہتی ہیں؟
طاہرہ : یقین اور ساتھ ہی غرور سے کہتی ہوں۔
طغرل : لیکن انسان کا غرور کبھی قائم نہیں رہتا۔
طاہرہ : اُس کی تیغ شجاعت ضرور باغیوں کو نیچا دکھائے گی اور حقدار کو اُس کا حق دلائے گی۔
طغرل : آپ اس انگوٹھی کو پہچانتی ہیں؟
طاہرہ : یہ انگوٹھی تو میرے شوہر کی ہے۔ مگر اس سے تمہارا مطلب؟
طغرل : مطلب یہ ہے کہ آپ کے شوہر بھی ملکہ کے طرفدار بن گئے ہیں۔ انہیں کے حکم سے شمسہ کی تاج پوشی کا حال سنانے اور سہیل کو اپنے ہمراہ

لے جانے کے لئے آیا ہوں، اور اپنی سچائی کے ثبوت میں یہ گواہ ساتھ لایا ہوں۔

طاہرہ: او خدا! اگر توفیق جیسے فرشتے پر دولت اور لالچ کا جادو چل گیا تو معلوم ہوا کہ ایمان اس فریبی دنیا پر لعنت کر کے نکل گیا۔

طغرل: کہتے! اب تو آپ کو یقین ہوا کہ آپ کے شوہر......

طاہرہ: چپ رہو! تم میرے شوہر کی توہین کرتے ہو۔ میں ایسے الفاظ اُن کی شان میں سننا نہیں چاہتی۔

طغرل: تو کیا آپ سہیل کو دینا نہیں چاہتیں؟

طاہرہ: ارے تم اور تمہارا بزدل توفیق، تمہاری ملکہ اور ملک کے شیطان مل کر بھی زور لگائیں تو سہیل کیا اُس کا ایک ناخن بھی یہاں سے نہ لے جاسکیں گے۔

طغرل: دیکھو اژدہے کو نہ جگاؤ۔ شیر کو نہ چھیڑو۔ پہاڑ سے نہ ٹکراؤ۔ اگر سہیل اور شمسہ کے بیچ میں آؤ گی تو پرانی دیوار کی طرح گرا دی جاؤ گی ؎

تیر سے، تلوار سے، سختی سے، ظلم و جور سے
یوں نہیں تو اس کو لے جاؤں گا میں اس طور سے

طاہرہ: اگر بے عزت ہو کر جانا نہیں چاہتے ہو تو جلدی یہاں سے چلے جاؤ۔

طغرل: ہاں؟

طاہرہ: ؎ جب تک یہ مہر آتش غیرت سے گرم ہے
چہرہ پہ آنکھ، آنکھ میں دنیا کی شرم ہے
کاندھے پہ سر ہے، سر میں وفا کا جنون ہے
تن میں رگیں، رگوں میں شرافت کا خون ہے
سینے میں دل ہے، دل میں خدا کا خیال ہے
ایذا دے میرے لال کو کس کی مجال ہے

طغرل: بہت اچھا، ابھی آپ کو معلوم ہو جاتے گا ؂
یہ سرکشی دکھاتے گی اب روزِ بد تمہیں
دیکھوں گا کون دیتا ہے آکر مدد تمہیں
(توفیق کا آنا)

توفیق: ہیں دغاباز کے بچے!
طغرل: کون توفیق اور آزاد!
توفیق: نیند کی حالت میں میری انگوٹھی اُتار کر ایک نیک خیال عورت کو دھوکا دینا چاہتا ہے ؂
بھونک دوں شمشیر قبضے سے دلِ ناپاک میں
توڑ دوں سر ٹھوکروں سے منہ ملا دوں خاک میں
طغرل: توفیق! زبان روک ورنہ پچھتاتے گا۔ ایک بار شیر کے پنجے سے نکل گیا تو کیا دوبارہ قابو میں نہ آتے گا؟
توفیق: جا چلا جا! یہاں سے جان سلامت لے کر چلا جا! ورنہ اس کا جواب زبان کے بدلے ٹھوکروں سے دیا جاتے گا۔
طغرل: اس قلعہ کو پامال کر کے اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں، اور جس قید سے بھاگ نکلا ہے پھر زنجیروں میں جکڑ کر اسی قید میں نہ پھنسا دوں تو مجھے قتلو خاں کا بیٹا طغرل نہ کہنا۔
(طغرل کا جانا)

توفیق: چپ! بادل کے گرجنے سے شیر نہیں ڈرتے۔ تیری گیدڑ بھبکیوں سے ہم جیسے دلیر نہیں ہوتے۔
طاہرہ: پیارے شوہر مجھے معاف کرنا۔ آج میرے منہ سے تمہارے شریف

نام کی توہین ہوتی۔

توفیق : پیاری بیوی یہ کیا ؟ اگر اس دغاباز کی باتیں سُن کر اس سے بھی زیادہ کہتی تو میں نہایت خوش ہوتا۔

طاہرہ : مگر آپ نے شمسہ کی قید سے رہائی کیونکر پائی ؟

توفیق : میرے دوست جنرل قہرمان نے دلائی۔

طاہرہ : لیکن اب وہ دن بہت قریب ہے کہ شمسہ کی فوج ہمارے قلعے کے چاروں طرف وباتی کیڑوں کی طرح پھیلی ہو گی۔ اب ہمیں قلعہ اور سہیل کی بغور حفاظت کرنی چاہیئے۔

توفیق : نہ گھبراؤ۔ جنرل قہرمان نے ہمیں کافی مدد دینے کا وعدہ کیا ہے ہم نے بھی نشانِ بغاوت بلند کیا ہے۔ بس میں پہنچا کہ جنگ چھڑی۔ اب میں آپ سے رخصت چاہتا ہوں۔

طاہرہ : ؎ شوقِ جانبازی ہو اک اک رگ میں، اک اک بال میں
دیکھنا لغزش نہ آنے پائے استقلال میں

توفیق : ؎ فرق آنے دوں گا میں ہرگز نہ اپنی آن میں
مار کر آؤں گا یا مر جاؤں گا میدان میں

گانا

کارزار میں ہزار ماروں دشمن بجلی بن کے، تیغ چمکے شرر بار، رعد گرجے جو دم کارزار، جنگ و جدال، دمِ قتال اس کمال سے کروں دشمن کو قابو میں ڈال، دم بھر میں کروں نڈھال۔ کہیں یہ سر نہ ہو کہیں یہ تن نہ ہو کارزار میں ......

(گاتے گاتے چلے جانا) سین ختم

باب پہلا ——— سین چوتھا

خیر سلاّ کا محل

(میڈم اور سیفو کا مل کر گانا)

گانا

میڈم: نئے فیشن سے پوزیشن سے۔

سیفو: او یس!

میڈم: آئی ایم۔ اے بیوٹی فل میڈم[1] جس پارٹی میں جاتی ہوں سب کہتے ہیں ویلکم۔ اڑاتی پھرتی ہوں ٹم ٹم۔

سیفو: آہاہاہاہا!

میڈم: منہ پر لگایا پوڈر بالوں میں سینٹ ڈالا۔ سائیکل جو گھر سے لی تو راستہ سنبھالا۔ تھیٹر میں رات کاٹی، ہوٹل میں دن گزارا۔ پوچھا اگر میاں نے دن کس جگہ گزارا۔ وہ ڈانٹ دی ہو آر یو[2] کالے چمڑے والا۔ فیشن سے پوزیشن سے ....

(گاتے گاتے دونوں کا اندر جانا)

گانا

خیر سلا: قسمت کا ہوں میں اعلیٰ، میری جورو بھی ہے بیوٹی فل۔ اب بنا ہوں جنٹلمین اعلیٰ، ویری ویل مسٹر خیر سلا۔

---

[1] BE TIFUL MADAM

[2] WHO ARE YOU

ہپ ہپ ہرے ہپ ہپ ہرے ہپ ہپ ہرے ہپ ہپ ہرے ہپ ہپ ہرے
جھٹ پٹ لاؤ کرسی ٹیبل تاخوش ہووے جورو فیشن ایبل. کہلاؤں تو پھر
آنریبل. ویری ویل مسٹر خیر سلا. ہرے.
خوشتر ہو کر، ڈوٹ کر، بن کر، اب چلوں بن ٹھن کر. میں فیشن سے ...
دیکھو یارو میری آن بان. آہا ہا ہا ہا ہو. ہو. ہو

نثر

واہ بھئی اب تو سنگل سے ڈبل ہو گئے. لوگ کہتے ہیں کہ ڈربی کی لاٹری
اور جورو قسمت سے ملتی ہے مگر ہم کو گھر بیٹھے فیشن ایبل جورو مل گئی. مگر
اتنی بات ضرور ہے وہ پرانی جورو آٹھ روپے میں گھر کا خرچ چلاتی تھی اور
یہ آٹھ سو اُڑاتی ہے، پھر بھی خرچ کم بتاتی ہے. اجی اس کی کیا پرواہ ہے
ہمارے اور ان کے روپے کچھ دو ہیں. آج ہم کماتے ہیں وہ اڑاتی ہے.
کل وہ کماتے گی ہم اڑائیں گے. ارے سیفو او سیفو!

(سیفو کا آنا)

سیفو: آل رائٹ صاحب!
خیر سلا: یہ لو مالک نے ٹھاٹ بدلا تو نوکر نے بھی پرانی کینچلی اُتار دی.
سیفو: فرمایئے کیا حکم ہے؟
خیر سلا: میم صاحبہ کہاں ہیں؟
سیفو: اپنے ڈریس روم میں.
خیر سلا: کیا بال بناتی ہیں؟
سیفو: نہیں کل ایک بندر مارکیٹ سے خرید لائی ہیں اُسے چھری کانٹے سے
کھانا کھانا سکھاتی ہیں.

خیرسلا: بیوقوف بندر کو چھری کانٹے سے کھانا کیسے آتے گا؟
سیفو: کیوں نہیں آتے گا؟ آخر آپ کیسے سیکھ گئے؟
خیرسلا: چپ بے ادب: کیا بکتا ہے؟ جا میم صاحبہ کو بلا لا۔
سیفو: اچھا تو اپنے نام کا کارڈ دو۔
خیرسلا: کیوں؟
سیفو: میم صاحب کا حکم ہے۔
خیرسلا: ابے میم صاحب کا بچہ! جانتا ہے کہ نہیں؟
(سیفو کو مارنا)
سیفو: او میم صاحبہ دوڑو! مار ڈالا مار ڈالا۔
میم: (آکر) واٹ از دی میٹر؟ تم غریب آدمی پر کیوں ہاتھ اُٹھاتے ہو؟
خیرسلا: چھوڑو میں اس کی جان لوں گا۔
میم: آخر اس سے کیا قصور ہوا؟
سیفو: صرف اتنی بات پر بگڑ گئے۔ میں نے کہا کہ میم صاحبہ سے ملنے کے لئے اپنا کارڈ دو۔
میم: یہ سچ کہتا ہے۔
خیرسلا: تو کیا اپنی بیوی سے ملنا ہو تو کارڈ دکھاؤ، نہیں تو بیرنگ واپس چلے جاؤ۔
میم: یہ تو ایک قاعدے کی بات ہے۔
خیرسلا: میرے گھر میں ایسا قاعدہ نہیں چلے گا۔

WHAT IS THE MATTER? ؎

میم : کیوں نہیں چلے گا ؟
خیر سلا : تم مجھے دھمکاتی ہو۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔
میم : مگر گھر میں آنے کے بعد جورو بن کر رہنا ہوگا۔
خیر سلا : نہیں تو کیا ہوگا ؟
میم : میں کبھی ایسے گھر میں نہ رہوں گی۔ یہاں قاعدہ اور فیشن کی عزت نہیں۔
خیر سلا : بھئی واہ شوہر چھوٹے تو چھوٹے مگر قاعدہ اور فیشن نہ چھوٹے۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔ اچھا جانے دو۔
میم : نہیں تم نے میرا انسلٹ کیا ہے، اس لئے مجھ سے معافی مانگو۔
خیر سلا : ہیں ہیں ! میں مرد ہو کر عورت سے معافی مانگوں !
سیفو : اجی، مانگ لیجئے۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔
خیر سلا : اچھا بھئی معاف کر دو۔
میم : اس برتاؤ سے معلوم ہوا کہ آپ پکے جنٹلمین ہیں۔ بوائے جاؤ۔ ہمارے واسطے ایک کپ چائے لاؤ۔
سیفو : بہت اچھا !
خیر سلا : اور میرے واسطے ؟
سیفو : ٹھہریئے صاحب ! پہلے میں اپنے مالک کا کام کروں گا پھر تمہارا۔
خیر سلا : میں تمہارا مالک نہیں ہوں ؟
سیفو : نہیں ! میں تو میم صاحبہ کا نوکر ہوں۔
خیر سلا : سنتی ہو ؟
میم : سچ کہتا ہے۔ کیونکہ تنخواہ میرے ہاتھ سے پاتا ہے۔
خیر سلا : مگر روپے تو میرے ہوتے ہیں۔

میم : اور حکم تو میرا چلتا ہے۔
خیرسلا : تم چاہو گی تو ہم کو بھی کسی روز نکال دو گی۔
میم : یہ کیا واہیات بات کرتے ہو؟ بوائے! جاؤ! آیا کو بولو صاحب کے واسطے چائے لاؤ۔
سیفو : بہت اچھا میم صاحب!
میم : ڈیر! تم ذرا سی بات پر کیوں خفا ہو جاتے ہو؟ دیکھو میں تمہاری کیسی اطاعت کرتی ہوں۔ ذرا یہ چشمے کا بل تو چکا دو۔
خیرسلا : اے بیوی! تمہیں چشمہ لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ تم کو تو اندھیرے میں بلی کی طرح نظر آتا ہے۔ کیا آنکھیں خراب کرو گی؟
میم : آنکھیں خراب ہو جائیں تو بلا سے۔ چشمہ لگانے سے ذرا ترڑک بھڑک تو معلوم ہوتی ہے۔
خیرسلا : اچھا ترڑک بھڑک معلوم ہوتی ہے۔ چشمہ لگاؤ کیونکہ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔
سیفو : (آکر) ارے غضب ہوا۔ غضب ہوا۔
میم : کیا ہوا؟
سیفو : آپ کے بندر نے لیمپ گرا دیا۔ سرکار کا نیا کوٹ پتلون سارا جل گیا۔
میم : تو شور کیوں مچاتا ہے؟ کہیں سرکار تو نہیں جل گئے۔
سیفو : اجی سرکار کے کپڑے جلنے کا تو مجھے بھی افسوس نہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ آپ کے ریشمی موزے بھی جل گئے۔
میم : ہیں ہیں! موزے بھی جل گئے۔ ارے کم بخت! کیوں نہ بچاتے؟ اے تیرا ستیاناس ہو جائے۔

خیرسلا : لو! سرکار کا کوٹ نیلون جل گیا تو ٹس سے مس نہ ہوئی اور پچھ آنے کے عوض جل گئے تو چھچھوندر کی طرح بھڑکنے لگی۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔

(کپتان کا آنا)

میم : کیوں صاحب! آپ نے کیوں تکلیف اٹھائی؟

کپتان : نواب تلو خاں کا حکم ہے کہ تم لفٹنٹ شہریار کو ساتھ لے کر گھوڑے خریدنے جاؤ۔

خیرسلا : بہت اچھا مگر آج کل ذرا ....

کپتان : ہاں ہاں، جانتا ہوں کہ تم نے ایک خوبصورت عورت سے شادی کی ہے اس لئے گھر سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔ مگر تم اس کی مطلق پرواہ نہ کرو۔ تمہارے جانے کے بعد میں تمہارے گھر کی خود حفاظت کروں گا۔

خیرسلا : سرکار! میری عورت نہایت بدصورت ہے۔

کپتان : تو چھوٹا ہے، پاجی ہے، خبیث ہے۔

(میم کا آنا)

میم : بڑے بے ادب نوکر ہیں۔ گولی مار دینے کے لائق ہیں۔

کپتان : خیرسلا! یہ کون ہے؟

خیرسلا : (ارے کہاں سے آئی) حضور! یہ میری بیٹی ہے۔

کپتان : کیا کہا؟ کون ہے؟

خیرسلا : میری بیوی ہے۔ ارے تم یہاں کیوں آئیں؟

میم : یہ کون صاحب ہیں؟

خیرسلا : تمہیں اس سے کیا؟ کوئی ہیں۔

میم : میں یہ چاہتی ہوں کہ ہمارا ان سے انٹروڈیوس[1] کراؤ۔

---

[1] INTRODUCE

خیرسلا: تو مجھے کوئی لوڈ خاں سمجھا ہے۔
میم: ادتم ایٹی کیٹ[1] سے محض ناواقف ہو۔
خیرسلا: اپنی جورو کو دوسرے سے ملانا اس کا نام ایٹی کیٹ ہے۔
میم: اچھا تو میں خود ان سے ملتی ہوں۔ جناب میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟
خیرسلا: نام کیا، آپ تو گلے بھی مل سکتی ہیں۔
کپتان: ہاں، منظور ہے جو جناب کہتے ہیں۔
میم: میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوئی۔
کپتان: میں آپ کو دیکھ کر نہایت مسرور ہوا۔
خیرسلا: اور میں تم دونوں سے نہایت بے زار ہوا۔ بیگم.......
کپتان: بیگم؟
خیرسلا: ارے جاؤ! حضور کے واسطے کچھ شربت وغیرہ لاؤ۔
کپتان: نہیں، شربت سے مجھے ان کی باتیں زیادہ میٹھی معلوم دیتی ہیں۔
خیرسلا: باتیں میٹھی معلوم دیتی ہیں تو آپ خوب باتیں کریں۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔
کپتان: بیگم! ایسی حسین اور خوش ادا عورت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔
خیرسلا: جناب صرف گھوڑے ہی گھوڑے خریدنے ہیں یا گدھے بھی؟
کپتان: صرف گھوڑے ہی گھوڑے۔
میم: کیا میں امید کر سکتی ہوں، آپ کو پھر کبھی.......
خیرسلا: جناب میں یہ کہتا تھا.......

---

[1] ETIQUETTE

کپتان : چپ رہو ! بازو میں کھڑے رہو۔
خیر سلا : میری ہی بیوی اور میں بازو میں کھڑا ہو جاؤں۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔
کپتان : میں آپ کی زیارت کو ضرور . . . . .
خیر سلا : حضور میں . . . .
میم : دو آدمیوں کے بیچ میں بار بار بولنا کہاں کا قاعدہ ہے ؟
خیر سلا : ان کو جانے دو۔ پھر میں تجھے قاعدہ بتاتا ہوں ۔
کپتان : اب چونکہ وقت ہو گیا ہے اس لئے اب میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا ہوں۔
خیر سلا : جناب یہ صلاح آپ کو میں بھی دے سکتا ہوں ۔
کپتان : سنو، خیر سلا ! دو گھنٹے کے بعد میل کانٹے سے لیس ہو کر چھاؤنی میں دو نوں ضرور حاضر رہنا۔
خیر سلا : بہت اچھا !
کپتان : بیگم، خدا حافظ !
میم : مہربانی !

(کپتان کا جانا)

خیر سلا : دیکھو جی میں یہ کہتا ہوں . . . . . .
میم : چپ رہو ! ایک دم چپ رہو ! اگر تمہیں ہماری یہ حرکتیں پسند نہیں تو تمہارا وہ راستہ اور ہمارا یہ راستہ۔
خیر سلا : خوب ٹکا سا جواب دیا۔
میم : تم کیا جانو۔ آج دو روز سے میں کس فکر میں ہوں۔
خیر سلا : کس فکر میں ہو ؟

میم : کیا تمہاری آنکھیں پھوٹ گئی ہیں ؟ دیکھتے نہیں کہ میرے پیارے کتے کو زکام ہو گیا ہے۔

خیر سلا : اجی اس کتے کو گولی مارو۔

میم : خبردار ! جو میرے کتے کا نام لیا۔ میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔

خیر سلا : وہ بھئی کتے کے۔ لئے میاں کا منہ نوچا جاتا ہے یہ بھی آج کل کا فیشن ہے

(ڈاکٹر کا آنا)

ڈاکٹر : گڈ مارننگ میڈم !

خیر سلا : ارے او گڈ مارننگ کے بچے پہلے میاں کو سلام کرنا تھا یا بیوی کو۔

ڈاکٹر : کیا تم ان کے شوہر ہو ؟

خیر سلا : نہیں تو کیا ان کا باپ ہوں۔

ڈاکٹر : معاف کیجئے ! میں آپ کو نوکر سمجھا تھا۔

خیر سلا : ایسے نوکر تو تیرے باپ کے گھر ہوں گے۔

میم : ڈاکٹر صاحب، یہ ذرا ان پڑھ آدمی ہیں۔ ان کے کہنے کا آپ کچھ خیال نہ کریں۔

خیر سلا : ارے تیرے لکھے پڑھے کی ایسی تیسی۔ مجھے پتا بتاتی ہے۔

میم : ڈیر ! کیوں خفا ہوتے ہو ؟

خیر سلا : کیا سمجھتی نہیں . . . .

میم : تمہاری صورت پر سب کو گمان ہوتا ہے . . . . . .

خیر سلا : کہ میں تمہارا بیٹا ہوں۔

میم : آپ کچھ خیال نہ کریں۔ بعض وقت ان سے ایسی بیہودگی وقوع میں آ جاتی ہے۔

خیر سلا: واہ کیا میاں کی تعریف ہو رہی ہے۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔
میم: ڈاکٹر صاحب آپ میری طرف دیکھیں۔
خیر سلا: اری، یہ جب سے آیا ہے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تیری ہی طرف دیکھ رہا ہے مگر اس قبرستان کے ٹھیکیدار کو کیوں بلایا ہے؟
میم: تم سے نہیں کہا تھا کہ رات سے میرا کتا بیمار ہے۔
خیر سلا: ارے کتے کے لئے ڈاکٹر بلایا جاتا ہے۔ کیا گھر میں ڈاکٹر نہیں تھا؟
میم: کیا تم ڈاکٹر بھی ہو؟
خیر سلا: میں تو خاندانی ڈاکٹر ہوں۔ مریض کی نبض دیکھ کر اس کے باپ دادا تک کا مرض بتا دیتا ہوں۔
ڈاکٹر: اچھا، میاں خاندانی ڈاکٹر یہ تو بتاؤ کہ اگلے زمانے میں سب سے بڑا حکیم کون گذرا ہے؟
خیر سلا: اگلے زمانے میں سب سے بڑا حکیم عبدالرحمٰن۔
ڈاکٹر: عبدالرحمٰن یا حکیم لقمان؟
خیر سلا: دیسی لوگ حکیم لقمان کہتے ہیں اور انگریزی پڑھے لکھے اُسے ڈاکٹر عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔
ڈاکٹر: میں سمجھ گیا۔ یہ ڈاکٹر واکٹر کچھ نہیں۔ مگر ایک بات اور پوچھتا ہوں۔
خیر سلا: کیا؟
ڈاکٹر: بھلا کہو انسان کا دل کہاں رہتا ہے؟
خیر سلا: ارے واہ تم اتنا بھی نہیں جانتے۔ ڈاکٹر ہو یا دو پاؤں کے گدھے؟
میم: ہیں! یہ گالی گفتہ کیسا؟
خیر سلا: واللہ! بیوقوف ہو تو ایسا۔ سنو میاں بلّی کا دل چھیچھڑوں، میں مفلسی

کا دل پیسے میں، جنٹلمینوں کا دل انگریزی ٹھاٹ میں، سودیشیوں کا دل
بائیکاٹ میں۔
ڈاکٹر: میں یہ نہیں پوچھتا ہوں۔ آدمی کا دل سینے میں کہاں رہتا ہے؟
خیرسلا: لیور کے پاس اور کلیجے کے پیچھے۔
ڈاکٹر: کہاں؟
خیرسلا: ٹھیک داہنی پسلی کے نیچے۔
ڈاکٹر: غلط۔ آدمی کا دل سینے کے بائیں طرف ہوتا ہے۔
خیرسلا: وہ اگلے زمانے میں رہتا تھا۔ ایک طرف بہت دن رہتے رہتے گھبرا
گیا اس لئے بائیں طرف سے داہنی طرف کو آگیا۔
ڈاکٹر: اچھا میم صاحبہ، اب مجھے آپ وہ کتا دکھائیے۔
میم: چلئے ڈاکٹر صاحب! میں اپنا پیارا کتا آپ کو دکھاتی ہوں۔
خیرسلا: میں بیمار ہوں تو ڈاکٹر نہیں بلایا جاتا۔ اور کتے کے لئے گھر میں ڈاکٹر
کو بلایا جاتا ہے۔
میم: ڈیئر ناراض نہ ہو۔ مجھے تم سے اپنا کتا پیارا ہے۔
خیرسلا: یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔ خدا جانے اس کتے والی عورت سے کس
طرح نباہ ہوگا؟

گانا

یہ عورت ہے، یہ آفت ہے، بدخصلت ہے، بے عزت ہے۔ اس کی صورت
غارت ہے، مجھ کو نفرت نفرت ہے۔
ملے جورو جس کو ایسی، وہ بہار دیکھے کیسی۔ لعنت بھیجو یار و جورو کی ایسی تیسی

لے موٹر سیکل چنچل تن کر فیشن ایبل بن کر سڑکوں پہ۔ کر کر چہل بل کرتی ہے
کیا کیا دھاندل۔ سلے جورو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
کبھی جھٹ پٹ گاڑی اور تھیٹر پر جادو ڑی۔ نہیں ہوتی دل میں تھوڑی
بالکل اڑیل گھوڑی۔ لعنت بھیجو یارو۔ جورو کی ایسی تیسی۔
(گاتے گاتے اندر جانا)

سین ختم

باب پہلا ــــــــ سین پانچواں

قلعہ ٹاور

(لوگوں کی آواز کا آنا)

طاہرہ: او خدا! او خدا! او خدا! یہ خوفناک آوازیں کیسی آرہی ہیں؟ شاید جنگ چھڑ گئی۔ افسوس! ملک کی عورتو! ماتم کرو کہ آج تمہاری سینکڑوں بہنیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے۔ بچو! گریہ زاری کرو۔ لوگو! سیاہ لباس پہنو کہ آج تمہارے ہزاروں بھائی تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے ؎

زباں پہ فریاد لب پہ نالے جگر میں حسرت کے داغ ہوں گے
جو گھر تھے کل تک کہ جگمگاتے وہ آج سب بے چراغ ہوں گے

(توفیق کا آنا)

توفیق: پیاری بیوی!

طاہرہ: کون؟ توفیق! وائے بے عزتی! دور کھڑے رہو!

توفیق: طاہرہ! تم مجھے غصے سے دیکھ رہی ہو۔

طاہرہ: ہاں میں تمہیں غصے اور نفرت سے دیکھ رہی ہوں۔

توفیق: لیکن سبب؟

طاہرہ: تم بزدل ہو۔ مرد بن کر دنیا کو دھوکا دے رہے ہو۔ کیا جنگ فتح ہو گئی؟ اس کا مژدہ دینے آئے ہو؟

توفیق: افسوس! سوائے ہار کے اور شکست کے اب ہمارے نصیبوں میں اور کیا رکھا ہے؟ تمام فوج بے زبان بھیڑوں کی طرح وفاداری کی قربان گاہ میں ذبح ہو گئی۔

طاہرہ: تم کیسے زندہ رہے؟ جس کو سب سے پہلے مرجانا تھا۔ کیا میدانِ جنگ سے شکست کھا کر میری گود میں چھپنے کے لئے آئے ہو؟

توفیق: نہیں مرنے سے پہلے تیری آخری وفاداری آزمانے آیا ہوں۔

طاہرہ: کیا مالک اپنی لونڈی کو آزماتا ہے؟ شوہر اپنی بیوی کا امتحان لینا چاہتا ہے؟ تو یہ سر حاضر ہے۔ گردن اڑا دو۔ فرماں برداری آزما چکے اب وفاداری بھی آزما لو۔

توفیق: ہاں تجھے قتل کروں گا مگر ہاتھ سے نہیں صرف ایک بات سے۔

طاہرہ: میرے مالک! میرے سرتاج! میں آپ کا کہنا ابھی تک نہیں سمجھی۔

توفیق: اچھا سمجھو اور سنو۔ جس لڑکے کو ۸ برس تک پالا اور کلیجے سے لگایا آج اس کی قربانی کا روز آیا۔

طاہرہ: یعنی؟ یعنی؟

توفیق: سہیل کو وفادار ہشام کے ساتھ کہیں بھگا دو۔ کہیں چھپا دو، اور

اس کے عوض میں ظالم طغرل کی شمشیر پر اپنے لختِ جگر کو بھینٹ چڑھا دو۔

طاہرہ: تم باپ ہو کر یہ کیا فرما رہے ہو؟ میں ماں ہو کر یہ کام کس طرح کر سکتی ہوں؟ افسوس میرا بچہ! میرا رشید!

توفیق: اگر بچے کی محبت مالک سے بے وفائی سکھاتی ہے، دنیا کی خوشی کے لئے عاقبت کا گنہگار بناتی ہے تو اس کو جانے دو۔ ہرگز نزدیک نہ آنے دو۔

طاہرہ: یہ سب سچ ہے مگر میرے مالک بچالو سہیل کے ساتھ میرے بچے کو بھی بچالو۔ چاہے اس کے عوض میری جان نکال لو۔

توفیق: نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک ظالم طغرل کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ دشمن مر گیا تب تک سہیل نہیں بچ سکتا۔ بس جلدی کرو اور مانو۔

طاہرہ: میں مانتی ہوں، مگر ممتا نہیں مانتی۔

توفیق: ایسی ممتا کو پھونک دو! آگ لگا دو! ؎

میرے ہر رونگٹے پہ جس کے لاکھ لاکھ احسان ہیں
ایسے سو بیٹے بھی اس کے لال پر قربان ہیں

طاہرہ: خیر تمہاری اور خدا کی یہی مرضی ہے تو میں جی کڑا کر کے اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے کو تیار ہوں۔

توفیق: آفرین! اے وفادار عورت آفرین! اے دنیا کی عورتو شوہر کو حکم کس طرح ماننا چاہئے، سیکھو وہ اس عورت سے سیکھو۔ اٹھ اے شریف بی بی اٹھ۔ اب میں اس میدانِ جنگ میں خوشی اور راحت سے مروں گا اور قیامت کے دن غرور اور عزت کے ساتھ اٹھوں گا۔

طاہرہ: لونڈی تابعدار ہے، دم قدم کے ساتھ ہے۔

توفیق: میری عزت سلام! یہ آخری ملاقات ہے (توفیق کا جانا)

طاہرہ: ہائے میرے سینے میں دہاڑیں مار مار کر کون رو رہا ہے۔ اے وفاداری دور ہو۔ نکل جا اے بیرحمی الگ ہو جا۔ بیٹے کی محبت مجھے خدا اور شوہر سے بے ایمان بنانا چاہتی ہے، وفاداری کی راہ سے پھرانا چاہتی ہے —
نہیں نہیں میں بیٹے کے خون سے وفاداری کی کتاب میں دستخط کروں گی
اے عورت کے دل ہمت پکڑ، اے بیرحمی تو اس کے دروازے پر پہرہ دے تاکہ ڈر اور خوف گھسنے نہ پائے۔ اے رات تو اس قدر گہری ہو جا کہ میرے ہاتھ کا کام میری آنکھیں دیکھنے نہ پائیں۔

(ہشام کا گھبراتے ہوئے آنا)

ہشام: حضور بچوں کی حفاظت کیجئے۔ قلعہ کا مغربی دروازہ بھی فتح ہو گیا۔
طاہرہ: ہشام! ہشام! اب وفاداری دکھاؤ۔ سہیل کو لے کر اس چور دروازے سے نکل جاؤ۔ میں اس کے عوض میں اپنے لخت جگر کو بھینٹ چڑھا دوں گی
ہشام: مگر یہ داؤں کیونکر چلے گا۔ دشمن اسے پہچان نہ لے گا۔
طاہرہ: نہیں سہیل اور رشید کی عمر میں تھوڑا سا فرق ہے اس لئے کوئی ان دونوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ بس اب دیر نہ لگاؤ۔ جلدی سے سہیل کو لے کر کہیں چلے جاؤ۔
سہیل: امی جان! مجھے کہاں بھیجتی ہو؟
طاہرہ: وہاں جہاں دشمن سے امان ہو۔
سہیل: نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ کیا تمہارے دل سے میری محبت جاتی رہی؟
طاہرہ: ہائے میں اسے کس طرح بتاؤں؟ کیا دل چیر کر دکھاؤں؟ سہیل بھاگ! بھاگ! اس قصاب خانے سے نکل جا۔ موت خونی کتے کی طرح تیری بو سونگھتی ہوئی آ رہی ہے۔

سہیل : نہیں میں ہرگز نہیں جاؤں گا ۔

(ہشام کا گود میں اٹھا کر لے جانا)

طاہرہ : سہیل خدا حافظ !

(طاہرہ کا بے ہوش ہو کر گر جانا۔ رشید کا آنا)

رشید : امی جان ! امی جان ! یا اللہ ! امی جان کو کیا ہو گیا ہے ؟ امی ! پیاری امی !

طاہرہ : کون ؟ رشید ! میرا لال ! میرا بیٹا ! مگر نہیں کمبخت دُور ہو تو میرا بیٹا نہیں ہے ۔

رشید : امی ! تم کیا کہہ رہی ہو ؟ میں تمہارا بیٹا ہوں ۔

طاہرہ : ہاں ! ہاں ! تو میرا بیٹا ہے ۔ میرا رشید ہے ۔ آ ! آ ! میری گود میں آ۔ تو میرے گھر کا اُجالا ہے ۔ آ میرے بچے میں نے تجھے بڑی محنت سے پالا ہے ۔ مگر بچہ ! کس کا بچہ ؟ کیسا بچہ ؟ بچہ شیطان بن کر میرے ایمان کو ٹھگنے آیا ہے ۔ تجھے کس نے بلایا ہے ؟ میرا کوئی بچہ نہیں ۔ میں کبھی ماں نہیں بنی ۔ کیا میں ماں ہوتی تو تجھے اپنی آنکھوں سامنے ذبح کراتی ؟

رشید : امی ! امی ! تم تو دیوانی ہو گئی ہو ۔

طاہرہ : ہاں ! ہاں ! میں دیوانی ہو گئی ہوں ۔ بلکہ ڈائن بھی ہو گئی ہوں ۔

رشید : یہ تم کیا کہہ رہی ہو ؟

طاہرہ : افسوس ! اے دنیا کے لوگو ! یہ کون سے مذہب کا دستور ہے ؟ کونسی شریعت کا قانون ہے ؟ دوسرے کے بچے کے لئے اپنے بچے کا خون بہانا ۔ رشید ادھر آ ۔

(اندر سے زہر کی شیشی لا کر رشید کو سونگھانا)

رشید: یہ کیا ہے؟
طاہرہ: بیہوشی کی دوا۔
رشید: کیوں؟
طاہرہ: تاکہ تجھے مرتے وقت تکلیف نہ ہو۔
رشید: نہیں ایسا نہ کہو۔
طاہرہ: ارے کمبخت! تجھے سونگھنا ہوگا۔ تجھے مرنا ہوگا۔
رشید: آہ! رحم! رحم!
طاہرہ: سوگیا، بے ہوش ہوگیا۔ جا! جا! راحت کی دُنیا میں! وہاں
جاکر حوروں سے دل بہلا۔ وہاں تیرے بزرگوں کی پاک روحیں ہیں
تو ان سے میری مصیبت بیان کر دینا۔
رشید: اے مہربان ماں! میری طرف نفرت سے نظر نہ اُٹھاؤ۔ اگر میری
مجبوری جانتی ہو تو بہت نہیں فقط دو ہی آنسو رحم کے بہاؤ۔
طاہرہ: یہ میں نے کیا کیا؟ بیٹا! بیٹا! رشید! کیا اتنی جلدی اپنی اماں
سے خفا ہوگئے؟ ہمیشہ کے لئے سوگئے؟ بولو! بولو! فقط ایک بار بولو!
اُٹھو! آؤ! مرے پیارے! ذرا لگ جاؤ سینے سے
خفا ماں سے نہ ہو گر ہوگئے بیزار جینے سے
(پٹاخے کا چھٹنا۔ اور دیوار میں ایک دروازہ سا ہو جانا)
یا خدا! یہ خوفناک دھماکا! یک بیک دیوار میں دروازہ کیسا ہوگیا؟
(طغرل کا مع فوج وغیرہ کے آنا)
طغرل: فتح فتح! کامیابی! یہی ہے گنجِ مراد، یہی ہے خزانۂ کامگاری۔
طاہرہ: زمین کے بوجھ! تو کون ہے؟

طغرل: کون ہوں؟ طغرل، بہادر سپاہی، فاتح، جہان کی عزت۔
طاہرہ: نہیں، جہان کی ذلت۔ نیکی اور ایمان کا دشمن۔
طغرل: اگر سہیل کو نہ دیا تو اس سے زیادہ تیرا دشمن بن جاؤں گا۔ تمام دنیا کو اکٹھا دوں گا۔
طاہرہ: ارے تو کیا اگر تمام دنیا کے شیطان مل کر آئیں تو بھی سہیل تو کیا، اس کا ایک ناخن بھی یہاں سے نہ لے جانے پائیں۔
طغرل: بدذات! یہ بات۔ صفدر ادھر آؤ۔ اسے باندھ کر کوڑے لگاؤ۔
طاہرہ: ارے کوڑے کیا تو موت کے شکنجے میں کھنچوا دے۔ سر تن سے اڑا دے۔

جلا دے یا مٹا دے سر کٹا دے
نہیں ممکن زباں اس کا پتا دے

طغرل: موت مجھ سے زیادہ بے رحم نہیں۔ صفدر بڑھو! کیا تو میرا حکم نہیں سنتا؟
صفدر: حضور! مجھے شرافت آپ کا حکم سننے سے منع کرتی ہے۔
طغرل: بودے! نامرد! بزدلی دکھاتا ہے۔
صفدر: معاف کیجئے! بزدل ہے جو مرد ہو کر ایک عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔
طغرل: ذلیل! دغاباز! نمک حرام!
صفدر: ٹھہرئیے! میں نمک حرام نہیں ہوں۔ میں نے آج تک ہمیشہ آپ کے پسینے پر خون بہایا ہے۔ لیکن مجبور ہوں کہ خدا نے یہ ہاتھ عورت کے لئے نہیں بلکہ مرد کے لئے بنایا ہے۔
طغرل: تو کیا تو میرا حکم بجا نہ لائے گا؟
صفدر: جو شریف اور بہادر سپاہی ہے وہ مر جائے گا مگر مرتی ہوئی عورت پر کبھی ہاتھ نہ اٹھائے گا۔

طاہرہ : یا خدا ! کیا ان قصابوں کی جماعت میں بھی کوئی نیکی کا فرشتہ موجود ہے!
اے کم بخت ! دیکھ اس کو کہتے ہیں جواں مرد اور شریف۔
طغرل : تو جھوٹی ہے۔ اگر نوکر وفادار ہو تو کبھی ایسی نافرمانی نہیں کرے گا۔
صفدر : صاحب ! اگر مالک شریف ہو تو کبھی ایسا ذلیل حکم نہ دے گا۔
طغرل : چپ بدسیر ! لے جاؤ ! مار دو تلوار، اڑا دو سر!
صفدر : ہاں، مجھے لے چلو۔ یہ دنیا فانی ہے۔ ہیضہ، طاعون، کھانسی، بخار میں سسک سسک کر مرنے سے وفاداری اور نیکی کی راہ میں مرنا خدا کی مہربانی ہے۔
طاہرہ : ارے ظالم ! اس آئینے کو نہ توڑ، جو تجھے تیری اصلی صورت دکھاتا ہے
صفدر : بانو ! آپ میرے لئے رنج نہ کریں، کیونکہ بُرے درخت سے ہمیشہ بُرا پھل اور بُرے مالک کی نوکری سے ہمیشہ بُرا نتیجہ ملتا ہے۔
طغرل : دیکھ اس طرح ملتا ہے۔

(صفدر کو پستول سے مار دینا)

صفدر : آہ ! اُو خدا (مرجانا)

(توفیق کا زخمی اور ہتھکڑی پہنے ہوئے آنا)

طغرل : کون میرا شکار ؟
طاہرہ : میرا غریب شوہر!
توفیق : مصیبت کے طوفان، تکلیفوں کی آندھیاں، آفتوں کے ریلے، فقط جینے جی کے ہیں جھمیلے۔ زمین پر آسمان چکی کے پاٹ کی طرح جاری ہے۔ بچپن اور جوانی کو پیس چکا۔ اب بڑھاپے کی باری ہے ؎
ہیچ دُنیا ہے یہ عقبیٰ کی طلبگاری ہیں   آخری سانس بھی نکلے تو وفاداری میں

طغرل : ذلیل ! باغی ! مجسّم غداری ! یہ ذلت و خواری پھر بھی نہ گئی وفاداری ؟
توفیق : وفاداری سچا دین ہے، پاک ایمان ہے۔ وفاداری پہ بال بچے بیوی سب کچھ قربان ہے۔
طغرل : نجس بڑھے ! زبان بندکر۔ زندگی اور سہیل دونوں میں سے جو پیاری ہو، اپنے لئے پسند کر۔
توفیق : خونی کتّے ! ہم زندگی دیں گے، مگر پیارے سہیل کو کبھی نہ دیں گے۔
طغرل : کیا تو موت سے نہیں ڈرتا ؟
توفیق : سپاہی موت کے ساتھ ہر روز کھیلا کرتے ہیں۔
طغرل : تو لے موت ! یہ تیرا شکار۔

(پستول سے توفیق کو مار دینا)

توفیق : او خدا ! حق ادا۔
طاہرہ : ارے کم بخت ظالم ! یہ تو نے کیا کیا ! او خُدا ! تو اپنی خدائی کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا ؎

غفلت کی نیند میں کیا اب تو سو رہا ہے
کیا دیکھتا نہیں ہے کیا ظلم ہو رہا ہے

طغرل : چپ نابکار ! خدا کو نہیں اب موت کو پکار ! اگر سہیل کو نہ دیا تو تجھے بھی تیرے خون میں نہلاؤں گا۔ تمام دُنیا کو اُٹھاؤں گا۔ سارے گھر میں آگ لگاؤں گا۔ جہاں سے ملے گا، سہیل کو ڈھونڈ کر لاؤں گا۔ اور اس کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھاؤں گا۔
طاہرہ : یا خدا ؎

تاج سر سے گر پڑا اب گود بھی خالی کروں اپنے ہاتھوں سے میں اپنے گھر کی پامالی کروں

طغرل: بول وہ موت کا نوالا۔ میرے خنجر کا چورنگ میرے تیر کا ہدف، میرے نیزے کا نشانہ کہاں ہے؟

طاہرہ: جا، خونی کتے! وہ تیری خوراک پڑی ہے، کھالے، مار ڈال۔ سرتن سے اتار ڈال۔ اے منعم حقیقی! کیا تو سو گیا۔ کیا قانونِ قدرت منسوخ ہو گیا؟ ؎

غصے کی آگ سے اب تن من جلا دے اس کا

قہر و غضب سے اپنے سب زور ڈھا دے اس کا

(رشید کو اٹھا کر لانا اور اسے خنجر سے ہلاک کرنا)

طغرل: یہی ہے، میرے درختِ شجاعت کا ثمر یہی ہے۔

طاہرہ: اوخدا! اوخدا! یہ خوں فشاں نظارہ کن آنکھوں سے دیکھا جائے گا! دنیا کی تمام مصیبتیں ایک ہمارے ہی واسطے ہیں ؎

نہیں ہوتی جو نازل ہر بلا ہے

مرا گھر ہے کہ ظالم کربلا ہے

(بیہوش ہو کر گر جانا)

ڈراپ سین

باب دوسرا سین پہلا

اگلا جنگل

(سب کا مل کر گانا)

کب تک بھٹکیں گے اے یارو! میدان ندی نالے چھانے جھرنے جھاڑ

جھیل، کالے چکر سو سو میل، لوٹ گھر کو کیا ہے ڈھیل۔ ہم کس بلا کے پڑ گئے
پلے۔ تن پر تو ہے زر کی جھول، منہ پر جمی ہے لومن دھول۔ مل گئی
بھائی اپنی بھول۔ پڑ گئے پاؤں میں اب چھالے۔ کب تک ۔۔۔۔۔

نثر

پہلا: مل جا، بھائی سُہیل! مل جا! تو نے ہم کو حیران کر دیا ؎
در بدر پھرتے ہیں ہم پیروں میں چھالے پڑ گئے
دھوپ میں جل جل کے سب کے چہرے کالے پڑ گئے

دوسرا: ؎ ہاں ہاں بتاؤ سوچ کے کس سمت ہم بڑھیں
باندھیں کدھر کی سیدھ کدھر کو قدم بڑھیں

پہلا: یہ راستہ تو بڑا دشوار گذار ہے۔
دوسرا: اب یوں بڑھیں۔
پہلا: تو اس راستہ میں ایک غار ہے۔
دوسرا: اور یوں جھکیں۔
پہلا: تو دور تک کوہسار ہے۔
دوسرا: اور اس طرف۔
پہلا: تو جان لو بیڑا پار ہے۔
تیسرا: جب سب طرف خطرہ ہے تو پھر ہم کدھر چلیں۔
چوتھا: میری تو یہ صلاح ہے کہ بس اب گھر چلیں۔
پہلا: لو یہ تو لوٹ چلنے کو تیار ہو گیا کیا زندگی سے اپنی بیزار ہو گیا
شمسہ کی سنکنیوں کی تمہیں کیا خبر نہیں پیچھے ہٹے قدم تو سمجھو کہ سر نہیں
چوتھا: ارے بھائی! سہیل کو نہ پائیں تو کہاں جائیں؟ مفت اس جنگل

میں کسی بھیڑیئے یا شیر کا نوالہ ہو جائیں۔

پہلا: تو تو بزدل معلوم ہوتا ہے۔
چوتھا: اور تم کیا رستم کے سگے ہو؟
پہلا: میں بے شک خاندانی بہادر ہوں۔
چوتھا: شاید فردوسی نے شاہنامے میں تمہارے ہی باپ دادا کا ذکر کیا ہے۔
تیسرا: ارے تم سہیل کو ڈھونڈنے آئے ہو یا گپیں ہانکنے؟
دوسرا: اب چلو زور لگاؤ۔
سب: کب تک بھٹکیں گے یار۔

(سب کا جانا)

سین ختم

باب دوسرا ــــــ سین دوسرا

باغ

(سہیلیوں کا آنا)

باد بہار آئی۔ ہونے نثار آئی۔ کرتی ہیں چھیلیں شور۔ پیاری نگار آئی۔
چھائی ہر گل پہ ہے لالی۔ بلبل جھولے ہر ڈالی۔ پھولوں کی جھلک سے جیا
شاد کرو ہل مل سنگ۔ پھولوں کی پہن چلت پون ہر گل پہ، تم پہ واری
سکھیاں ساری جیرا ہروا گرے ہیں واریں سندر پیروا گلشن تم پہ واریں

نثر

چوتھی: واہ واہ!

تیسری : سبحان اللہ !
دوسری : ماشاءاللہ ـــ

جامِ بہار پی کر اشجار جھومتے ہیں
اک دوسرے کو مل کر مستی سے چومتے ہیں
فیاضیاں چمن میں اپنی دکھا رہے ہیں
بادِ صبا کے جھونکے خوشبو لٹا رہے ہیں

پہلی : ـــ جھوم رہی ہے پتّی پتّی اس گلشن کی ڈالی میں
کلیاں کھل کر پھول رہی ہیں ہر جانب ہریالی میں
کوئل ڈھول بجاتی ہے اور بلبل تان لگاتی ہے
دل کو فرحت ناک دھنا دھن کیا کیا ناچ نچاتی ہے

تسنیم : جس طرف دیکھو چمن میں مرے رعنائی ہے
محوِ نظارہ ہے دل چشم تماشائی ہے
موتی بکھرے ہیں یہ قطرے ہیں نہیں شبنم کے
آتشِ گل کا دھواں ہے کہ گھٹا چھائی ہے

تیسری : ـــ گلعذار و سرو قد غنچہ دہن تم بھی تو ہو
سر سے لے کر پاؤں تک پیاری چمن تم بھی تو ہو

چوتھی : پیاری باغ کے ساتھ کچھ اپنی بھی تو تعریف کیجئے ۔

تسنیم : ـــ مجھ میں کیا دیکھا ہے جو پیاری چمن کہتی ہو تم
چھیڑ خانی کو مری ایسے سخن کہتی ہو تم

دوسری : اجی سرکار ! یہ چمن بھی وہ گُل بے خار ہے جس پر بلبل جان نثار ہے ۔
پہلی : ہاں ہاں، اس گُل کو کسی بلبل کا انتظار ہے ۔ جہاں پھول ہوتا ہے وہاں بلبل

آتا ہے۔

چوتھی: جہاں چوہا ہوتا ہے وہاں بلی کودتی ہوئی جاتی ہے۔

دوسری: گر کوئی بلبل آئے تو اُسے غصّے سے نہ ڈرانا۔

چوتھی: بلکہ چمکار کے پاس بٹھانا۔

تیسری: پھر اُسے شادی کے پنجرے میں پھنسانا۔

پہلی: جب پھنس جائے تو ہر روز نخروں کی چھُری چلانا۔

تسنیم: دیکھو بھئی! اب ہم صبر کھو دیں گے۔ زیادہ ستاؤگی تو خدا کی قسم ہم رو دیں گے۔

دوسری: پیاری تمہیں اپنی قدر نہیں ہے

پری ہو، مشتری ہو، حور ہو، محو تماشا ہو
اُٹھا کر آئینہ دیکھو تو ہو معلوم تم کیا ہو

تسنیم: نگوڑیو! کیا تم سبھوں نے مل کر مجھے چھیڑنے کی قسم کھائی ہے؟

پہلی: پیاری! شادی کا ذکر کرنا کیا کوئی گالی ہے؟

گانا

سہیلیاں: البیلا چھبیلا ایسا لا دیں گے جو رنگیلا ہو۔ نئی آن کا، نئی بان کا دل و جان کا البیلا چھبیلا۔

اری موٹر چلانے والی۔ سیر کرا دے۔ ایسی شان کا البیلا چھبیلا۔

تسنیم: بڑی موٹر چلانے والی اری چل چل چل۔ بڑی باتیں بنانے والی اری چل چل چل

سہیلیاں: اجی واہ واہ وا!

تسلیم : ننھے ننھے فیشن تو ساجن ۔
سہیلیاں : بڑی فیشن دکھلانے والی ۔ اری چل چل چل ۔ سیکل پر بٹھا کے سیر کرا دے ۔ واہ ذی شان کا ۔ البیلا چھبیلا ۔
(سب کا جانا ۔ شہریار و فیضو کا آنا)
فیضو : اجی بندہ نواز گھر سے گھوڑے خریدنے نکلے اور یہاں دھنس پڑے ۔ یہ باغ کسی کا زنانخانہ ہے ۔ یہاں مردوں کا آنا منع ہے ۔ اگر بے دم کے چوہوں کو پولیس کا باگڑ بلاّ دیکھ پائے گا تو سیدھا بڑے گھر پہنچائے گا ۔
شہریار : ابے تیری طبیعت تو مرغی کی طرح خوف کے انڈے دیا کرتی ہے ۔ راہ کے تھکے ماندے ہیں ذرا سو جائیں گے کسی کا باغ اپنے گھر نہ اٹھا کر لے جائیں گے ۔ ناحق سر کیوں پھراتا ہے ؟
فیضو : اگر میری باتوں سے آپ کا سر پھرتا ہے تو مرغا اپنی ٹکڑوں کوں کو بند کرتا ہے
سہیلیاں : (اندر سے) بھاگو بھاگو شیر آیا ۔ (پٹاخہ)
شہریار : موذی سرد ہو گیا ۔ ہائے گلاب سا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا ۔
(تسلیم کا پہلو بہ پہلو ہو کر شہریار کی گود میں گرنا)
فیضو : ہت تیرے کی یہ کیا ؟
شہریار : کیوں بے تو یہاں کیوں آیا ؟
فیضو : آپ کا ناٹک دیکھنے ۔
شہریار : چل نکل یہاں سے ۔ اس وقت یہاں خلوت ہے ۔
فیضو : سچ ہے باباکباب میں ہڈی کی کیا ضرورت ہے ۔
شہریار : اے مصوّر کے قلم ! شاعر کے خیال ! قدرت کی کاریگری !
فیضو : جناب آپ کے ہاتھ تھک گئے ہوں گے ۔ لائیے میں لے لوں ۔

شہریار: کمبخت تو پھر آیا۔ یہاں سے فوراً چلا جا۔
فیضو: جی بجا ہے قبلہ!
شہریار: جاگ! جاگ! اے حسینۂ جہاں جاگ! اور قدرت کا تماشا دیکھ!
تسنیم: اری نرگس! سوسن! چھوئی موئی! سب کدھر ہو؟
شہریار: گھبرائیے نہیں۔ وہ سب یہیں ہیں۔ شیر کے ڈر سے اِدھر اُدھر ہوگئی ہیں
تسنیم: صاحب! کیا شیر سے میری جان آپ نے بچائی؟
شہریار: انسان کی کیا مجال ہے، بچانے والا وہ ذوالجلال ہے۔
تسنیم: میرے بچانے میں آپ کو کوئی زخم تو نہیں آیا؟
شہریار: یوں تو کوئی زخم نہیں آیا۔ ہاں دل کے اندر جو چوکا لگا ہے اس کی خبر نہیں
فیضو: عشق کی اندر سبھا کا پہلا باب شروع ہوگیا۔
تسنیم: آپ کون صاحب ہیں؟
شہریار: بانو! میں ایک پردیسی سپاہی ہوں۔
تسنیم: یہاں کس غرض کے لئے تشریف لاتے ہیں؟
فیضو: ایک بیوی کے لئے آتے ہیں۔
تسنیم: میں سمجھتی ہوں کہ آپ ش۔ ش۔
فیضو: ہاں ہاں شادی کے طلبگار ہیں۔ ماشاء اللہ آپ بڑی ہوشیار ہیں۔
(سہیلیوں کا آنا)
پہلی: یہ لو یہاں تو کچھ اور ہی ہو رہا ہے۔
دوسری: یہ سیر کے بھائی سوا سیر کہاں سے آن کودے؟
تیسری: پیاری! یہ کون صاحب ہیں؟
تسنیم: کون؟ کہاں؟

دوسری: وہ وہ جو بہت خوش نظر آتے ہیں، ہمیں یا تمہیں خدا جانے کیسے دیکھ کر مسکراتے ہیں!

تسلیم: کہاں ہے؟ کدھر ہے! یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔

پہلی: یوں دیکھیو! یوں

تسلیم: یہ۔

چوتھی: ہاں پرونا!

تسلیم: یہ وہ ہیں جنہوں نے میری جان بچائی۔

تیسری: تو پھر آپ کو ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

فیضو: بچاری شکریہ ہی تو ادا کر رہی ہیں۔

دوسری: تو کیا ہماری بانو کو احسان فراموش سمجھتے ہیں؟ اجی شکریہ ادا کرنا ہوگا اور اس کے صلے میں کوئی بڑا بھاری انعام بھی عطا کرنا ہوگا۔

پہلی: ہاں ہاں! پیاری! کیا اِنعام دیا؟ ہمیں بھی بتاؤ۔

چوتھی: اجی واہ! بس سمجھ جاؤ۔

تسلیم: جاؤ جاؤ! مجھے نہ ستاؤ۔ مفت کی پھبتیاں نہ اُڑاؤ۔

تیسری: اچھا اچھا، نہ شرماؤ! اب بہت دیر ہوئی۔ چلو گھر کو آؤ۔

تسلیم: ہاں ہاں چلو! بندگی! (جانا)

شہر یار: کورلش ع

سونگھنے تک بھی نہ پایا تھا کہ وہ گل اُڑ گیا

فیضو: ع رہ گیا اُلو کا پٹھا اور وہ بلبل اُڑ گیا

ہمت تیری کی یہ تو پھر آگئی۔

تسلیم: (آکر) جناب مجھے معاف کیجئے۔ میں جلدی میں آپ کا شکریہ ادا کرنا

بھول گئی۔

شہریار: لیکن خدا کے لئے کہیں مجھے دل سے نہ بھول جانا۔

تسنیم: آپ کی مہربانی کہیں بھول جانے کے قابل ہے۔

پہلی: (آکر) اجی واہ! تم پھر یہیں کی یہیں ہو۔ چلو آؤ! جلدی قدم بڑھاؤ!

شہریار: ع میری امیدوں کی دنیا میں اندھیرا ہو گیا

فیضو: ع بھائی اب تم گھر چلو یاں تو سویرا ہو گیا

شہریار: چل ہٹ ادھر سے۔ بک بک نہ کر۔

تسنیم: (آکر) کسے آپ نے بلایا؟

فیضو: یہ عورت کوئی گلے پڑو معلوم ہوتی ہے۔

شہریار: ہاں میں یہ پوچھتا ہوں کہ چاند رات کو اور سورج صبح کو نظر آتے گا مگر یہ نورانی چہرہ پھر کب دکھائی دے گا؟

پہلی: اے واہ! تم پھر یہاں آگئیں۔

چوتھی: اجی میاں تمہارا گھر در ہے کہ نہیں؟

فیضو: گھر! اب تو ان کی قبر یہیں بنے گی۔

تیسری: کیا یہاں چمک پتھر ہے جو بار بار تجھے کھینچ لاتا ہے؟

دوسری: بس بس زیادہ نہ چلو۔ اب گھر چلو۔

تسنیم: ارے ہائے!

پہلی: کیا ہوا؟

تسنیم: پاؤں میں کانٹا چبھ گیا۔

فیضو: پاؤں میں کانٹا چبھ گیا یا دل میں بسولا اُتر گیا۔

شہریار: اگر حکم ہو تو یہ کانٹا میں نکالوں۔

پہلی: بے شک! یہ کانٹا آپ ہی سے نکلے گا۔
تسنیم: ارے چپ! کیا دیوانی ہو گئی ہے؟
پہلی: بس بس! اب چونچلے چھوڑو اور سیدھی طرح گھر کی طرف منہ موڑو۔
بندی یہ سب دل کی گھاتیں خوب ہے پائی ہوئی
اُس کو سمجھاتی ہو جو ہے سمجھی سمجھائی ہوئی

گانا

سہیلیاں: ہاں رے گوری چلو نہ ٹھارہ البیلی اریلی
دیکھو باتوں میں جوبن لوٹے نہ کوئی نیلی اریلی
سکھی ری میں ہاری، میں ہاری، موہے نہ ستاؤ، اب جاؤ۔
کون رنگیلے رسیلے سے پیاری پینہا لگا بتاؤ۔
ہاں اب نہ بولوں گی تم سے گوئیاں راز نہ چھپاؤ۔
گئیں سب جان سکھیاں کرکے سب گھات، من کی بات۔
کاہے چھپاتے بھیت ہیں موہنی اکھیاں۔ ہاں رے گوری ....

سین ختم

باب دوسرا ـــــ سین تیسرا

اگلا محل

(شمسہ و قتلو کا گفتگو کرتے ہوئے آنا)

شمسہ: قتلو میں نہیں خیال کرسکتی کہ چالاک طاہرہ نے کس طرح غافل طغرل کی

آنکھوں میں خاک جھونک کر سہیل کو بچا لیا۔ جب میں اس طرف خیال دوڑاتی ہوں تو اپنی آزادی اور امیدوں کو خطرے میں پاتی ہوں۔

قتلو : لیکن آپ اب تسلی رکھیں۔ سہیل اب زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا۔ اُس کی گرفتاری کے لئے کافی بندوبست کر دیا ہے۔ اُس کی تلاش میں ایک دستہ سپاہ کا چوطرف روانہ کیا ہے۔

شمسہ : بہت خوب۔

(قہرمان کا آنا)

شمسہ : جنرل قہرمان! میں امید کرتی ہوں کہ جیسی دلاوری سے آپ اپنے ملک کے لئے لڑ رہے تھے ویسے ہی آپ ہمارے ملک کے لئے بھی کریں گے اور اپنے مالک کی وفاداری کا ثبوت دیں گے۔

قہرمان : ملکۂ عالم! اس جھوٹی اور دغا باز دنیا میں وفادار ہونے کا میں کس طرح وعدہ کر سکتا ہوں جس میں بھائی بھائی کا، بیٹا باپ کا دشمن ہو رہا ہے۔ دوست دوست سے بھائی بہن سے بدظن ہو رہا ہے لیکن میں کون ہوں اور کیا ہوں اور اپنے محسن کے لئے کیا کر سکتا ہوں یہ آپ کو آئندہ معلوم ہوگا۔

شمسہ : مجھے تم پر ہر طرح بھروسا ہے۔

قہرمان : مجھے بھی اپنی کامیابی کی امید ہے۔

شمسہ : آج شام کے کھانے کے بعد تم اور قتلو دونوں مل کر میرے پاس آنا۔ مجھے جنگ کے متعلق کچھ خاص باتیں کرنی ہیں۔

قہرمان : جو حکم! (جانا)

قتلو : سلطانہ! اب تو آپ کو آزادی اور حکومت دونوں چیزیں حاصل ہو گئیں اب اپنا وعدہ پورا کیجئے۔

شمسہ: کون سا وعدہ ؟
قتلو: مجھ سے شادی کا۔
شمسہ: کیا شادی! شادی کیا ہے ؟
قتلو: شادی ایک خوشی کی زندگی ہے۔
شمسہ: تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس غم سے میں نے ابھی ابھی آزادی حاصل کی ہے پھر میں اُسی میں مبتلا ہو جاؤں۔ اپنی آزاد طبیعت کو پھر شادی کی قید میں پھنساؤں!
قتلو: چاہے کچھ بھی ہو۔ تم کو اپنے وعدے کے مطابق ......
شمسہ: مگر میں نے شادی کا وعدہ کہا ہی کب تھا؟
قتلو: شمسہ! شمسہ! دیکھو تم اور تمہاری زندگی ابھی دونوں میرے ہاتھ میں ہیں۔ جو شربت کا پیالہ میرے ہونٹوں تک آ گیا ہے کیا تم اسے میرے ہاتھ سے چھین کر پھینک دینا چاہتی ہو؟ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ میں نے کچّی گولیاں نہیں کھیلیں میں زہر کے اُتار اور سانپ کے منتر سے خوب واقف ہوں۔
شمسہ: ارررر یہ تو کام بگڑ چلا۔ اجی واہ! بس آپ کو دیکھ لیا۔ اتنی سی بات پر ہی بگڑ گئے۔ ہنسی ہنسی میں ہی اکڑ گئے۔ میں تو تمہیں آزماتی تھی۔ ذرا ہنسی سے آپ کو بناتی تھی۔
قتلو: میں تمہارے بہانے میں آنے والا نہیں ہوں۔ یاد رکھو ابھی تو تم اپنے مطلب کے لئے چمکارے پچکارے پھیر رہی ہو۔ مگر اپنا کام ہوتے ہی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لوگی۔ لیکن میرا بھی نام جب ہے کہ تم سے اس کا بدلہ ضرور لے کر چھوڑوں گا۔ اور تم کو اس دنیا میں ہرگز چین نہ لینے دوں گا۔

---

[1] اپنے آپ علیحدگی ہیں۔

شمسہ: ہیں! ہیں! کیوں گھبراتے ہو؟ آپے سے باہر ہوتے جاتے ہو۔ ذرا سہیل کو گرفتار ہو جانے دو۔ یہ خلش بیکار ہو جانے دو۔ پھر تم میرے اور شمسہ تمہاری۔

قتلو: خیر یہ بھی دیکھا جائے گا۔

شمسہ: چلو اب سہیل کی گرفتاری کا کوئی معقول انتظام کریں۔

(دونوں کا جانا)

قہرمان: توفی، غاصب، ملعون کتو! کیا مزے سے ہنستے ہوتے جا رہے ہو؟ کیا تم ہمیشہ اسی طرح ہنستے ہنساتے رہو گے؟ اسی طرح خوشیاں مناتے رہوگے؟ نہیں! تمہاری خوشی غم سے، تمہاری شادی ماتم سے بدل جائے گی۔ تم نے جو اپنے رہنے کے لئے دنیا کو بہشت بنا رکھا ہے میں ہمیشہ کے لئے اُسے جہنم بنا دوں گا۔ تم نے میرے دوست توفیق پر اس کی بیوی اور بچے پر جو ستم گذارے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ اے غفلت میں پھنسے ہوؤ! نہ گھبراؤ۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ جنرل قہرمان فقط عہدے اور تنخواہ کے لئے تیر و تفنگ سے کام لے گا۔ اے عقل کے اندھو! یہ نہیں جانتے کہ وہ تم سے ضرور خوفناک انتقام لے گا ؎

تم کشتیٔ راحت ہو تو میں طوفاں بلا ہوں
تم عیش کی دنیا ہو تو میں اس میں وبا ہوں
تم حرص کی جنت ہو تو میں دوزخ کی ہوا ہوں
تم خرمنِ عشرت ہو تو میں برقِ قضا ہوں
ہاں دیکھنا تم پلتے ہو یا فتح و ظفر میں
لکھا ہے یہ قسمت میں ادھر تم ہو ادھر میں

(قہرمان کا جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــــ سین چوتھا

محل تسنیم

(ماشاء اللہ و خیر سلا کا گفتگو کرتے ہوئے آنا)

ماشاء اللہ: ٹھہریئے پہلے میں جاؤں گا۔

خیر سلا: نہیں پہلے میں جاؤں گا۔

ماشاء اللہ: یہ دیکھ پہلے میں آیا۔

خیر سلا: نہیں پہلے میں آیا۔

ماشاء اللہ: ابے مرغے چوہنچ سنبھال!

خیر سلا: جا انڈے بیچ اور بچے پال۔

ماشاء اللہ: کیا تو لڑنے پر آمادہ ہے؟

خیر سلا: بے شک اگر تیرا ارادہ ہے۔

ماشاء اللہ: بہ دم؟ ٹھوک خم!

خیر سلا: بس دوست بس معلوم ہوگیا۔ ہم دونوں جنٹلمین ہیں۔ دو جنٹلمینوں کا آپس میں لڑنا کوئی انصاف ہے؟

ماشاء اللہ: بالکل فیشن کے خلاف ہے۔ مگر مسٹر خیر سلا آج تم یہاں کس لئے آئے ہو؟

خیر سلا: دیکھو، میاں ماشاء اللہ! آج تسنیم کی سالگرہ ہے، اس لئے میں اپنے آقا طغرل بیگ کی طرف سے یہ موتیوں کا ہار دینے اور مبارکباد کہنے آیا ہوں۔ مگر یہاں تمہارا کیا کام ہے؟

ماشاء اللہ: سنو! میں بھی اپنے آقا شہریار کی طرف سے آیا ہوں اور پھولوں

کا ہار نذرانہ لایا ہوں۔

خیبرسلا: ارے جا جا، منہ دھوا کے آ۔ تسنیم تیرے پھولوں کے ہار پہ نظر بھی نہ اٹھائے گی۔

ماشاء اللہ: ہوش کر، تیرے موتیوں کے ہار کو ٹھوکروں سے اڑاتے گی۔

خیبرسلا: ابے کہاں سچے موتیوں کا ہار اور کہاں یہ پھولوں کا ہار۔

ماشاء اللہ: عورت اسی چیز کو زیادہ پسند کرتی ہے جس میں سچی محبت کی بو آتی ہے

خیبرسلا: تو مخبط الحواس ہے۔

ماشاء اللہ: دیکھ آنے تو دے۔ تعریف کے دسترخوان پہ وہ نمک مرچ لگاؤں کہ طبیعت بحال ہو جائے۔

خیبرسلا: اور میں وہ مصالحہ لگاؤں، وہ چٹخارے دکھاؤں کہ تیرا پکا پکایا قورمہ پھیکی دال ہو جائے۔

ماشاء اللہ: ابے جانتا نہیں کہ میں ایک شاعر کا بیٹا ہوں۔

خیبرسلا: تو میں مدت تک فردوسی کی قبر پہ لیٹا ہوں۔

ماشاء اللہ: اچھا تو شاعر ہے تو میرے مصرعہ پہ مصرعہ لگا۔

خیبرسلا: کیوں فی البدیہہ۔

ماشاء اللہ: اچھا سن ع بلبل کی انکھڑیوں میں رگِ گل کی پھانس ہے

خیبرسلا: بلبل کی انکھڑیوں میں رگِ گل کی پھانس ہے۔
شاعروں کے بھیجے میں تھوڑا سا گوبر تھوڑا سا بھوسا تھوڑی سی گھانس ہے۔

ماشاء اللہ: ابے مصرعہ تو بڑھ گیا۔

خیبرسلا: مصرعۂ اول سے مصرعہ ثانی بڑھ کر ہونا چاہیئے۔

ماشاء اللہ: نہیں یہ نہیں مصرعہ تو لمبا ہو گیا۔

خیر سلا : تو کیا ہوا شاعری ہمارے گھر سے نکلی ہے۔ ہم چاہیں اس کو بڑھا دیں۔ چاہے گھٹا دیں۔

ماشاءاللہ : نہیں! ٹھیک مصرعہ لگا موزونیت کے ساتھ۔

خیر سلا : یہ بات ہے! اچھا پھر سُنا۔

ماشاءاللہ : بلبل کی انکھڑیوں میں رگِ گُل کی پھانس ہے۔

خیر سلا : مصرعہ تو کچھ نہیں ہے فقط ٹھونس ٹھانس ہے۔

ماشاءاللہ : یہ بھی بامعنی نہ ہوا۔ اچھا اب دوسرے مصرعہ پہ مصرعہ لگاؤ۔

خیر سلا : وہ بھی سُنا۔

ماشاءاللہ : کل شب کو مجھے خواب میں اُلّو نظر آیا

خیر سلا : کل شب کو مجھے خواب میں اُلّو نظر آیا
آنکھیں جو کھلیں سامنے تو تو نظر آیا

ماشاءاللہ : جا جا بھائی جا تجھے خدا جانے شاعر کس اُلّو کے پٹھے نے بنایا ہے۔

خیر سلا : کیوں بچہ! اب قافیہ تنگ ہو گیا؟

ماشاءاللہ : بھلا اب کے تیسرے مصرعہ پہ مصرعہ لگا۔

خیر سلا : اچھا سناؤ۔

ماشاءاللہ : رات کو انڈا پکایا وہ بھی کچّا رہ گیا

خیر سلا : رات کو انڈا پکایا وہ بھی کچّا رہ گیا
مر گئے شاعر فقط اُلّو کا پٹھا رہ گیا

ماشاءاللہ : کیوں بے شعر کہنے سے گھبرایا تو گالیاں دینے پر اُتر آیا۔

خیر سلا : اچھا تو لے میں چلا۔

ماشاءاللہ : ادھر آ کہاں جاتا ہے؟ راستہ نہیں نظر آتا ہے؟

خیرسلا: نہیں میں تو ادھر ہی جاؤں گا۔
ماشاء اللہ: میں ایک چانٹا لگاؤں گا۔
خیرسلا: تو کیا میں دب جاؤں گا۔

(سہیلیوں کا آنا)

پہلی: ہیں ہیں یہ کیسی لڑائی؟ مفت کی ہاتھا پائی۔
خیرسلا: دیکھو دیکھو رذیل رذالا۔ نان کباب بیچنے والا۔ مرجائے اُس کی خالہ۔
تسنیم: مگر ان سے یہ تو پوچھو کہ یہاں آتے کس لئے ہیں۔
خیرسلا: میں اپنے آقا طغرل بیگ کی طرف سے آپ کی سالگرہ کی تقریب میں یہ موتیوں کا ہار نذرانہ لایا ہوں۔ یہ خلعت قبولیت سے سرفراز ہوگا تو یہ امر آقا کے لئے باعثِ اعزاز ہوگا۔
ماشاء اللہ: یہ اُردو بولتا ہے یا ہمالیہ کی چوٹی سے پتھر رولتا ہے۔
تسنیم: اور ماشاء اللہ تم کیسے آئے ہو؟
ماشاء اللہ: میں اپنے آقا شہریار کی طرف سے آیا ہوں اور یہ پھولوں کا ہار نذرانہ لایا ہوں۔
تسنیم: آہا طغرل بیگ کی طرف سے یہ موتیوں کا ہار اور شہریار کی طرف سے پھولوں کا ہار۔ اس کی تیاری میں ایک بھی جان کا نقصان نہ ہوا ہوگا۔ اور اس ہار کی تیاری میں سینکڑوں جانیں ضائع ہوئی ہوں گی۔ یہ فقط امیروں کے محلوں میں چمکتا ہے اور یہ امیروں کے محل میں، غریبوں کی جھونپڑیوں بلکہ ہر جگہ مہکتا ہے۔ اس کو ادنیٰ و اعلیٰ امیر و پیر و پیغمبر اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اس میں نخوت اور رعونت کی بو ہے اور اس میں سچی اُلفت و محبت کی خوشبو ہے۔ اس لئے اے پیرو پیغمبر کی پسندیدہ چیز! میں تجھے منظور کرتی ہوں

دور جا! او دُنیا کے جھوٹے چمکتے ہوئے فریبی ہیں تجھے نفرت سے دور کرتی ہوں۔

خیر سلا: ہیں ہیں، حضور! یہ کیا کرتی ہیں؟

تسلیم: بس جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو کہ آئندہ کوئی تحفہ بھیجنے کی ہرگز تکلیف نہ اٹھاویں۔

ماشاء اللہ: چل نکل اور ڈگڈگی بجاتا ہوا چلا جا۔

خیر سلا: اچھا بچہ یہ تیرا ہی فتور ہے۔ تو کیا تو کبھی ہمارے محلے کی طرف نہ آتے گا۔

ماشاء اللہ: ابے جا نہیں تو مار کھائے گا۔

خیر سلا: نامرد کہیں کا پیٹھ کے پیچھے مارتا ہے منہ پر مارتا تو بتا دیتا۔ (جانا)

ماشاء اللہ: اچھا اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔

تسلیم: مگر تم اپنے آقا سے کیا کہوگے؟

ماشاء اللہ: مژدۂ شادمانی سناؤں گا اور آپ کی تعریف کے ڈھیر لگاؤں گا۔

تسلیم: مجھے تعریف کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف اُن کی عنایت کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ماشاء اللہ: مگر شاعری میں بغیر جھوٹ کے مزہ نہیں آتا۔

تسلیم: جو سادگی میں اثر ہے وہ جھوٹ میں ذرا نہیں آتا۔

ماشاء اللہ: اچھا بندہ آداب بجالاتا ہے (جانا)

پہلی: بی بی سلام!

دوسری: پیاری سلام!

تیسری: ؎ بلبل کو گُل مِلا ہے یہ کہہ دو پکار کے
دن آتے باغِ دہر میں فصلِ بہار کے

گانا

سہیلیاں : بنو بنو سکھی دولہنیاں پیارے کے گردا ہیں ڈارو گوری بہنیاں بہو گونیاں
دا کی چھنیاں۔ ایسو پا لیو تونے سیاں۔ بنو بنو سکھی دولہنیاں . . . . .

تسنیم :
کیا ہے زیب گو ہار دیکھئے کیا ہو
صبح کو چرخِ ستمگار دیکھئے کیا ہو
امید و بیم کی حالت میں دل دھڑکتا ہے
کہ رنگِ غیب سے اظہار دیکھئے کیا ہو

سہیلیاں : واہ جی واہ کیا خوب ملا پیارا پیارا دلارا . . . . بنو بنو سکھی . . . .
(سب کا جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــــ سین پانچواں

جنگل

قہرمان : قریب ہے قریب ہے۔ ملعون قتلو اور طغرل اور غاصبہ شمسہ کا
خوفناک انجام قریب ہے۔

پہلا سپاہی : جنرل قہرمان : اِنھیں وحشیوں کے مظالم سے ہم سب وطن سے
بے وطن ہو کر وحشیوں کی طرح پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی زندگی کے دن
پورے کر رہے ہیں۔ اور اسی روز کے امیدوار جب کہ انتقام کا خنجر دشمنوں

کی آنکھوں کے سامنے چمکتا ہوگا اور وہ ذبح ہو کر ان پیروں کے سامنے پڑا
سسکتا ہوگا۔
دوسرا: خدا کا شکر ہے کہ معصوم سہیل اور وفادار ہشام پہاڑ کی کھوہ میں چھپا ہوا
اور بدنصیب طاہرہ جنگل میں بھٹکتی ہوئی یہیں مل گئی۔
قہرمان: ہاں بدنصیب طاہرہ کو اب کون کہہ سکتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ گھر لٹ گیا۔
سہاگ اُجڑ گیا۔ کوکھ کے لال کو کھو بیٹھی۔ دن رات دیوانہ وار جنگلوں اور پہاڑوں
میں پھرتی ہے۔ مگر ہاں کبھی ذرا ہوش آجاتا ہے ورنہ وہی دیوانے پن کا دورہ
شروع ہو جاتا ہے۔
تیسرا: دیکھتے دیکھتے وہی سامنے سے آرہی ہے۔

گانا

کسی کی آس میں میں نے یہ جاں گنوائی ہے
ہوں تنگ جینے سے مولا تری دہائی ہے
ہاں رے مورے سیّاں گھائلو منواں غم کی ستائی میں تورا کرت ہوں مان لے۔
سدھ بدھ بسری رے گیّاں، چین نا پڑت موتے کل آدسے کیونکر ہاں رے موری
کوکھ اُجڑی گیّاں۔ ہاں رے ....
س راتیں گئیں نشاط و مسرّت کے دن گئے
دو لال شب چراغ تھے سو وہ بھی چھن گئے
قہرمان: خدایا اس کی مصیبت کا خاتمہ کر۔
طاہرہ: اے خوبصورت چاند تو ہی اپنا ایک ٹکڑا دے دے۔ میں اُسی کو رشید
سمجھ کر پیار کروں ست

آسماں پر چاندنی ہے اور زمیں پر چاندنی
ہو رہی ہے تیرے دم سے آج گھر گھر چاندنی
آ تو آجا تا کہ رکھ لوں اپنے سینے میں تجھے
میرے بھی ویرانے میں ہو جائے دم بھر چاندنی

قہرمان : بانو یہ کیا حال ہے ؟
طاہرہ : دیکھو دیکھو شمسہ میرے بچے کو مار رہی ہے۔ ارے طغرل تو چھری کیوں
تیز کر رہا ہے ؟ اب میری گود میں کوئی بچہ نہیں ہے ۔

دئے بیٹھی ہوں سب کچھ ہیں جو تھا افلاک کے نیچے
دبی ہے زندگی بھر کی کمائی خاک کے نیچے

چوتھا : ہائے بیچاری کو جنون ہو گیا۔
طاہرہ : ارے کسی اولاد والے سے پوچھو وہ کہے گا کہ تو مجنون ہو گیا۔
چوتھا : بانو میں بھی اولاد رکھتا ہوں۔
طاہرہ : ہاں سچ ہے، مگر ۔

تو ہے سرسبز شاخ اور طاہرہ اک خشک ڈالی ہے
بھری ہے گود تیری اور میری گود خالی ہے

چوتھا : بانو غم کے درخت کو آنسوؤں سے سینچ سینچ کر ہرا رکھنا کیا فائدہ دے گا؟
طاہرہ : ہاں مجھے رونے دو۔ خوب جی بھر کے رونے دو۔ میں اپنی آنکھوں سے
خون کا دریا بہاؤں گی۔ اس میں تیروں گی۔ آخر اسی میں ڈوب کر مر جاؤں گی۔
(ہشام کا سہیل کو لے کر آنا)

سہیل : پیاری امّی !
طاہرہ : لڑکے تو کون ہے ؟

ہشام : کیا آپ معصوم سہیل کو بھول گئیں ؟
طاہرہ : بھول گئی ؟ میں کبھی بھولی نہیں۔ کوئی ماں اپنے بچے کو بھولتی ہے۔
تم کیسے کہتے ہو ؟ میرا بچہ مجھ کو بھول گیا۔
پہلا : بانو یہ کون ہے ؟
طاہرہ : لڑکے تو کون ہے ؟
سہیل : امّی میں آپ کا سہیل ہوں۔
طاہرہ : کون ؟ سہیل ! سہیل ! بادشاہ کی آخری نشانی، میرا پیارا، میرے پیاروں کا پیارا۔
قہرمان : بانو ! آپ کی یہی حالت رہی تو آپ اس غریب کے لئے کب کچھ کر سکتی ہیں۔
طاہرہ : آہ ! میرے بچے میں تیرے واسطے کچھ نہ کر سکی۔
قہرمان : اگر آپ کو غم فرصت دے تو آپ اس غریب کے لئے سب کچھ کر سکتی ہیں۔
طاہرہ : ہاں میں اب سب کچھ کروں گی۔ جہاں اس کی حفاظت میں دو جانیں پہلے دے چکی ہوں، وہاں اگر ضرورت ہوئی تو یہ تیسری جان بھی قربان کروں گی۔ مگر اس کی حفاظت ہر آن کروں گی۔
قہرمان : نیکی کا فرشتہ !
پہلا : وفاداری کی روح !
دوسرا : عورتوں کی آبرو !

(سب کا جانا)

سین ختم

باب دوسرا ــــــ سین چھٹا

اگلا محل

(خیر سلا کا آنا)

خیر سلا: حضور! کچھ میری خطا؟
طغرل: بول! میرے ہار کا کیا حال ہوا؟
خیر سلا: مگر میری گردن تو چھوڑ دیئے جناب والا!
طغرل: ابے! بولتا ہے کہ نہیں؟
خیر سلا: بولتا ہوں مگر میری تو ہڈیاں تمام بول گئیں۔
طغرل: مگر نہ بولا تو تو بے حیا نہ بولا۔
خیر سلا: میری تو چیں بول گئی۔
طغرل: کیوں بیہودہ بکتا ہے؟ جلدی بول! تسنیم نے میرے ہار کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
خیر سلا: آپ کے ہار کو دیکھا اور جانچا۔ بہت تعریف کی۔ پھر موتیوں کو گن گن کر گالیاں دیں۔
طغرل: اور؟
خیر سلا: دیر تک بڑبڑاتی رہی۔ آخر پرانی جوتی کی طرح میرے منہ پر مار کر پھینک دیا۔
طغرل: میری محبت کا یہ انجام؟
خیر سلا: میری محنت کا یہ انعام؟
طغرل: میرے ہار کی یہ بے عزتی؟

خیرسلا: ایک ایڈی کانگ کی یہ انسلٹ ؟
طغرل: غضب!
خیرسلا: ستم!
طغرل: میرے ہار کو کیوں نہیں قبول کیا؟
خیرسلا: حضور! یہ میں کیا جانوں! یہ تو اسی سے جاکر پوچھئے۔
طغرل: بول! تونے تسلیم سے کیا کہا تھا؟
خیرسلا: میں نے کہا کہ ہمارے آقا نے تحفتہً یہ ہار آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اس کو قبول کیجئے۔
طغرل: اُس نے کیا کہا؟
خیرسلا: اس نے کہا "جہاں فرشتوں کا گزر نہیں وہاں بھوتوں کو کون پوچھتا ہے"
طغرل: یہ کہا؟
خیرسلا: اور یہ کہا کہ اپنے مالک سے جاکر کہہ دے ایسے دیوانے کتّے میری گلی میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔
طغرل: نمک حرام! ٹکڑ گدا! اس نے ایسی بے نقط سنائی اور تجھے شرم نہ آئی۔
خیرسلا: واہ! گالیاں وہ آپ کو سنائے اور شرم مجھ کو آئے۔
طغرل: تو کیا تو میرا ایڈی کانگ نہیں؟
خیرسلا: ایڈی کانگ ہوں بلکہ شیطان کی ٹانگ ہوں۔
طغرل: تو پھر تونے کیوں نہیں کچھ میری طرف سے کہا؟
خیرسلا: میں نے اس کو بہت دھمکایا۔
طغرل: کیا کیا کہا؟
خیرسلا: کہ ہمارے آقا طغرل بیگ بڑے ہی نامعقول ہیں۔ بڑے ہی پاجی ہیں۔

جب غصے میں آتے ہیں تو دیوانے کتے کی طرح کاٹ کھاتے ہیں۔

طغرل: ابے شیطان! یہ تونے میری تعریف کی؟

خیرسلا: تعریف نہیں تو پھر اسے کیا کہتے ہیں؟

طغرل: ہائے! ایسی نفرت، ہزار لعنت!

خیرسلا: ہائے! ایسا پیار؟ ہزار پھٹکار!

طغرل: اے خدا! میں کیا کروں؟

خیرسلا: ہرجانے کی نالش۔

طغرل: کس پر؟

خیرسلا: اپنے رقیب پر، اپنی معشوقہ کے عاشق پر۔

طغرل: تو کیا تسنیم کا دل کسی اور کا شیدا ہو گیا ہے؟

خیرسلا: جی ہاں جو ہنڈیا آپ مدت سے پکا رہے تھے اُس کا کھانے والا ایک اور پیدا ہو گیا ہے۔

طغرل: کون؟

خیرسلا: شہریار۔

طغرل: شہریار؟

خیرسلا: جی سرکار!

طغرل: مگر شہریار کو اس کی طرف دیکھنے کی جرأت کیوں کر ہوئی؟

خیرسلا: تو دیکھنے کے لئے کیا لائسنس کی ضرورت ہے؟

طغرل: ابے بدذات تیرا سر تو نہیں پھر گیا۔

خیرسلا: بے شک آثار تو ایسے ہی ہیں۔

طغرل: میرے پھول کی طرف اُسے ہاتھ بڑھانے کا کیا حق ہے؟

خیرسلا: بالکل نہیں! قانون صاف منع کرتا ہے۔
طغرل: کیا تسنیم میرے ہاتھ سے نکل جائے گی؟
خیرسلا: نہیں ہرگز نہیں!
طغرل: میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔
خیرسلا: بے شک حضور!
طغرل: بس نکل جا یہاں سے۔ میں اب تنہائی چاہتا ہوں۔
خیرسلا: مگر ایڈی کانگ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے۔
طغرل: ایڈی کانگ کا بچہ! نکل جا یہاں سے ورنہ کھا جاؤں گا کچا۔ ناہنجار، نابکار!
شہریار! میں تم سے ضرور انتقام لوں گا۔
خیرسلا: نہیں ایسا نہ کرنا۔
طغرل: ابے تو نہیں گیا نافرجام! کیوں کھڑا ہے؟
خیرسلا: آپ کو دلاسا دینے کے لئے۔
طغرل: مجھے تیرے دلاسے کی ضرورت نہیں۔
خیرسلا: حضور! آپ کو دلاسے کی سخت ضرورت ہے۔
طغرل: بس چلا جا! فوراً چلا جا! ورنہ تیرے انجر پنجر ڈھیلے کر دوں گا۔
شہریار: اچھا تسلیم!
طغرل: شہریار! شہریار! میں تیرا خون کر دوں گا۔
خیرسلا: مگر پولیس کو خبر نہ ہونے پائے۔
طغرل: ابے تو پھر بڑبڑایا۔ تو نہیں جائے گا خانہ خراب؟
خیرسلا: اچھا آداب!
طغرل: ناہنجار! نابکار! میں تم سے خوفناک انتقام لوں گا۔

خیر سلا: توبہ! توبہ! خوفناک انتقام جاب والا!
طغرل: یہ گستاخی؟ شریر رذالا!
(دونوں کا جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــ سین ساتواں

محل تسنیم

(تسنیم کا اندر سے گاتے ہوئے آنا)

گانا: کلیجوا میں ماری کٹاری، رے سپیہیا. ظلمی بانکے سپیہیا کارے مورے دیا ساتوا
صورت متواری سنیا. مدھر مدھر بولے جیسے مینا، پیرو کلیجوا مورے چھیلا
جھیرو امیں داروں بیاں گرداروں. کلیجوا........

نثر

شہریار: پیاری تسنیم صحیح ہے کہ عشق کے دیوانے کی آنکھیں نہیں ہوتیں.
تسنیم: یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟
شہریار: اگر آنکھیں ہوتیں تو مالدار کے آگے نادار شہریار ہرگز کامیابی نہ پاتا.
تسنیم: پیارے شہریار! آپ کی سمجھ دھوکا کھاتی ہے. دیکھو عشق کی بانسری کیا
راگ سناتی ہے.

گانا: چلے عشق کے آرے جگر پر دو دھارے. چین عاشق کو دم بھر کیوں کر ہو. چلے..
طبیعت کھیلی مصیبت جھیلی. بلا سر لے لی. یہن لگے سیلی پو جن عشق کو

دوہرا: پریم پیار جب تم دیو مت ہمری بورا ئی
ہردے بان نین کے لاگے سدھ بدھ بسرائی

پیاری پیاری بتیاں کرت چھتیاں۔ ملت بتیاں کٹت پیارے تورے واری پیارے جانے

(سہیلی کا آنا)

سہیلی: جناب عالی! آپ کو کوئی شخص دروازے پر پوچھ رہا ہے۔

شہریار: ذرا دیکھوں تو یہ کون ہے۔

تسنیم: مگر جلدی آنا دیر نہ لگانا۔

شہریار: میں ابھی آیا (جانا)

تسنیم: آہ! آہ! کیا شان پروردگار ہے۔ تسنیم کی دوسری بہشت کا نام شہریار ہے۔

گانا: ہاں رے کوئی بانکو سپیا لبھاتے گیورے۔ مورے جیا ہیا میں سمائے گیو رے ہاں رے۔ تن من بالا جوبن پیاری چھبن واروں سجن سیاں دیوانی بنائے کئے رجھانے کے سہائے۔ کوئی بانکو......

دوہرا: اور کچھ سوجھت ناہیں ایسی جھلک دکھائے
آن بسے نین میں مورے راکھوں پلک چھپائے

اب تو ہے دھیان یہی ان پر قربان گئی۔ تن من دھن وارا۔ اب تو ہے...

(گانے کے بعد طغرل کا آنا)

طغرل: بس آخری سوال اور آخری فیصلہ۔

تسنیم: ہیں یہ موذی سانپ کیا زہر اگلنے آیا ہے۔

طغرل: تسنیم ادھر آؤ۔ اور جو میں پوچھتا ہوں اُس کا جواب دو۔

تسنیم: جناب عالی! آپ نے کس لئے تکلیف فرمائی؟

طغرل: ؎ یہ پہنا طوق لعنت ۔ بے وفا عیّار کس کا ہے ؟
یہ پھانسی کس نے بھیجی ہے گلے میں ہار کس کا ہے ؟

تسنیم: ؎ پھانسی نہیں یہ پھانس ہے دشمن کے جگر میں
اور حلقۂ زنجیر وفا میری نظر میں!

طغرل: بیوقوف ؎ کانٹا کہاں اور ایک بُت لالہ رُو کہاں
ناچیز شہریار کہاں اور تو کہاں
زہر بلا وہ درخت ہے بھاگ اُس کی چھاؤں سے
اس ہار کو اُتار کے مل ڈال پاؤں سے

تسنیم: ؎ غیر ممکن ہے گلے سے دور میرے ہار ہو
چاہے جو آزار ہو یا زندگی کی ہار ہو

طغرل: نہیں ؟
تسنیم: ہرگز نہیں ۔

طغرل: ؎ یہی ضد یہی وتیرہ، اگر اے ستم شعار ہوگا
تو پھر نہ باقی گلا رہے گا اور نہ باقی یہ ہار ہوگا

تسنیم: ؎ چولی اب تو بندھ گئی ہے اُس کے دامن سے مری
ہار یہ زنہار اُترے گا نہ گردن سے مری

طغرل: ؎ ہار سر پہ رکھ کے روتے گی نصیبوں کے لئے
ایک دولت مند سے نفرت غریبوں کے لئے

تسنیم: ؎ شہریار اک تازہ فرحت ہے مرے گلزار کی
جان سے زیادہ محبت ہے مجھے اس ہار کی

طغرل: میرے آگے اس قدر توقیر نا ہنجار کی دیکھ یہ عزت ہے اُس کی اور اُس کے ہار کی

(جھٹکا مار کر ہار توڑ دینا)

تسنیم: آہ! او جلّاد، ظالم، پُرجفا! یہ کیا کیا؟

طغرل: جو ہوا اچھا ہوا جو کچھ کیا اچھا کیا؟

وہ بھی یاں ہوتا تو یوں ہی پائمالی دیکھتا
آسماں فرشِ زمین کو اس سے خالی دیکھتا

تسنیم: بس اس سے زیادہ میں اپنے پیارے کے متعلق سننا نہیں چاہتی۔

طغرل: کیا پیارا؟ وہ ذلیل آوارہ! ناکارہ شہریار اور تیرا پیارا؟

تسنیم: ہاں ہاں میرا پیارا۔

طغرل: تسنیم! ہوش سنبھال! دیکھ تو دھوکا کھا رہی ہے۔

تسنیم: چھوڑو، مجھے جانے دو۔ اب میں تمہارے لائق نہیں ہوں۔

طغرل: تو پھر تو کس کے لائق ہے؟

تسنیم: جو تمہاری نظروں میں نالائق ہے۔

طغرل: دیکھو تم دونوں پچھتاؤ گے۔

تسنیم: جیسا کروگے ویسا پاؤ گے۔

طغرل: مغرور! سرکش! مُردار! مجھ سا جرّار، ذی وقار، طرحدار، مالدار، عاشق زار اور شادی سے انکار؟

(شہریار کا آنا)

طغرل: لٹیرے، ڈاکو، مکار! آقا کا شکار، نمک پروار؟ شرم نہ آئی نابکار؟

شہریار: جناب اس خفگی کا سبب آپ بتا سکتے ہیں؟

طغرل: اچھی طرح بتا دیا جائے گا۔ بے ایمان نمک حرام!

شہریار: بس حضور! شہریار نوکر ہے نہ کہ غلام۔

طغرل : خدا کی شان ! کہاں زمین اور کہاں آسمان ! کہاں پھول کہاں ببول !
کہاں میٹھا شہد کہاں کڑوا نیم ! تو اور تسنیم ؟
شہریار : تو آپ اس لئے ناراض ہیں کہ میں تسنیم سے محبت کرتا ہوں۔
طغرل : مگر تجھے اس سے محبت کرنے کا حق کیا ہے ؟
شہریار : کیوں میں آدمی نہیں ہوں ؟ میرے سینے میں دل نہیں ہے ؟
طغرل : دور ہو، دور ہو، شہریار ! میرے راستے سے دور ہو۔
شہریار : آپ مجھے دھمکی دیتے ہیں ؟
طغرل : مجھ میں دھمکی دینے کی طاقت ہے۔
شہریار : آپ میں کوئی طاقت نہیں، یہ حماقت ہے۔
طغرل : ایک باادب ماتحت کی طرح گفتگو کر۔
شہریار : تو آپ بھی ایک افسر کی طرح کلام کریں۔
طغرل : دیکھ پچھتائے گا۔
شہریار : پتھر کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔
طغرل : گستاخی کا جواب خنجرِ آبدار ہے۔
شہریار : تو میرے پاس بھی اسی لوہے کی تلوار ہے۔
طغرل : تو کیا تو مجھ سے طاقت میں زیادہ ہے ؟
شہریار : اس کا جواب بازو دیں گے۔
طغرل : کیا تو مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے ؟
شہریار : اس کا جواب آئینہ دے گا۔
طغرل : کیا تو مجھ سے مقابلہ کر کے جیت جائے گا ؟
شہریار : اس کا جواب قسمت دے گی۔

طغرل : دیکھ میں تجھ سے زیادہ تسنیم کا حقدار ہوں۔
شہریار : کس طرح ؟
طغرل : اس طرح کہ تو ایک معمولی افسر ہے اور میں سپہ سالار ہوں۔
شہریار : تو کیا عشق و محبت پر سپہ سالاری کی مُہر لگی ہوتی ہے ؟
طغرل : چپ بدلگام !
شہریار : کیوں ؟
طغرل : کیونکہ تو میرا ماتحت ہے۔
شہریار : اگر افسری اور ماتحتی پر دار و مدار ہے تو بندہ ایسی نوکری سے بیزار ہے۔
طغرل : شہریار ! ہوش سنبھال !
شہریار : اپنی نوکری بھاڑ میں ڈال۔
طغرل : یہ ہے پکڑ لو ! پکڑ لو !

(شہریار کو سپاہیوں کا گرفتار کرکے لے جانا)

تسنیم : دھوکا دھوکا یا پروردگار !
طغرل : بس خبردار ! (جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــ سین آٹھواں

محلِ ممتاز

ممتاز : وٹ از دس نان سنس[1] یہ مردود سے تو ہمیں کچھ خیال میں نہیں لاتے۔ کہتے ہیں

---

[1] WHAT IS THIS NONSENSE

کہ ہم عورتوں کو پاؤں کی جوتی کے برابر سمجھتے ہیں۔ گھر میں جھاڑو ہم دیں۔ برتن ہم صاف کریں۔ روٹی ہم پکادیں بچے ہم پالیں۔ غرضیکہ تمام گھر کا کام تو ہم کریں اور ذرا کہیں باہر سیر کو یا تفریح کرنے کو جاویں تو کیوں گئی۔ کھڑکی میں سے کیوں جھانکی ؟ اُسے کیوں دیکھا اُس سے کیوں آنکھ ملائی ؟ مگر شکر ہے کہ پہلے سی اب بیوقوف نہیں ہوں۔ کچھ انگریزی پڑھنے لکھنے سے کچھ مس خیر سلا کی صحبت میں رہنے سے آٹھوں گانٹھ کمیت ہوگئی ہوں۔ اب میاں کی ایک نہیں مانتی ہوں۔ اگر کچھ کہتے ہیں تو ایک ایک کی دس دس سناتی ہوں۔ گھرداری کا کام نہیں کرتی ہوں۔

گاما : گھرداری سنساری ناری کیا جانو۔ کیسو ہے پاپو بھانو روا، ایسورہ کے ڈرکے موہے نیہڑوا۔ ولسے بجرے مورا جگروا۔ گھر کی گھر کی جھڑکی نت نت جربجر مورا جیارا، کاٹ کاٹ موہے قید گھردا ردکت مورا۔ جگہ دیاہے سبھاؤ گھرداری۔

(گاتے ہوئے اندر جانا۔ ماشاء اللہ کا ڈھونڈتے ہوئے آنا)

ماشاء اللہ : ہیں کدھر گئی ؟ زمین کھا گئی یا ہوا میں اُڑ گئی۔ مکان کے دالان میں گھر کے آنگن میں کوٹھے کے چھجے کے نیچے، اناج کے مٹکے میں، مرغی کے ڈربے میں، پانی کے گھڑے میں، سب جگہ چھان مارا۔ مگر حیرت، تعجب! پورے ساڑھے پانچ فٹ کا آدمی غائب۔ افسوس میری بیوی نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں نے بھی کیا بیوقوفی کی کہ اس کو انگریزی پڑھائی جو بات بات میں اب میرا ناطقہ بند کرتی ہے بلکہ اُستانی بن کر مجھے سبق پڑھاتی ہے۔ بغیر پوچھے مجھے جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ جس کو چاہتی ہے گھر میں بلاتی ہے یا باری تعالیٰ اب تو ہی ہے میری عزت بچانے والا۔

(خیر سلا کا آنا)

خیر سلا: کیوں جناب والا ؟
ماشاءاللہ: کون خیر سلا ؟ خوب روؤ۔
خیر سلا: ارے پر کیوں روؤں ؟ کون مر گیا ؟
ماشاءاللہ: میری مصیبت پر، میری حالت پر۔
خیر سلا: کیوں کیوں ؟ کچھ خیر ہے ؟
ماشاءاللہ: خیر کیسی ؟ جس گھر میں عورت ایسی ہو وہاں خیر کیسی ؟ (ممتاز کا آنا)
ممتاز: کیا کہا ؟ کیوں صاحب ! یہ کیا کہہ رہے ہیں ؟
خیر سلا: آئی بیچارے کی کمبختی۔ کچھ نہیں ذرا آپ کی تعریف کر رہے تھے۔
ماشاءاللہ: تو جھوٹا ہے۔ اس میں خوبی ہی کونسی ہے جو میں تعریف کروں۔
خیر سلا: تو اس میں بُرائی کون سی ہے ؟
ماشاءاللہ: ایک بُرائی نہیں لاکھ۔ ممتاز ! جھوٹے کے منہ میں راکھ۔
خیر سلا: واہ بھائی ! یہ تو میری جورو کی بھی نانی ہے۔
ماشاءاللہ: عورت اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ آزاد پھرا کرے ؟
ممتاز: نہیں تو کیا کرے ؟
ماشاءاللہ: گھر سنبھالے اور بچے پالے۔
خیر سلا: تو کیا عورت کوئی مرغی ہے جو بچوں کو لے کر دڑبے میں بیٹھی رہے۔
ممتاز: ہاں دیکھو صاحب کیا خدا نے عورتوں کو ایسے ذلیل کام کے لئے پیدا کیا ہے۔
ماشاءاللہ: پھر کس لئے پیدا کیا ہے ؟
ممتاز: عورت کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اچھا سے اچھا کھائے اور عمدہ سے عمدہ پہنے۔ سیر و تماشے میں جائے۔ تھیٹر دیکھے۔ پارٹی دے، لیکچر دے، ڈانس کرے۔

خیر سلا: پروگرام بالکل برابر ہے۔
ماشاء اللہ: مرد کی بات نہ ماننا یہ عورت کو زیبا نہیں۔
خیر سلا: ہرگز نہیں۔
ممتاز: عورت کو دن بھر قید رکھنا کیا زیبا ہے؟
خیر سلا: کبھی نہیں۔
ممتاز: اگر ضرورت پڑے اور عورت باہر جاوے تو کیا نقصان ہے؟
خیر سلا: کچھ بھی نہیں۔
ماشاء اللہ: مردوں کو راضی کرنا عورتوں کا فرض ہے۔
خیر سلا: برابر۔
ممتاز: عورتوں کو خوش رکھنا مردوں کا کام ہے۔
خیر سلا: یہ بھی برابر۔
ماشاء اللہ: لاحول ولا قوت! یہ بھی برابر اور وہ بھی برابر۔
خیر سلا: اور کیا؟
ماشاء اللہ: اچھا تجھے میری رائے سے اتفاق ہے؟
خیر سلا: اتفاق ہے۔
ممتاز: اور میری رائے سے؟
خیر سلا: اتفاق ہے۔
ماشاء اللہ: ٹھیک!
خیر سلا: مرد کا رتبہ ......
ممتاز: مگر اس ترقی کے زمانے میں عورت کا رتبہ زیادہ ہے یا مرد کا؟
خیر سلا: عورت کا۔

ماشاءاللہ : عجب ڈھلمل ہے ۔ تھالی کے بینگن کی طرح ادھر بھی لڑھکتا ہے اُدھر بھی ۔
خیر سلا : ارے یار خفا کیوں ہوتا ہے؟ میں تو برابر کا فیصلہ کر رہا ہوں ۔
ماشاءاللہ : نہیں ! کبھی نہیں آگ اور پانی برابر نہیں ہو سکتے ۔ چاہے شیطان ہو چاہے گدھا ۔
خیر سلا : اگر تم آدمی ہوتے تو میرے فیصلے کی تعریف کرتے ۔
ممتاز : میاں دنیا میں تمہارا حصّہ ہے تو ہمارا بھی ہے ۔ تم آزادی برتو گے تو ہم آزادی برتیں گے ۔ تم باہر چاین اُڑاؤ گے تو ہم بھی مردوں سے عیش اُڑائیں گی ۔ کیا خدا نے تم کو انسان بنایا ہے اور ہم کو جانور ۔ (تینوں کا مل کر گانا)

گانا

ممتاز : ہم بھی موٹر پہ سیکل پہ سیر کرن نت جائیں ۔
خیر سلا : اجی بے شک جہاں من بھاکے وہاں جائیں ۔
ماشاءاللہ : بتیاں کیوں نہ بنیں بھائیے فیشن کو جھلسا ۔
ممتاز : بتیاں ساری ٹھیک ہیں اُن کی یہی چاہت ہے منوا ۔
پھاڑ پھینکوں میں دیسی ساڑھی ۔ پہنوں انگریزی پوشاک بھاری ۔ پھر جھنجھوں تو چپی نہ پڑے ۔
خیر سلا : ٹینس کھیلو ۔ تھیٹر دیکھو ۔ ہم بھی موٹر پہ .... (جانا)
نثر : کیوں دیکھا عورتوں کو انگریزی پڑھانے کا نتیجہ ؟ میں نہ کہتا تھا کہ عورتوں کو انگریزی نہ پڑھاؤ ۔ اُس وقت نہ مانا ۔ اب بھگتو سزا ۔
ماشاءاللہ : توبہ ! توبہ ! عورت ہے یا چینی بلّا ؟
خیر سلا : ارے تیسری عورت کے ہی تو یہ سارے وتیرے ہیں ۔ جب سے

وہ فیشن ایبل بلا میرے گھر میں آنے جانے لگی ہے تب سے میری عورت کا ستیاناس ہو گیا ہے۔

خیرسلا: ارے کیوں میری بیوی پر الزام لگاتا ہے۔ تو یہ کر نہیں تو بخشا نہ جاتے گا۔

ماشاءاللہ: بس یہی جی میں آتا ہے کہ اپنے بھیجے میں پستول مار کر مرجاؤں۔

خیرسلا: اس میں اس کے باپ کا کیا جاتے گا؟ وہ کوئی اور مشٹنڈا کرلے گی۔

ماشاءاللہ: جا جا دل لگی نہ کر۔ میں آگے ہی عورت کا ستایا ہوا ہوں۔ ضرور اس نے کوئی یار رکھا ہوا ہے۔

خیرسلا: مگر یار تو کسے کہتا ہے؟

ماشاءاللہ: ارے میرے یار! خیراتی، شیخ شبراتی، خدا بخش قصائی، گھسیٹا حلوائی، سلارو نانبائی، پیرو بھٹیارا، کلو گھسیارا۔ یار ان سب نے میرے گھر کو بھنڈار خانہ بنا رکھا ہے۔

خیرسلا: ارے یہ صرف دھوکا ہے۔ کیوں جی جلاتا ہے۔

ماشاءاللہ: نہیں! نہیں! وہ ضرور روز آتا ہے اور میری عورت اُسے کہیں چھپا دیتی ہے۔

خیرسلا: ارے تجھے ضرور کسی نے بہکایا ہے۔

ماشاءاللہ: بس کچھ نہیں۔ اس اٹھائی گیرے پر، اس عورت پر، اس گھر پر لعنت کرتا ہوں۔ تو میرا دوست ہے کہ نہیں؟

خیرسلا: دوست کیوں نہیں ہوں۔

ماشاءاللہ: اور سچا دوست؟

خیرسلا: صدق دل سے۔

ماشاءاللہ: تو میرا ساتھ دے گا؟

خیرسلا: ضرور!
ماشاءاللہ: کہاں تک؟
خیرسلا: اس جہان میں قبر تک۔ اُس جہان میں جہنّم تک۔
ماشاءاللہ: دو ہاتھ۔
خیرسلا: یہ لے
ماشاءاللہ: ہیں! ہاتھ کے بدلے پاؤں۔
خیرسلا: یعنی بندہ اپنے قدم پر قائم رہے گا۔
ماشاءاللہ: تو سُن! اب یہ عورت میرے کسی کام کی نہیں رہی۔
خیرسلا: عورت کام کی نہیں رہی یا تم عورت کے کام کے نہیں رہے۔
ماشاءاللہ: میں اب اُس کا منہ دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہوں۔
خیرسلا: مگر وہ بھی تمہارا منہ دیکھنا نہیں چاہتی۔
ماشاءاللہ: بس! اب میں نے یہ ٹھان لی ہے کہ پستول کے ذریعہ اپنی غمگین زندگی کا خاتمہ کر دوں۔
خیرسلا: ارے یار! کہیں سچ مچ ایسا نہ کرنا۔
ماشاءاللہ: مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑے گا۔ اور تجھے بھی میرے ساتھ مرنا پڑے گا۔
خیرسلا: ہیں ہیں!
ماشاءاللہ: ہیں ویں کچھ نہیں، چل تیار ہو جا۔
خیرسلا: تیار ہو جا! وہ کس لئے؟
ماشاءاللہ: میرے ساتھ مرنے کے لئے۔
خیرسلا: ارے مرنے؟ میں کیوں مرنے لگا؟
ماشاءاللہ: کیوں تو نے ابھی نہیں کہا تھا کہ میں قبر تک ساتھ دوں گا؟

خیرسلا : میں قبر تک ساتھ دینے کو تیار ہوں۔
ماشاءاللہ : وہ کس طرح ؟
خیرسلا : اس طرح کہ تو مر جائیں تجھے نہلاؤں گا۔ کفن منگاؤں گا۔ اُسے سِلاؤں گا۔
پھر تجھے کفناؤں گا۔ جنازے میں رکھ کر قبرستان تک لے جاؤں گا۔ چاہے
ابھی مر کے دیکھ لے۔
ماشاءاللہ : تو ساتھ کے یہی معنی ہیں۔
خیرسلا : نہیں تو اور کیا بن بلائے خدا گنج کو جاؤں ؟
ماشاءاللہ : دیکھ، یہ دنیا ایک دوزخ ہے اور وہاں بہشت ملے گی۔
خیرسلا : بھائی تو ہی بہشت میں چلا جا۔ گنہگار کو اس دوزخ میں ہی پڑا رہنے
دے۔ مگر تو خواہ مخواہ کیوں جانے کو تیار ہے ؟
ماشاءاللہ : اس لئے کہ میری بیوی بدکار ہے۔
خیرسلا : بدکام کرتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا ؟
ماشاءاللہ : مگر کانوں سے تو سُنا۔
خیرسلا : بھلے آدمی کوئی کہہ دے کہ تو مرغی کے انڈے سے پیدا ہوا ہے تو اس کو
مان لے گا ؟ اس لئے ایسا کر کہ میں بھیس بدل کر تیری عورت کے پاس جاتا
ہوں اور تیرے مرنے کی خبر سناتا ہوں۔ اگر وہ سُن کر روئے تو نیک ہے اور
بے پرواہی کرے اور ہنسے تو سمجھ لینا بدکار ہے۔ پھر تجھے اختیار ہے۔
ماشاءاللہ : ٹھیک ہے۔ منظور ہے ضرور جانا اور جلد آکر خبر سُنانا۔ اب میں جاتا ہوں

(ماشاءاللہ کا جانا)

خیرسلا : توبہ ! توبہ ! کیسا جن سوار ہے۔ کمبخت اپنے ساتھ مجھے بھی مارنے کو
تیار ہے۔ یہ تو ان عورتوں کا سب فتور ہے۔ میرا بس چلے تو سب داڑھی

مونچھوں والے مردوں کو ساتھ لے کر خدا سے فریاد کروں اور ان عورتوں کا پیدا ہونا ہی بند کرادوں ۔ (جانا)

سین ختم

باب دوسرا ـــــــــ سین نواں

کورٹ مارشل

طغرل : سناؤ ۔

سررشتہ دار : علیہ حضرت ملکہ معظمہ شمسہ نامی کے فوجی قانون کے منظور کردہ اور نواب قتلو خاں کے حسب منشا بارھویں رجمنٹ کے لفٹنٹ شہر یار ولد شیر افگن ملزم پر مندرجہ ذیل جرائم قائم کئے گئے ہیں اوّل افسران بالا کی بلا اجازت چھاؤنی سے غیر حاضر رہنا ۔ دوّم بغیر استعفےٰ دئے ملازمت چھوڑ دینا ۔ سوم اپنے افسر طغرل بیگ پر بحالت ادائے فرض مہلک حملہ کرنا ۔ مذکورہ بالا تمام جرائم فوجی ارا‌کین مندرجہ ذیل کے روبرو پیش کئے گئے ۔ جنرل شاہ نواز ۔ کرنل ظفر مرزا ۔ میجر دلاور خاں ۔ ڈپٹی ظہور بیگ ۔ ملزم نے اپنی بریّت کی تائید میں اور مندرجہ بالا جرائم کی تردید میں جو ثبوت پیش کئے وہ استغاثہ کی روئداد سے بے سود ٹھہرائے گئے ۔ لہٰذا عدالت نے مجبور ہو کر بتاریخ ۲۵ محرم الحرام ۱۲۰۶ھ ہجری بروز چہار شنبہ بمقام قاہرہ کیمپ ، حکم دیا ہے کہ ٹھیک بارہ بجے دن کے گولی مار کر ملزم شہر یار کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے گا ۔ دستخط عزّت پاشا کورٹ مارشل چوبیس محرم ۱۲۰۶ھ مقام قاہرہ کیمپ ۔

ایک افسر: شہریار! چند منٹ کے بعد موت آکر تم سے مصافحہ کرے گی۔ کیا تم
ایک دلیر سپاہی کی طرح اُس کے استقبال کے لئے تیار ہو؟
شہریار: بے شک تیار ہوں۔
افسر: کوئی خواہش ہے؟
شہریار: کوئی نہیں۔
افسر: کچھ کہنا چاہتے ہو؟
شہریار: کچھ نہیں۔
افسر: کچھ بھی؟
شہریار: کیا کہوں؟ جو انصاف اور قانون کے گلے پر چھُری چلائیں، عدالت کا
مضحکہ اُڑائیں اُن سے کیا کہوں۔
دوسرا: تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ انصاف سے ہوا ہے۔
شہریار: جھوٹے ہو، تم سب جھوٹے ہو۔
طغرل: یہ بیہودہ بکواس تیرے سینے کو گولیوں کا نشانہ بنانے سے نہیں روک سکتی۔
شہریار: چُپ! بزدل! نامرد! میں تجھ سے بات کرنا بھی اپنی بے عزّتی سمجھتا ہوں
اگر تو مرد ہوتا تو تلوار لے کر میدان میں آجاتا اور اپنی شکست کا بدلہ لیتا۔ ایک
شریف سپاہی کو مارتا یا مر جاتا ؎

سامنے آکر لڑے جو مرد اُس کا نام ہے   آڑ سے کر وار کرنا بزدلوں کا کام ہے

طغرل: احمق! اب تیرے پاس صرف چند سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔ انھیں بیہودہ
بکواس میں ضائع نہ کر بلکہ موت کے ماتم میں صرف کر۔
شہریار: موت پر ماتم کرنا یا رونا عورتوں یا تیرے جیسے نامردوں کا کام ہے۔ موت
کیا ہے؟ ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر جانے کا نام ہے۔ ؎

خضر ہو یا کوئی عیسیٰ ہو گو مرنا ہے　　اُس کو اس منزل ہستی سے سفر کرنا ہے
صاحبِ تاج گئے، مفلس و محتاج گئے　　ہم بھی جانے ہیں اگر کل نہ گئے آج گئے

طغرل: تو کیا تجھے اپنے مرنے کا غم نہیں؟

شہریار: مطلق نہیں۔ مگر ہاں ایک غم پیاری تسنیم جاں سوز کا ہے کہ اس دغا باز دنیا میں اُسے تنہا چھوڑے جاتا ہوں۔

طغرل: زندگی میں بھی تسنیم اور مرتے وقت بھی تسنیم۔ او بدنصیب!

تسنیم نظر آئے گی اب میری بغل میں　　تو قبر میں ہوگا وہ مرے رنگ محل میں

شہریار: ہرگز نہیں! ستارے سیاہ ہو جائیں، چاند سورج مل کر ٹکرا جائیں اور تباہ ہو جائیں۔ فرشتے گمراہ ہو جائیں مگر تیری امیدوں کی دنیا اندھیری رہے گی تسنیم میری تھی اور میری رہے گی۔ (تسنیم کا شہریار سے گلے ملنا)

تسنیم: ہاں! ہاں! تیری ہوں اور تیری ہی رہوں گی۔

طغرل: کم بخت! نامراد! کیا تو اس بدنصیب کی لاش پر ماتم کرنے آئی ہے؟

تسنیم: نہیں میں یہ کہنے آئی ہوں کہ موت ہر وقت حملہ کرنے کو تیار ہے اور وہ ہاتھ جس نے بڑے بڑے فرعونوں کو نیست و نابود کر دیا ابھی تک ویسا ہی قہار ہے

اگر جانتے ہو کہ تم اک بشر ہو　　اگر اپنی طاقت کی تم کو خبر ہو
تو ہستی مٹاؤ نہ اس بے خطا کی　　کرو رحم، رحم اک صفت ہے خدا کی

شہریار: وہ رحم جو شیطان کے آگے ہاتھ پھیلا کر گڑگڑا کر حاصل کیا جاوے مجھے نہیں چاہئے۔

تسنیم: نہیں پیارے ٹھہرو! مجھے بولنے دو۔ قسمت آزمانے دو۔

سررشتہ دار: نہیں! جس کے واسطے عدالت سے سزائے موت کا حکم ہو چکا ہے اس کے لئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

تسنیم : اگر عدالت سے موت کا حکم ہو چکا ہے تو میں تمہاری انسانیت کی عدالت میں اپیل کرتی ہوں ۔

شہریار : تسنیم ! اپنے منہ کے موتیوں کو ان کتوں کے آگے نہ ڈال ۔ کیا تو میرے حریف کے سامنے مرتے وقت شرمندہ کرنے آئی ہے ؟ بس کر مجھے مرنے دے ۔

تسنیم : دو منٹ ! صرف دو منٹ ! مجھے اور بولنے دو ۔

شہریار : نہیں ! تسنیم نہیں !

تسنیم : میرے پیارے تم کیا کہتے ہو ؟

شہریار : یہی کہ میں بدنصیب ہوں عقل کی روشنی میں میرے بعد تم اپنے لئے کوئی نایاب ہیرا پسند کر لینا ۔

تسنیم : پیارے ! تم میری محبت کو بازاری عورتوں کی محبت کی طرح جانتے ہو؟ مجھے بے وفا گردانتے ہو ؟

سررشتہ دار : وقت پورا ہوا ۔

طغرل : ہٹ جاؤ !

تسنیم : نہیں ! ہرگز نہیں ! جب تک میں لاش بن کر اپنے پیارے کے قدموں پر گر کر جان نہ دے دوں مجھے کوئی نہیں اٹھا سکتا ۔

طغرل : دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ اس کمبخت کے لئے اپنی جان نہ دے ۔

تسنیم : اور میں بھی یہی کہتی ہوں کہ چند روزہ زندگی کے لئے ایمان نہ دے ؎

چار دن ہے شان و شوکت چار دن کا جبر ہے
پھر خدا ہے اور تو ہے پھر اندھیری قبر ہے

طغرل : بیوقوف کیا اس اجل رسیدہ کے ساتھ تو بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھوئے گی ؟

تسنیم : ؎ چھن گئیں آنکھیں تو پھر اس زندگی کو کیا کروں
زندگی کا سکھ گیا تو زندگی کو کیا کروں

عورتوں کا فرض ہے اور دین ہے ایمان ہے ایسے سُنے پر مری سو زندگی قربان ہے

طغرل : نہیں ہٹتی تو اس کے ساتھ اس مردار کو بھی جہنم میں پہنچا دو۔
تسنیم : او فرشتو ! میرے فرشتے کو بچاؤ۔
(جنرل قہرمان کا اندر سے فیر کرنا اور جلادوں کا مر جانا، سپاہیوں کا جنرل قہرمان کے ہمراہ آنا اور طغرل کا بھاگ جانا۔ ڈراپ کا گرنا)

ڈراپ سین

باب تیسرا ——— سین پہلا

بیچ کا جنگل

سہیل : دیکھو ہم کیسے پر فضا مقام پر رہتے ہیں۔ بلبلوں کی کلیل کوئل کی کوکو۔ سارے درخت پُر آب سبزہ شاداب۔ پھل پھول بہار دکھلاتے ہیں۔ دل کو کیسی فرحت پہنچاتے ہیں۔
ہشام : بے شک حضور صنعتِ کردگار ہے، عجیب بہار ہے۔
سہیل : جہاں بھر کا سامانِ راحت یہیں ہے
یہ جنگل نہیں ہے بہشت بریں ہے
گانا : اس جنگل میں جو کوئی سیر کو آوے، فرحت پاوے من بھاوے۔ جما ہے رنگ برنگ کا، قدرت پر ہوں نثار، لالہ زار، ہر طرف چھائی ہے بہار، دل

کا اس میں لگن ہے۔ چمن میں رشکِ عدن ہے ماہ ختن۔ پیاری پھبن پر من للچاتے۔ اس جنگل ۔۔۔۔۔۔ (سپاہیوں کا آنا)

پہلا: یہی ہے پکڑ لو۔

سہیل: نہیں نہیں میں نہیں جاؤں گا۔

ہشام: چھوڑو بدکارو اسے چھوڑ دو۔

سپاہی: ناہنجار! بند کر تکرار۔

ہشام: خونی، لٹیرے، چور۔ دوڑو! دوڑو!

طاہرہ: ہشام تم خون میں تر ہو۔

ہشام: میری فکر چھوڑ دو۔ مجھے مرنے دو۔ جاؤ سہیل کو دشمنوں کے پنجے سے چھڑاؤ۔

طاہرہ: کیا سہیل گرفتار ہو گیا؟

ہشام: افسوس! قسمت! مجبوری!

طاہرہ: نہیں نہیں وہ کبھی ضائع نہیں ہوگا۔ جب تک میں زندہ ہوں اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔

شہریار: جلدی چلو اور اپنے پیارے بچے کو دشمنوں سے بچاؤ۔

پہلا ساتھی: اب کیا کرنا چاہیئے؟

شہریار: ہمت اور مدد۔ (جانا)

باب تیسرا ——— سین دوسرا

محل

شمسہ: تنلو کیا خبر لائے ہو؟

قتلو : میں ایسی خبر لایا ہوں جس کو سُن کر اچھل پڑو گی ۔
شمسہ : واقعی کوئی ایسی بات ہے ؟
قتلو : بڑی خوشی کی بات ہے ۔
شمسہ : جلدی کہو ۔ نہیں تو مجھے دیوانے پن کا عارضہ ہو جائے گا ۔
قتلو : تو سنو سہیل ہمارے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا ۔
شمسہ : یہ میں کیا سنتی ہوں ؟
قتلو : جو میں کہتا ہوں ۔
شمسہ : بس تو جلدی کرو ۔

آستیں اُلٹو چھری لو آج در د سر گیا   آکے پھر جلدی کہو مجھ سے کہ موذی مر گیا

قتلو : نہیں ! نہیں ! اس طرح مارنا اچھا نہ ہو گا ۔
شمسہ : کیوں اس میں کیا قباحت ہے ؟
قتلو : ایک خاص مصلحت ہے ۔
شمسہ : آخر کیا وجہ ہے ؟ میں بھی تو سنوں ۔
قتلو : اگر یوں کھلے طور پر سہیل کو قتل کر دیں گے تو رعایا ضرور بدگمان ہو جائے گی ۔
یہ خوف ہے کہ بغاوت پر سر اُٹھائے گی ۔
شمسہ : پھر کیا تدبیر ہے جس سے یہ موذی ذکان ہو اور مجھے اطمینان ہو ۔
قتلو : جس مکان میں سہیل کو قید کیا ہے کل رات کو ۱۲ بجے سرنگ کے ذریعہ بارود
سے اُڑا دیں گے اور یہ کہہ دیں گے کہ اتفاقیہ امر یہ مکان گر گیا ۔
شمسہ : بہت خوب رائے ہے ۔ اچھا جاؤ سرنگ کا انتظام کرو ۔
قتلو : میں ابھی جاتا ہوں ۔ مگر وہ شادی کا قول ؟
شمسہ : گھبراؤ نہیں ۔ وہ مجھے یاد ہے ۔ ذرا سہیل کا خاتمہ ہو لینے دو پھر شوق

سے شادی کرو۔

قتلو: بہت اچھا! (جانا)

شمسہ: او بے وقوف انسان! شادی کس سے؟ مجھ سے! جس نے سلطنت اور حکومت کے لئے اپنے بھائی بہن کو تیرے ہی ہاتھ سے قتل کرا کے ٹھکانے لگا دیا، اس سے تو شادی کرنے آیا ہے۔ ذرا سہیل کا کام ہو جانے دے۔ پھر تیرا بھی خاتمہ کر دیا جاتے گا۔

میں کیا بلا ہوں ابھی جانتا نہیں مجھ کو　　غضب کی آگ ہوں پہچانتا نہیں مجھ کو

مری کٹار کسی دن ہے اور گلو تیرا　　میں وہ بلا ہوں کہ پی جاؤں گی لہو تیرا

سین ختم

باب تیسرا　　سین تیسرا

محل الماری والا

ممتاز: معلوم نہیں مس خیر سلا ابھی تک کیوں نہیں آئیں۔ میں نے ان کے لئے پارٹی کی ہے اور انہوں نے تھیٹر چلنے کا وعدہ کیا ہے۔

میم: (آ کر) ممتاز مجھے معاف کرنا کہ ٹائم کچھ ایسا زیادہ نہیں ہوا ہے۔

ممتاز: آہا! آپ آگئیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ ٹائم کچھ زیادہ نہیں ہوا ہے۔

میم: مگر اس دیر سے ایک عمدہ بات ہاتھ آگئی۔

ممتاز: فرمایئے! وہ کیا بات ہے؟

میم: میں جیسے ہی آپ کے کارسٹون کے اندر آئی تو ایک درخت کے نیچے کیا

دیکھتی ہوں کہ میرے میاں خیر سلا بہروپیا بنے پھر رہے ہیں اور آپ کے شوہر اُن کی مدد کر رہے ہیں۔

ممتاز: یہ تو نہایت مزے کی بات ہے۔

میم: اور وہ غالباً یہیں آویں گے۔

ممتاز: یہ کیسے معلوم ہوا؟

میم: اُن کی باتوں سے معلوم ہوا۔

ممتاز: اگر یہاں کچھ رنگ جمائیں گے تو ہم بھی اُنھیں خوب بنائیں گے۔

میم: دیکھو تو سہی کیسا چٹکیوں میں اڑائیں گے۔ دیکھئے وہ آ رہے ہیں۔

ممتاز: اچھا تو وہاں کب چلو گی؟

میم: میں بالکل تیار ہوں۔

خیر سلا: (آکر) اب مجھے مردے کی خبر پہنچانی چاہئے[1]۔ ہائے ہائے بڑا غضب ہو گیا بے چارہ مر گیا۔

ممتاز: کیوں صاحب! آپ کیا فرماتے ہیں؟

خیر سلا: ماشاء اللہ! آپ کے کون تھے؟

ممتاز: میرے شوہر تھے۔

خیر سلا: مجھے کہتے ہوتے رونا آتا ہے۔

ممتاز: مجھے تمہارے رونے پر ہنسی آتی ہے۔

خیر سلا: مگر ہنسنے کے بعد آپ ضرور روئیں گی۔

ممتاز: امید تو نہیں، مگر آپ کہیں تو سہی۔

خیر سلا: وہ بے چارہ مر گیا۔

ممتاز: بس! اس لئے آپ روتے ہیں؟

[1] علیحدہ

خیرسلا : تو یہاں تو کچھ اثر ہی نہ ہوا[1]۔
ممتاز : کیوں ، مس صاحبہ ! آپ کی اس معاملے میں کیا رائے ہے ؟
میم : اجی جانے دو۔ اگر شوہر مر جائے تو میں سمجھوں گی گھر کا کتا مر گیا۔
خیرسلا : دیکھو کتیا مجھے کتا بناتی ہے ۔
ممتاز : تاہم اس خبر سے میرے نازک دل کو نہایت صدمہ پہنچا ہے ۔
خیرسلا : یہ تو آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے ، مگر اب کیا کرو گی ؟
ممتاز : کروں گی کیا ؟ کوئی اور مسٹنڈا مرد کر لوں گی ؟
خیرسلا : یہ تو مجھے پہلے ہی یقین تھا ۔
ممتاز : کیوں صاحب ! آپ کا اس معاملے میں کیا خیال ہے ؟
خیرسلا : سو آپ کا اور ان کا خیال ہے ۔
ممتاز : میں میاں کے مرنے کی خوشی میں جلسہ کراؤں گی ، پارٹی دوں گی ، ڈانس کروں گی ۔
خیرسلا : بھئی واہ ! اچھا میاں کا سوگ کرتی ہے ۔
میم : اگر میرا شوہر بھی جہنم واصل ہو جائے ۔ میں بھی کوئی مرد کر لوں ، خوب مزے اڑاؤں ۔
خیرسلا : دیکھو صلاح بھی مجھ ہی سے پوچھتی ہے ۔ بھلا اب رنڈوا مرد کرو گی یا کنوارا ؟
میم : کنوارا ہو مگر بیوقوف اور مالدار ہو ۔
خیرسلا : تو بیوقوف تو ایک میں ہی موجود ہوں ۔
میم : ایک اور بھی ہے ۔
خیرسلا : وہ کون ؟
میم : میرا شوہر خیرسلا ۔

[1] علیحدہ

خیرسلا : مگر میں نے سُنا ہے کہ وہ بڑا ہوشیار ہے ۔
میم : اجی وہ تو بالکل گدھا ہے ۔ ایک دن میں ڈاکٹر محبت خاں سے گال اور کِس کھیل رہی تھی ۔
خیرسلا : یہ کھیل کیسا ہوتا ہے ؟
میم : اس کا نام ہے کِسنگ ۔
خیرسلا : پھر کیا ہوا ؟
میم : میں نے جھوٹ دانت کے درد کا بہانہ کرکے ٹال دیا ۔
خیرسلا : بہت تیزی کی ۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو گلا ہی دبا تا ۔ اچھا غیر مرد کو تم نے بوسہ دیا ؟
میم : اس سے کیا ہوا ؟ جب میں کنواری تھی ایک بوسہ کی دو گنّی لیتی تھی ۔ اب چونکہ میرا بیاہ ہوگیا ہے اس لئے اب ایک بوسہ کی ایک گنّی لیتی ہوں ۔
خیرسلا : بھئی واہ ! عورت کیا ہے گویا بوسوں کی مارکیٹ ہے ۔ جتنے کا بوسہ چاہو لے لو ۔
میم : کہئے ! آپ کو کہاں کا بوسہ چاہئے ؟
خیرسلا : میرے پاس تو ہاف گنّی ہے ۔
میم : تو ہاف گنّی میں ہاتھ کا بوسہ دوں گی ۔ چلو جلدی نکالو ۔
خیرسلا : مگر اس وقت مجھے نہیں چاہئے ۔
میم : کیوں نہیں چاہئے ؟ آپ کو ضرور بوسہ لینا پڑے گا ۔
خیرسلا : ہاں کچھ زبردستی ہے ۔
میم : بے شک ! پہلے بھاؤ کیوں پوچھا ؟ تم یوں نہ مانو گے (ہاتھ سے گنّی چھین لینا) اب ہاتھ کا بوسہ لینا ہے تو لو ورنہ یوں ہی چل دو ۔
خیرسلا : اچھا صاحب ہاتھ ہی کا بوسہ دے دو ۔
میم : کیوں صاحب ! بوسہ کیسا میٹھا ہے ؟

خیرسلا: بوسہ تو میٹھا تھا مگر گنّی لینے سے کڑوا ہو گیا۔
میم: اچھا صاحب! پھر کبھی بوسے کا شوق ہو تو ضرور آئیے گا (جانا)
خیرسلا: بھئی واہ! لوگ دعائیں مانگتے ہیں کہ خدا کرے ہمیں کماؤ بیٹا نصیب ہو مگر ہم کو بغیر دعا مانگے کماؤ جورو مل گئی۔ اگر بوسوں کی ایک جنرل ٹریڈنگ ایجنسی کھول دوں تو یاروں کا پلاؤ اور مٹن چاپ کہیں نہیں گیا۔
ماشاءاللہ: (آکر) مرنے کی خبر لے کر آئے ہو، یا خود ہی مر رہے ہو؟
خیرسلا: واہ! خوب مزا رہا۔
ماشاءاللہ: میں کیا پوچھتا ہوں؟
خیرسلا: ارے یار (ہنس ہنس کر)
ماشاءاللہ: کیا بک رہا ہے؟
خیرسلا: بندہ بک نہیں رہا ہے، سچ کہہ رہا ہے۔
ماشاءاللہ: ارے تو نے اور اُس نے کیا کہا؟
خیرسلا: اُس نے کہا، میرا بوسہ لے۔
ماشاءاللہ: ہیں اُس بے شرم نے یہ کہا؟
خیرسلا: ہاں تو مجھے بوسہ لینا ہی پڑا۔
ماشاءاللہ: کیا کہا؟ ذلیل! بدمعاش! تو نے اُس کا بوسہ لیا؟
خیرسلا: اُس نے جبراً دیا تو میں نے لے لیا۔
ماشاءاللہ: مگر تجھے بوسہ لینے کا کیا حق تھا؟
خیرسلا: حق کیوں نہیں تھا؟ آدھی گنّی جو دی تھی۔
ماشاءاللہ: مگر تو نے اُس کا بوسہ لیا کس طرح؟
خیرسلا: دیکھ اس طرح (ماشاءاللہ کا منہ چومنا)

ماشاء اللہ: غیرت کر، ڈوب مر، تجھے میری بیوی کا بوسہ لیتے ہوئے شرم نہ آئی!
خیر سلا: ارے تیری بہن اور میری بیوی۔
ماشاء اللہ: ارے پہلے بوسہ لیا اب پوری عورت ہضم کرنا چاہتا ہے۔
خیر سلا: ارے تیری نہیں میں نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔
ماشاء اللہ: میں نے تو یہ سمجھا کہ تو نے میری ہی بیوی پہ ہاتھ صاف کیا ہے۔ خیر
اس ذکر کو دفعان کر۔ بول میرے مرنے کی خبر سن کر اُس پر کیا اثر ہوا؟
خیر سلا: اُس نے کہا کہ ایک کتا مر گیا اور خوب ہنسی اور خوش ہوئی۔
ماشاء اللہ: بے وفا کتیا! تجھے غم کے بدلے خوشی اور رونے کے بدلے ہنسی۔
خیر سلا: جناب اس نے کہا کہ ہر جمعرات کو گھی کے چراغ جلاؤں گی، رت جگا مناؤں
گی اور اس کی قبر پہ ڈھولک بجاؤں گی۔
ماشاء اللہ: اس زندگی پر لعنت! بس جھگڑا ہی مٹائے دیتا ہوں۔ مرنے کے لئے
تیار ہوں۔
خیر سلا: و! اس طرف کا دروازہ بند ہے اور اُدھر سے وہی آتی ہیں۔ ذرا اب
چھپ جانا چاہیئے۔
میم: (آکر) اچھا جی، آپ بھی یہیں موجود ہیں۔ دیکھا جائے گا۔
ممتاز: چلو! چلو! اب تھیٹر کا وقت ہو گیا۔
میم: تھیٹر سے زیادہ تو یہیں تماشا ہو رہا ہے۔
ممتاز: وہ کیا؟
میم: کباٹ[1] کے پیچھے میرے میاں چھپے ہیں۔ ذرا تم مرد بن کر مجھ سے عشق و محبت
کی باتیں کرو۔
ممتاز: ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ میری جان کس خیال میں ہو؟

[1] CUPBOARD

میم: اس خطاب سے تو آپ ممتاز کو ہی پکارا کریں۔
خیرسلا: اور یہ کون بدمعاش ہے؟ کہیں وہ تو نہیں جس کا ذکر ماشاء اللہ نے کیا تھا!
ممتاز: تو آپ کو میری محبت سے انکار کیا ہے؟
میم: دیکھئے! میں ایک عورت ہوں۔ آپ کو مجھ سے ایسا کلام نہیں کرنا چاہئے۔
خیرسلا: بے شک، سچ کہتی ہے۔
ممتاز: تم کو ہماری محبت کا یقین نہیں ہے۔
میم: آپ تو ممتاز کو پیار کرتے ہو۔
ممتاز: تو کیا ہوا مجھے تم سے محبت ہے اور تمہیں بھی محبت کا اقرار کرنا چاہئے۔
خیرسلا: ہرگز نہیں!
ممتاز: کیوں! جواب نہیں دیتیں؟
خیرسلا: میں جو جواب دے رہا ہوں۔
میم: بھلا قسم کھاؤ۔
خیرسلا: اررر یہ تو پھسل چلی۔ یا خدائے توانا۔ میری بیوی کو بچانا۔
ممتاز: اپنے دل کی قسم تمہاری محبت کی قسم۔
میم: جب تو.....
خیرسلا: اور کام بگڑ گیا۔ آخر گئی نہ اپنی ذات پر۔
ممتاز: اور میں اس محبت پر تصدیق کی مہر لگاتا ہوں (بوسہ لینا)
خیرسلا: تونے بوسہ دے دیا۔ ارے گئی تو لے لی ہوتی۔
ممتاز: خیر پستول نہ ملا تو چھری ہی سہی۔ ایک وار اور جھگڑا پار۔
خیرسلا: تو یہاں آگیا؟ (ماشاء اللہ کا آنا)

ماشاءاللہ: میں سمجھا یہی ہے وہ رذالا جس نے میرا گھر کھالا۔ کیوں جی یہاں کیوں آتے ہو؟

خیرسلا: ہماری خوشی!

ماشاءاللہ: خوشی کا بچہ! دُور ہو، نہیں تو کھا جاؤں گا کچّا۔

خیرسلا: بس دل نے چاہا تو ہم آتے۔

ماشاءاللہ: ابے تجھے اس گھر میں آنے کا کیا حق ہے؟

خیرسلا: حق کیوں نہیں میری معشوقہ کا گھر ہے۔

ماشاءاللہ: کون معشوقہ؟

خیرسلا: مستِ ناز، سراپا ناز میری پیاری ممتاز۔

ماشاءاللہ: تیری پیاری کیسے؟ کیا تو نے اس سے شادی کی؟

ممتاز: مفت میں ایک حسین عورت ہاتھ آئے تو شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

ماشاءاللہ: تجھے نہیں معلوم یہ میری بیوی ہے۔

خیرسلا: تمہاری ہو یا تمہارے باپ کی ہو۔ مگر آج کل تو ہماری ہے۔

ماشاءاللہ: بے شک!

ممتاز: اور آپ جائیے اور وہ پستول لائیے۔

خیرسلا: چلو روس اور جاپان کی جنگ چھڑ گئی۔

ماشاءاللہ: پاجی! دیکھ تو میرے ہاتھ سے کیونکر بچتا ہے، مرد کون اور عورت کون ہے۔

میم: یہ لیجئے۔ اور آپ یہ لیجئے۔ اچھا دونوں صاحب اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔

ماشاءاللہ: میں یہ جگہ لیتا ہوں۔

میم: اور آپ اس جگہ کھڑے ہو جائیں۔

خیرسلا: ارے یہاں کہاں کھڑا ہوتا ہے۔ وہ پستول چلائے گا تو میرا خاتمہ ہو

جائے گا۔

میم : اچھا دیکھو ! جب میں ایک دو تین کہوں تو اپنے اپنے پستولوں کا ایک دوسرے پر فائر کرنا۔ ریڈی ! ون ! ٹو ! ٹھہرو۔ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے تم یہاں سے نشانہ باندھو۔

خیر سلا : او، یہ کمبخت یہاں بھی آگیا ؟

میم : ریڈی ! ون ! ٹو ! تھری ! یہ جگہ بھی اچھی نہیں۔ تم یہاں آجاؤ۔

خیر سلا : بیٹا خیر سلا ! اب جان کی خیر نہیں۔

میم : ریڈی ! ون ! ٹو ! تھری۔

ماشاءاللہ : ہیں ! کون ؟ خیر سلا ؟

خیر سلا : ارے ! مارمار اس نے تیری ہی نہیں میری جورو بھی ہضم کی ہے۔

ماشاءاللہ : کیوں بے لنگاڑے ! تو نے کتنے شریفوں کے گھر بگاڑے ؟

خیر سلا : دیکھو بدمعاش موچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔ اس کی موچھیں اکھاڑے لیتا ہوں۔

ماشاءاللہ : ہیں ! کون ممتاز ؟

ممتاز : کیوں میاں ! کیسا بنایا ؟

میم : کیوں میاں ! گنتی کیسے وصول کی ؟

(سب کا مل کر گانا)

گانا : کیسا ڈال جال چلی ہم نے چال، پیار بولو۔ ہاری ہاری بولو جی۔ تو نے مجھ کو ٹھگا۔ مجھے جھانسا دیا۔ کہو کیسے دیوانے بنے۔ کیسے سیانے بنے۔ بنے بے تُنک بنے۔ پھنسے بالکل پھنسے۔ بل جیناں اوسیاں یہ نینیاں ہیں ڈاروں لگے بار بار کرکر دلبریاں پیارے مورے شاہ ماں بگیاں۔ ہاں کیسا جال ڈالا . . . .

نشتر : یہ کون ممتاز ؟ کون پیاری ؟ دیکھو جی تمہیں ایسا کرنا ہے۔ بس چپ رہو

اگر ہماری حرکتیں آپ کو پسند نہیں تو ہمارا یہ راستہ اور تمہارا وہ راستہ (جانا)

(دونوں کا مل کر گانا)

گانا : ہوا بائیکاٹ، ملائیں پاٹ، گئی جورو رے۔ تیری میری جورو رے۔
مانگے ڈاسن کے بوٹ کیسی ڈالی لوٹ۔ لاوے نہ سوٹ جورو جاوے روٹھ
گئی گھر سے بلا۔ پاپ سر سے ٹلا۔ اب یہ ٹوپی پا جامہ عمامہ ملا ہے۔ سجا کر کریں
ٹھاٹ باٹ۔ ہوا بائیکاٹ۔

باب تیسرا ــــــــــ سین چوتھا

اگلا محل

قہرمان : افسوس کیا سہیل اور بد نصیبی ساتھ ہی پیدا ہوئے ہیں جو ابھی تک اُس
کا پیچھا نہیں چھوڑتی ہے۔ میں نے معتبر شخص سے سنا ہے کہ وہ پھر شمسہ کے
سپاہیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔

پہلا : واقعی یہ دہشت خیز اور خوفناک خبر ہے۔

قہرمان : سیاہ کار قتلو کی صلاح سے شمسہ نے اُسے سنگین مکان میں قید کیا ہے
اور آج ہی رات کے بارہ بجے بارود سے مکان کو اڑا دینے کا مشورہ ٹھہرایا ہے

دوسرا : خدا غارت کرے شیطان کو۔

تیسرا : اس نام کے انسان کو۔

پہلا : جس میں رہتا ہو اُس مکان کو، جس میں بستا ہو اُس جہان کو۔

قہرمان : میرے بہادرو! اس معاملے میں خوب مشورہ کرو۔

پہلا : میں افسوس کرتا ہوں کہ ہم لوگ ظالم شمسہ اور ناپاک قتلو کے نئے بسیوں

انتظام کر سکتے ہیں۔ مگر طاہرہ اور مظلوم سہیل کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ جس طرح جنرل قہرمان نے عین موقعہ پہ پہنچ کر شہریار کی جان بچائی تھی، اسی تدبیر سے ان دونوں کی بھی جان بچائیں گے۔

قہرمان: ضرور ایسا ہی ہوگا۔ ہم بارہ بجے سے پہلے جا کر حملہ کر دیں گے اور اُسے موذی کے پنجے سے چھڑائیں گے۔

تیسرا: میں آپ کی ذاتِ بابرکات سے پُوری اُمید رکھتا ہوں۔

قہرمان: قسم ہے اس تلوار کی جس کو بوسہ دے کر مرجانا ہر ایک سپاہی کی آخری آرزو ہے۔ وفاداری اور ایمان کے پیچھے اپنی تمام زندگی نثار کر دوں گا۔ اگر میرے پاس ہزار جانیں ہوں گی تو طاہرہ اور سہیل پہ نثار کر دوں گا۔

چوتھا: اور ہم بھی اپنے ایمان کو قوی اور دل کو بڑی سمجھ کر آپ کا ساتھ دیں گے

پہلا: اگر ہم سہیل کے بچانے کی کوشش نہ کریں اور دشمن سے خوف کھائیں تو ایسی بے ہمتی کی زندگی سے موت بہتر

دوسرا: میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں معصوم سہیل کو بچانے کے لئے میں تو میں میری لاش بھی اُٹھ کر دشمنوں پہ حملہ کرے گی۔

تیسرا: ہماری یک دلی اور سچائی! وہ سنگین مکان تو کیا اگر بھاری سے بھاری پہاڑ بھی ہوں گے، اڑا دیں گے۔

قہرمان: اے میرے شریف دلیرو! میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک اس سر میں نامداری کا جنون ہے اور جب تک ان رگوں میں شریف ماں باپ کا خون ہے، جسم میں جان ہاتھ میں تلوار ہے اور اُس میں دھار ہے جنرل قہرمان سہیل کی جان ضرور بچائے گا ؎

تیار ہر طرح سے دلیر و جوان ہوں　　　ایمان کی ہوں تیغ وفا کی زبان ہوں

ہمت کا ہاتھ ہوں تو دلیری کی جان ہوں ۔ توڑوں گا قہر بن کے اگر قہرمان ہوں (جانا)

سین ختم

باب تیسرا ——— سین پانچواں

سنگین محل

طاہرہ : اے بے رحم سنگین مکان ! اے خونی دیوارو ! کیا تم کو بنانے وقت مزدوروں نے اچھی طرح پانی نہیں پلایا تھا جو ایک معصوم بچے کے خون سے اپنی پیاس بجھانا چاہتی ہے ؟ چار دیواری میں اُسے قید کیا ہے۔ وہ تو اس کے لئے نہایت بے آرام جگہ ہے۔ تم سب میری آہ و سوز سے نرم ہو جاؤ۔ میرے بچے پر رحم کھاؤ۔

شہریار : بانو صاحبہ ! صبر کیجئے۔ شکر کا مقام ہے، اس طرف کی دیوار میں ایک اینٹ سرکی ہوئی ہے۔ میں جا کر کوئی وزنی ہتھوڑا لاتا ہوں اور اندر جانے کا راستہ بناتا ہوں۔

طاہرہ : اگر تو جلدی نہ آیا تو میں اپنے سر کی ٹکروں سے اس دیوار میں راستہ بناؤں گی اور اپنے بچے کو چھڑاؤں گی۔ (جانا)

شمسہ : (آکر) کون طاہرہ ؟

طاہرہ : افسوس شمسہ ؟

شمسہ : میری دشمن میرے دشمنوں کی دوست !

طاہرہ : رحم رحم ! شمسہ رحم !

شمسہ: میں نہیں سمجھی کہ بیوقوف تیرے یہاں آنے کا مطلب کیا ہے ؟
طاہرہ: شمسہ میرا بچہ مجھے دے دے۔ دیکھ اپنے بھتیجے کا خون نہ کر، خدا سے ڈر۔
شمسہ: کیا تو چاہتی ہے کہ اس سانپ کے بچے کو چھوڑ دوں اور وہ زندہ رہ کر مجھے ہی ڈسے۔
طاہرہ: نہیں نہیں مجھے رحم کرنا چاہئے۔ وہ میرا نہیں تیرا بھتیجا ہے۔
شمسہ: ہاں ہاں میرا بھتیجا ہے۔ اس لئے اس کا یہ نتیجہ ہے۔
طاہرہ: یہ کام قابل نفرت ہے۔
شمسہ: تو بیوقوف عورت ہے۔
طاہرہ: ہاں عورت ہونے کے لحاظ سے میں اور تو ایک ہی ہیں مگر تیرے خیال بد اور میرے نیک۔ تو ظلم پر آمادہ، میں رحم کی دلدادہ ؎
تیری جدا پسند ہے میری جدا پسند تجھ کو خودی پسند ہے مجھ کو خدا پسند
شمسہ: اچھا اگر اپنی سلامتی چاہتی ہے تو یہاں سے چلی جا۔
طاہرہ: نہیں! نہیں! مجھے اپنے دروازے سے خالی نہ پھیر۔ دیکھ وہ عورت جس نے اپنے خاوند اور بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے دیکھا اور اُف تک نہ کی، وہ آج اپنے مالک کے بچے کے لئے آگے گڑگڑاتی ہے۔
شمسہ: تو جھک مارتی ہے۔
طاہرہ: او شمسہ! شمسہ! میرا بچہ مجھے دے جا۔
شمسہ: دوں گی، مگر زندہ نہیں مُردہ۔
طاہرہ: اری ظالم! لے میں اپنا دامن تیرے آگے پھیلاتی ہوں۔ سہیل کی زندگی بھیک مانگتی ہوں۔
شمسہ: میں تجھے بھیک میں ٹھوکر دیتی ہوں۔ (جانا)

طاہرہ : ہائے !
شہریار : (آکر) چلئے ! اب جلدی کیجئے۔
طغرل : کون ؟ شہریار اور طاہرہ ؟

(طغرل اور شہریار کا لڑنا۔ طغرل کا پست ہونا۔ ایک سپاہی کا شہریار سے مقابلہ کرنا۔ طغرل کا مکان کے اندر بھاگ جانا۔ قہرمان کا آکر فیر کرنا۔ سپاہی کا مرنا۔ مکان کا گرنا۔ طغرل کا مکان کے نیچے آکر مر جانا)

شمسہ : فتح فتح ! خوشی خوشی !
قہرمان : نہیں ! شکست شکست !
شمسہ : تو کون ؟
قہرمان : میں !
شمسہ : کون ؟ دغا باز قہرمان ؟
قہرمان : ادھر دیکھ !
شمسہ : کون طاہرہ ؟ اور سہیل فرار !
قہرمان : بس خبردار ! (سب کا جانا اور ڈراپ سین کا اوپر سے آہستہ آہستہ گرنا)

ڈراپ سین

باب چوتھا ـــــــــ سین پہلا

پریڈ

سہیل : کیوں دوستو! اگر دشمنوں نے سر اُٹھایا، لڑنے مرنے کا موقعہ آیا تو تم کیا کروگے ؟

پہلا : ہم کیا کریں گے ! اگر وہ پہاڑ ہوگا تو ہم اُس پر پل پڑیں گے ۔

دوسرا : اگر وہ دریا ہوگا تو ہم اس میں کود پڑیں گے ۔

تیسرا : اگر وہ آگ ہوئی تو اس میں جل مریں گے ۔

چوتھا : کافر کے دو ہوں ہاتھ جو میں دوں جلیبو کا
منہ پھیر دوں اک آن میں تھپڑ سے دیو کا
میدان جنگ اُسی کا ہے جس کا میں ساتھ دوں
رستم بھی بول جائے اگر ایک ہاتھ دوں
دیکھے جو آنکھ اُٹھا کے تو صورت بگاڑ دوں
دشمن پہاڑ ہو تو میں جڑ سے اُکھاڑ دوں

سب : پھر آپ کا کیا حکم ہے ؟

سہیل : ہمیں تم اپنی قواعد دکھاؤ ۔

گانا

لشکر چلا ہے بن کر یہ اس طرح روانہ
گھنگھور جیسے گردوں پہ ہو بادلوں کا آنا

ں میں جرمن یونانی رشین پُرفن جاپانی۔ دشمن تیغ ایرانی سب سے بیلٹن
ے اصفہانی۔ لشکر۔۔۔۔۔۔۔

(سب کا جانا)

سین ختم

چوتھا سین دوسرا

میدان جنگ

افسوس! دشمن آندھی کی طرح منڈلا رہا ہے۔ شکست و فتح میں اُمید
کے بادل میرے سر پر چھا رہے ہیں۔ میری عقل بانجھ ہوئی جاتی ہے
ئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ قنلو نے بھی کوئی قاصد نہیں بھیجا جس سے
ل کا نتیجہ معلوم ہوتا۔ ہاں وہ کوئی آرہا ہے۔
(آکر) ملکۂ عالم کے مراتبِ اعلیٰ۔ کرنیل دیر جنگ کے سو بہادروں نے
منوں کو گھاس کی طرح کاٹ ڈالا۔
آہا! خوشی! خوشی!
حضور۔ سال بیگ کے دستے نے بھی بہت سخت نقصان پہنچایا۔
مبارک! مبارک! قاصد تو بہت اچھی خبر لایا۔ آج سے میں نے تجھے
ل بنایا۔
اگرچہ شجاعت خاں کے رسالے نے بھی پانی کی طرح حریفوں کا خون
یا۔۔۔۔۔

شمسہ: مگر ہاں ہاں آگے بول۔
قاصد: حضور! افسوس!
شمسہ: ہیں ہیں افسوس کیسا؟
قاصد: نامراد شہریار نے اس زور سے حملہ کیا کہ ہماری جیتی بازی پلٹ گئی اور نصف سے زیادہ فوج کٹ گئی۔
شمسہ: کمینے نمک حرام!
قاصد: مگر حضور! میرا قصور؟
شمسہ: نکل جا یہاں سے بے شعور!
قاصد: حضور حضور نامرد سپاہی بھاگے جاتے ہیں۔ اور جان باز بہادر فتح فتح پکارتے پیچھے چلے آتے ہیں۔
شمسہ: او کامیابی! فتح فتح!
قاصد: مگر ہماری نہیں دشمنوں کی۔
شمسہ: دشمنوں کی فتح! خاموش مردود بے حیا!
قاصد: مگر حضور میری خطا؟
شمسہ: نکل یہاں سے، ملعون! پاجی! افسوس! خدایا! ایک بھی اچھی خبر نہیں آئی۔ اگر واقعی مجھ کو شکست ہوئی تو پھر میری زندگی کا دنیا سے خاتمہ ہے۔
قاصد: حضور! دشمن کا جھنڈا قلعہ پر گڑ گیا۔
چوتھا: حضور! ہمارا لشکر آپس میں لڑ گیا۔
پانچواں: پناہ لیجئے حضور......
چھٹا: حضور وہ گولیوں کی بارش ہوئی کہ نواب قتلو خاں کی فوج بکھر گئی اور وہ تنہا رہ گئے۔

شمسہ: نکلو یہاں سے چند کہیں کے موت سکے راگ گانے کے سوا اور راگ آتا
نہیں (قتلو کا آنا) کہو! تم کیا خبر لاتے ہو خدا کے لئے کوئی نامبارک
بات زبان سے نہ نکالنا۔
قتلو۔ شمسہ! اب یہاں دم نہ لو دشمن سولی اور ہتھکڑی لئے ہوئے پیچھے آ رہے ہیں
شمسہ۔ اچھا بھاگو!
قہرمان: (آ کر) خبردار جانے نہ پائیں۔
قتلو: وہ آ پہنچے سب بھاگ گئے بھاگ گئے (رعب گیا)
قہرمان: وہ بھاگے جا رہے ہیں۔ فوراً گرفتار کر لو۔
طاہرہ: غاصبہ شمسہ تو اب تک انسانی قربانیوں کا اپنا قانون اور حکومت بنائے
ہوئے تھی۔ اب انصاف کی عدالت میں اپنی قسمت کا فیصلہ سننے آ رہی ہے
(شمسہ اور قتلو کا گرفتار ہو کر آنا)
شمسہ اور قتلو جہاں ایک حاکم کا قانون اور انصاف جاری ہوتا ہے۔ وہاں کوئی
فرد بشر جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ مگر تم نے خدا سے حاکم اور چاند، سورج
ستاروں اور فرشتوں جیسے حقیقی قانون اور پاک انصاف کے ہوتے ہوئے
کیسے کیسے گناہ کئے ہیں اور برأت کا کوئی ثبوت تمہارے پاس نہیں ہے
مسہ۔ یہ تو کس سے کہہ رہی ہے؟
اہرہ: تجھ سے جس نے چند روزہ زندگی کے لئے کیسے کیسے ظلم و ستم کئے اب
وہ تیرا مکر و فریب کہاں ہے؟ دیکھ تو اس وقت کس حال میں ہے وہ تیرا عروج
پستی ہے اب تو معافی کس منہ سے مانگ سکتی ہو!
سہ: معافی؟ تم سے؟ جو میرے دسترخوان سے گرے ہوئے ٹکڑے جمع کر کے
اپنا پیٹ پالتے تھے، ان سے میں معافی مانگوں گی۔ آسمان زمین کے آگے

سر جھکا دے گا؟ دن کے بعد رات کے بعد دن، زندگی کے بعد موت اور انتہائے بلندی پر جا کر گرنا قدرت کا قانون ہے۔ اگر میں اس کا افسوس کروں تو پاگل ہوں اور جو تو خوش ہوتی ہے تو تو بیوقوف ہے۔

طاہرہ: یہ تیرا خیال خام ہے۔ کسی کی مصیبت دیکھ کر خوش ہونا بدوں کا کام ہے لیکن میں جس وقت تیرے پاس آئی تھی۔ اور سہیل کی زندگی کے لئے بھیک مانگنے کے لئے گود پھیلائی تھی......

شمسہ: تو کیا تو چاہتی ہے کہ میں بھی تیرے آگے زندگی کے لئے عاجزی کروں؟

طاہرہ: نہیں میرا یہ خیال نہیں۔ میں فقط تجھے یاد دلاتی ہوں کہ اس وقت تو نے مجھے بھیک میں ٹھوکر دی تھی لیکن میں تجھے بغیر معافی مانگے تیری زندگی بخشتی ہوں

شمسہ: میں تیری معافی کو تیرے چہرے پر نفرت سے واپس پھینکتی ہوں۔

قہرمان: خدا کی قسم، کبھی ایسی کافر عورت پر رحم نہیں کرنا چاہیئے۔

طاہرہ: نہیں! اس کی موت سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر یہ زندہ رہے گی، اور آئندہ توبہ کر کے نیک بنے گی تو ہم کو انسان کو بدی سے بچانے کا ثواب ملے گا۔

قہرمان: قتلو جواب دے کیوں لاش کی طرح مردہ اور قبر کی طرح زرد کھڑا ہے!

شمسہ: خبردار! بہادر قتلو! دشمن کو جواب دیتے وقت بزدلی نہ دکھانا۔ عزت میں پیدا ہوا ہے، عزت ہی میں مرجانا۔

قتلو: مگر ہم دونوں اس قابل نہیں رہے کہ خدا اور انسان کو غرور سے جواب دیں۔

شمسہ: نامرد! بودے! تیری باتوں سے بزدلی کی بو آرہی ہے۔

قتلو: مگر تجھے معلوم ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

شمسہ: صرف موت۔

قتلو: مگر ہم دونوں موت کے لئے تیار نہیں ہیں۔

شمسہ: کیوں!
قتلو: موت سے زندگی پیاری ہے۔
شمسہ: غلاموں کی طرح جینے سے آقاؤں کی طرح مرنا بہتر ہے۔
قتلو: او ناشکر گذار عورت!
شمسہ: چپ! بزدل! پست ہمت!
قتلو: خدا کے لیے جی اور جینے دے۔
شمسہ: ہاں تجھے جینے دوں گی مگر یوں۔
(شمسہ کا قتلو کو اور اپنے آپ کو پستول سے ہلاک کرنا)
قتلو: افسوس یہ ہے بدکار عورت کی محبت کا نتیجہ۔
شمسہ: آگ! جہنم!

سین ختم

باب چوتھا سین تیسرا

ڈاک بنگلہ

شہباز: میرا نام شہباز خان ڈنڈے باز اور میرے ڈنڈے کا نام پاجی نواز۔ کوئی شخص کھنیا یا تو میں نے ایک ڈنڈا جمایا۔ آج کئی آدمیوں کے کہنے سے میں ایک عورت پر عاشق ہو گیا ہوں مگر وہ میرے دام میں نہیں آتی۔ اپنے کو شوہر والی بتاتی ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ اب میں اس کی جستجو میں جاتا ہوں۔ کچھ پتہ لگاتا ہوں (جاتا)

خیر سلا: (آکر) شمسہ اور تنو کا جو انجام ہوا اس کے کی اب ضرورت نہیں۔ بندے
نے اُن کے انجام کے ساتھ اپنا نتیجہ بھی خوب نہ جانا اور دل میں یہی ٹھانا کہ
نیوتیشن ایبل جورد کو کسی دوسرے شہر میں لے جاؤں۔ وہ فرانیشن سے ناچے
گی اور ہم فرانیشن سے ڈھول بجائیں گے۔ مگر وہ سنتے ہی سایہ کی طرح چلتی
بنی اور ہم ڈنڈے سے بجاتے رہ گئے۔ ایڈی کانگ کے ساتھ جورو کا خاتمہ ہو گیا
سرکاری آدمیوں کی نگاہ بچاتا ہوا اس کوٹ پتلون کی آڑ میں آنکلا۔
شیریں: (آکر) ولی اللہ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔
خیر سلا: ہیں یہ اندھیرے میں گیس لائٹ کہاں سے آگئی؟
شیریں: صاحب کون ہیں؟
خیر سلا: جناب میں صاحب نہیں ہوں۔ میں ایک معمولی دیسی آدمی ہوں۔
شیریں: معاف کیجئے! آپ کے لباس سے ایسا معلوم ہوا کہ آپ کوئی جنٹلمین ہیں
خیر سلا: بیشک یہ تو میں نے ظاہری لفافہ بنا رکھا ہے۔ کیونکہ آج کل دیسی مسافروں کے
ساتھ ریلوے والے بدسلوکی سے پیش آتے ہیں، اس لئے میں نے یہ کوٹ
پتلون واسکوٹ پہن لیا کہ صاحب سمجھ کر میرے کمرے میں کوئی نہ آئے
شیریں: آپ کا نام؟
خیر سلا: خیر سلا۔
شیریں: جناب میں اپنے شوہر کے ساتھ ریل میں آرہی تھی۔ میرا شوہر ایک اسٹیشن
پر پانی پینے کے واسطے اترا۔ اتنے میں سیٹی ہوئی اور ریل چل پڑی۔ میں یہاں
آئی تو ایک نیم وحشی شخص میرے پیچھے پڑ گیا۔
خیر سلا: آپ جیسی عورت کو تنہا سفر نہ کرنا چاہیئے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں۔ آجکل ریلوے
میں عورتوں پر بدمعاش آدمی لبز دلانہ حملہ کرتے ہیں؟

شیریں: میں امید کرتی ہوں کہ میرے شوہر کے آنے تک آپ مجھے اُس شخص کے ظلم سے ضرور بچائیں گے۔
خیرسلا: آپ بالکل بے فکر رہیں۔ اُس کا سر توڑ دونگا۔
شیریں: اب میں ذرا بازار جاتی ہوں۔ وہ ظالم میرے پیچھے نہ آنے پائے۔
خیرسلا: آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہرگز نہیں جانے دوں گا۔
شیریں: تو میں آپ پر بھروسہ رکھوں؟
خیرسلا: بلکہ یہ سمجھئے کہ آپ اپنے شوہر کی حفاظت میں ہیں۔
شیریں: تسلیم!

(شیریں کا جانا)

خیرسلا: بھئی واہ کیا لذیذ بات ہے۔ اگر یہ کسی ناٹک میں نوکری کرے تو تھیٹر والوں کے دن پھر جائیں۔

(شہباز خان کا آنا)

شہباز: بے تو کون ہے؟ اس کا باپ ہے یا کہ شوہر؟ وہ کہاں ہے؟
خیرسلا: یہ نئی ٹائپ کا جانگلی کہاں سے نکل آیا؟
شہباز: میں کیا پوچھتا ہوں؟
خیرسلا: کیا بکتے ہو؟
شہباز: اے گدھے کے بچے میری طرف کیا دیکھ رہا ہے۔ نگاہ نیچی کر اور بول کہاں ہے؟
خیرسلا: وہ بلی جو میرے چوہے جیسے دل کو زخمی کر گئی ہے؟
شہباز: وہ کہاں ہے؟
خیرسلا: میں کسی کو نہیں جانتا۔
شہباز: دیکھنا! خبردار! ہوشیار اور نہ ڈنڈے سے تیرا بھیجا ہوا میں اڑتا ہوا

نظر آتے ہیں گے

خیر سلا: ارے، ارے! یہ کیا کرتا ہے؟

شہباز: ٹھہر جا! میں دیکھتا ہوں کہ تو کس طرح مرتا ہے؟

خیر سلا: ارے دوست، خواہ مخواہ لڑتا ہے۔ اپنا مطلب تو بتا۔

شہباز: اچھا تو دیکھ! اگر تو اس کا شوہر ہے تو میں اس کے عشق سے باز آجاؤں گا

خیر سلا: اچھا! میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تجھے باز رہنا پڑے گا۔

شہباز: کیوں؟

خیر سلا: کیونکہ وہ میری بیوی ہے۔

شہباز: کیا کہا؟ بیوی؟ جا جا تو تو اس کا باپ معلوم ہوتا ہے۔

خیر سلا: تیرے باپ کی قسم۔ کل جمعرات کو میرا اور اس کا نکاح ہوا ہے۔

شہباز: کہاں؟

خیر سلا: گرجے میں۔

شہباز: تو کیا تو کرسٹان ہے؟

خیر سلا: بندہ آدھا کرسٹان آدھا مسلمان ہے۔

شہباز: یہ کیسے؟

خیر سلا: ایسے کہ نماز پڑھتا ہوں۔ مگر روزے نہیں رکھتا۔ شراب پیتا ہوں مگر حرام نہیں کھاتا۔

شہباز: اچھا اب میں اس کے عشق سے ہاتھ اٹھاتا ہوں اور اپنے مرحوم عشق کے جنازے کو اور کسی معشوق کی قبر پر فاتحہ خوانی کرتا ہوں۔ مگر تیرا نام؟

خیر سلا: میرا نام مسٹر خیر سلا۔

شہباز: تو جھوٹا ہے، پاجی ہے، خبیث ہے۔ اس نے تو اپنے شوہر کا نام مسٹر

آسان بتایا تھا۔

خیر سلا:- مشکل آسان نے تو اور بھی مشکل کر دی ہے۔ ہاں ہاں دوست میرا ہی نام ہے۔

شہباز: تو پہلے کیوں نہیں بتایا ؟

خیر سلا: میں نے ذرا تمہیں ہنسی میں آزمایا۔

شہباز: اچھا میں اب جاتا ہوں۔

خیر سلا: جا بھائی خدا کے رستے جاؤ۔

شہباز: مگر دیکھنا اگر تو اس کا شوہر نہ ہوا تو مارے ڈنڈوں کے تیری کھوپڑی توڑ دوں گا۔

خیر سلا: ارے! کمبخت پھر آگیا۔ جا بھائی! میں سچ کہتا ہوں۔ کمبخت نے ڈنڈا تان تان کر مجھے ادھ موا کر ڈالا۔ چلو گیا۔ کمبخت کا منہ کالا۔ ارے یہ موت کا فرشتہ اور کون آرہا ہے ؟

(جمعدار کا آنا)

جمعدار: ہاں یہیں۔

خیر سلا: ایہیں! کیا کوئی پاگل تو نہیں ؟

جمعدار: ہیں ہیں! نہیں!

خیر سلا: خدا جانے کیا بڑبڑاتا ہے ؟

جمعدار: مگر ذرا اچھی طرح دیکھ کر شک مٹانا چاہیئے۔ چلو اپنی پیٹھ دکھاؤ۔

خیر سلا: پیٹھ دکھاؤں کیا مجھے کوئی سزا یافتہ سمجھا ہے ؟

جمعدار: چپ رہو! ہم کون ہیں ؟ جانتے ہو ؟

خیر سلا: آپ اس شہر کے جھاڑو ہیں۔

جمعدار: کیا کہا ؟

خیر سلا: جیسے صفائی والے شہر کے گندے کوڑے کرکٹ کو صاف کرتے ہیں ویسے ہی آپ شہر کے بدمعاشوں کو پاک کرتے ہیں۔

جمعدار: بھلا یہ کیا ہے؟

خیر سلا: یہ بدمعاشوں کی حجامت بنانے والا استرا

جمعدار: اچھا یہ بتاؤ۔ ادھر کوئی نیم دحشی آدمی تو نہیں آیا تھا۔

خیر سلا: ہاں، ہاں، ابھی ادھر سے گیا ہے۔ تم نرا لنگا بات بات پر صوٹا تانتا جاتا تھا۔

جمعدار: تو تم نے اس کو پکڑا کیوں نہیں؟

خیر سلا: یہ کام تمہارا ہے۔

جمعدار: دیوانے کو پکڑنا ہمارا کام نہیں۔

خیر سلا: پھر تمہارا کام سودا بیچنے والوں کو دھمکانا اور کسی شریف آدمی پر مقدمہ بنانا ہے

جمعدار: دیکھو پولیس والوں سے اڑی نہ کرو۔

خیر سلا: اچھا بھائی، خطا ہوئی معاف کرو۔

جمعدار: اچھا تو بتاؤ وہ کس طرف گیا ہے؟

خیر سلا: وہ سیدھا کانجی ہوس کی طرف گیا۔

جمعدار: اچھا ہم اس کی تلاش میں جاتے ہیں۔ اگر وہ یہاں آئے تو اسے پکڑ رکھنا۔

خیر سلا: ضرور اس کی مشکیں کس تھانے میں پہنچا دوں گا۔

(جمعدار کا جانا)

خیر سلا: تو میں اس کو پکڑ لوں۔ بات بات پر تو وہ پاگل ڈنڈا تانتا ہے۔ اگر پکڑا تو میرا بھی کس نکال دے۔

مشکل آسان: (آ کر) ہاں، میرے چچا یہی ہیں۔

شہباز: (الگ) کیا مشکل آسان مشکل آسان، ہاں مشکل آسان۔ دیکھو وہ کون ہے؟
مشکل آسان: یہ کیا؟
شہباز: کیوں تم اپنے چچا کو نہیں پہنچانتے!
مشکل آسان: نہیں۔
شہباز: سبب؟
مشکل آسان: سبب یہ کہ یہ بہت عرصے سے یہاں چلے آئے ہیں آج تک میں نے ان کو اور انھوں نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے۔ مجھ کو اپنے قدم چومنے کی اجازت دیجئے۔
خیر سلا: ہیں! تو کون ہے بھائی!
مشکل آسان: آپ کا بھتیجا۔
خیر سلا: میرا تو کوئی بھائی نہ تھا۔ یہ بھتیجا کہاں سے ٹپک پڑا۔
مشکل آسان: میں آپ کا خط پاتے ہی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر ذرا رستے میں ریل چھوٹ گئی، اس لئے وقت پر نہ آسکا۔ معاف کیجئے۔
خیر سلا: خدا جانے کس بات کی معافی مانگتا ہے۔ مگر تیرا نام؟
مشکل آسان: مشکل آسان۔
خیر سلا: کمبخت مشکل آسان تو مشکل بڑھائے چلا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اور کے دھوکے میں مجھے چچا جانتا ہے۔ اب میں اوٹ پٹانگ بکتا جاؤں
مشکل آسان: چچا جان؟
خیر سلا: چپ شیطان! تو بڑا نالائق ہے۔
مشکل آسان: بے شک!
خیر سلا: تیرا باپ تجھ سے بھی زیادہ گدھا تھا۔

مشکل آسان: سچ ہے۔ میں نے جیسا آتش مزاج سنا تھا۔ اس سے زیادہ پایا

خیر سلا: چل ہٹ! میں ایک شریف آدمی ہوں، اس لئے تیرا قصور معاف کیا

شہباز: چل! اپنے چچا کو آداب کر۔

مشکل آسان: آداب!

خیر سلا: آداب سے کیا ہوگا کان پکڑ۔

مشکل آسان: لیجئے کان پکڑے۔

خیر سلا: کان پکڑنے سے کیا ہوتا ہے، پاؤں پڑ۔

مشکل آسان: لیجئے پاؤں پڑتا ہوں۔

خیر سلا: پاؤں پڑنے سے کیا ہوتا ہے.....

شہباز: بس، دوست بس! اتنی عاجزی پر تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔ چلو اب اپنے بھتیجے کو گلے سے لگاؤ۔

(مشکل آسان اور خیر سلا کا آپس میں گلے ملنا

اور دونوں کا خوش ہونا۔ ہپ ہپ ہرے)

مشکل آسان: چچا جان! آپ کی کنیز بھی آئی ہے اگر اجازت ہو تو وہ بھی آپ کی خدمت میں آئے۔

شہباز: پوچھنے کی کیا ضرورت ہے! جا بلا لا۔

(مشکل آسان کا جانا اور اس کے اصلی چچا جان کا آنا)

خیر سلا: چلو! ایک بلا تو ٹلی۔ اب یہ دوسری بھی ٹل جائے تو خیر۔ یہاں سے نکل جائے

چچا: میں نے اپنے بھتیجے کو خط بھیج کر بلوایا ہے یقین ہے کہ وہ آیا ہوگا۔ بولو تم دونوں میں کون میرا بھتیجا ہے۔ جواب دو میں کس کا چچا ہوں؟ بولتے کیوں نہیں؟ کیا تم دونوں گونگے ہو! تمہارا نام؟

شہباز: شہباز خان ڈنڈے باز۔
چچا: اور تمہارا نام؟
خیر سلا: مشکل آسان
چچا: مشکل آسان! بس تو ہی میرا بھتیجا ہے۔
خیر سلا: تو تھوڑی دیر پہلے چچا تھا۔ اب بھتیجا ہو گیا۔
چچا: نالائق ادھر دیکھ بتا میں تجھے کیا کہوں؟
خیر سلا: تم مجھے کچھ نہ کہو۔
چچا: تو اس دنیا میں ایک ہی بیوقوف ہے۔
خیر سلا: نہیں، یہ اور میں۔
چچا: کیوں۔بے!
خیر سلا: معاف کرو۔
چچا: مجھے اس بات کا جواب دے تو نے شادی کیوں کی؟
خیر سلا: اس لئے کہ ایک بیوقوف اور پیدا ہو۔
چچا: شادی کی تھی تو کس عورت کے ساتھ!
خیر سلا: عورت کے ساتھ نہیں تو کسی مرد کے ساتھ۔
چچا: اور پھر یہ ڈھٹائی کہ شادی کے لئے میرا حکم بھی نہ لیا۔
خیر سلا: شادی کے لئے حکم لینے کی کیا ضرورت ہے؟
شہباز: ضرورت کیوں نہیں؟ آج چچا کے حکم کے بغیر ایک بیوی کا شوہر بن گیا۔کل بغیر اجازت کے ایک بچے کا باپ بن جائے گا۔
چچا: خیر اگر یہ چاہتا ہے کہ وصیت نامے سے تیرا نام رد نہ کروں تو پھر اپنے گناہوں کا اقرار کر اور آئندہ نیک چلنی اختیار کر۔

خیر سلا: پر میں نے کوئی گناہ کیا بھی ہو۔ اگر صاف بولتا ہوں تو پر کم بخت ٹنڈا تا تا ہے
اگر چپ رہتا ہوں تو بدھا گلے پڑتا ہے۔ کیوں دوست آج کھانا کھانے
نہیں جاؤ گے؟
شہباز: نہیں میں نے ڈھائی دن کا روزہ رکھا ہے۔
خیر سلا: روزہ رکھا ہے تو کچھ سوڈا لیمن لے آؤں؟
شہباز: اسے کوئی روزوں میں سوڈا لیمن پیتا ہے؟
خیر سلا: کیا خدا نے پانی بھی منع کر رکھا ہے؟
چچا: نالائق معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مذہب بھی چھوڑ دیا ہے۔
خیر سلا: میں نے مذہب تو نہیں چھوڑا۔
چچا: بس بس! مذاق چھوڑ۔ اپنے قصور کی معافی مانگ اور بول کہ میں نے
گناہ کیا ہے۔
خیر سلا: کس گناہ کی معافی مانگوں؟
چچا: معافی کیوں نہیں مانگتا؟ شرم آتی ہے؟
خیر سلا: نہیں نہیں شرم کاہے کی!
چچا: تو بول کہ چچا میں خطا وار ہوں۔
خیر سلا: چچا جان! میں شیطان سے زیادہ گنہگار ہوں
چچا: اور معافی کا طلب گار ہوں۔
خیر سلا: اور معافی کا امید وار ہوں۔
چچا: شاباش! زندہ باد! اب میں تیرے قصور کو معاف کرتا ہوں اور تیری بیوی کی طرف
سے دل صاف کرتا ہوں۔
خیر سلا: میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(شیریں کا آنا)

شیریں: معلوم نہیں کہ میرے میاں نے کہاں دیر لگائی ۔؟

شہباز: بیگم آؤ ادرا پنے چچا کو آداب کرو۔

شیریں: آپ تشریف لے آئیے، میں قدم بوس ہوتی ہوں۔

شہباز: بیٹی تو یہ سن کر بہت خوش ہوگی کہ میں نے تیرے شوہر کے قصور بالکل معاف کر دیئے۔

شیریں: چچا جان اس وقت شکریہ کے لئے میرا شوہر موجود نہیں۔ لیکن میں ان کی طرف سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

چچا: بیٹی تیرا شوہر تو پہلے ہی یہاں موجود ہے۔

شیریں: آپ کسے شوہر بتاتے ہیں؟ میں سمجھی نہیں۔

خیر سلا: بیوی ادھر آؤ۔ میں سمجھاؤں۔

شیریں: ہیں صاحب! آپ دیوانے تو نہیں ہوگئے؟

خیر سلا: ہوا تو نہیں مگر ہو جاؤں گا۔

شیریں: چھوڑو چھوڑو میرا ہاتھ۔ میں تمہیں ایک شریف آدمی سمجھتی تھی مگر تم تو کمینے نکلے۔

خیر سلا: شریف تو ہوں مگر ضرورت کے وقت پاجی بن جاتا ہوں

شہباز: کیوں بے ادھر چھپ کر کیا سمجھا رہا ہے؟

خیر سلا: چپ! میاں بیوی کے معاملے میں کیوں دخل دیتا ہے؟

شیریں: تم نے مجھے بیوی کہا؟

خیر سلا: خدا کے لئے پانچ منٹ کے لئے میری بیوی بن جاؤ اور مجھے اس آفت سے بچاؤ۔

شیریں : تم کہیں پاجی تو نہیں ہو گئے ہو۔!
خیر سلا : دیکھو بیوی مان جاؤ۔
شیریں : ارے جا بھائی!
چچا :۔ نالائق یکیا معاملہ ہے یہ تو تجھے بھائی کہتی ہے۔ تو اسے بیوی بتاتا ہے۔ تم دونوں کا گڑبڑ گھٹالا کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔
(مشکل آسان کا آنا)
مشکل آسان : آہا پیاری شیریں تم آگئیں!
شیریں : واہ صاحب! خوب راہ دکھائی۔
مشکل آسان : میں نے راہ دکھائی یا تم نے دیر لگائی۔ چچا چچا جان کے قدم چومو
شیریں : ہیں، تمہارے چچا جان یہ ہیں۔؟
مشکل : ہر نہیں پیاری شیریں میرے چچا یہ ہیں۔
شیریں : نہیں پیارے مشکل آسان تمہارے چچا یہ ہیں۔
چچا : یہ کیں مشکل آسان تو اس کا نام ہے۔
شیریں : کون کہتا ہے؟ اس کا نام تو خیر سلا ہے۔
خیر سلا : بس اب اللہ ہی اللہ ہے۔
چچا : معلوم ہوتا ہے یہ میرا بھتیجا نہیں ہے۔
مشکل آسان : معلوم ہوتا ہے یہ میرا چچا نہیں ہے۔
شہباز : معلوم ہوتا ہے یہ اس کا شوہر نہیں ہے۔
شیریں : معلوم ہوتا ہے کہ یہ شریف نہیں ہے۔
خیر سلا : اسے بھائی میں کچھ بھی نہیں ہوں خدا کے لئے مجھے اب جانے دو۔
چچا : بھاگتا کہاں ہے نا فرجام! تو میرا بھتیجا ہے، یہ تو نے کہا ہی کیوں؟

شیریں: تو میرا شوہر ہے یہ کہا ہی کیوں؟
خیر سلا: اچھا تو الگ الگ جواب دوں یا ایک دم؟
چچا: ایک دم۔
خیر سلا: بہت اچھا سنو! اے جنٹلمین اینڈ لیڈیز! میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں کہ آپ اپنا قیمتی ٹائم ویسٹ کر کے میرا لیکچر سننے کے لئے تیار ہیں۔
چچا: ابے تجھے لیکچر بازی کرنے کے لئے کس نے کہا ہے؟
خیر سلا: اچھا او مائی لارڈز اینڈ لیڈیز تم سب کے سامنے میں خدا کو حاضر ناظر جان کر بیان کرتا ہوں کہ نہ کوئی میرا چچا ہے نہ کوئی میرا بھتیجا ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے اس ڈنڈے باز کے سونٹے کا نتیجہ ہے۔ اس نے کہا کہ جب تک اس عورت کا شوہر نہ ہوگا میں اس کے عشق سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ تو میں نے اس کا شوہر بن کر اس کی عصمت بچائی، جس سے یہ مصیبت میرے سر پر آئی۔
چچا: مگر تو نے اپنا نام مشکل آسان کیوں بتایا؟
خیر سلا: اگر میں اپنا نام مشکل آسان نہ بتاتا تو یہ کمبخت اس کے عشق سے کبھی باز نہ آتا۔
چچا: توبہ! توبہ! کیسے بھلے آدمی کو میں نے ستایا۔ بھائی میرا قصور معاف کرنا۔
مشکل آسان: میں نے بھی جو کچھ کہا ہے۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔
شیریں: جناب! فقط میری عزت بچانے کے سبب آپ پر یہ مصیبت آئی تھی۔ تو برائے خدا مجھے معاف کیجئے۔
خیر سلا: جاؤ، سب سے پہلے میں نے تمہارا قصور معاف کیا۔

(جمعدار کا آنا)

جمعدار: برت تیرے کی بہت مشکل سے ہاتھ آیا۔
مشکل آسان: ارے بھائی! اس بے گناہ کو کیوں گرفتار کرتے ہو؟

جمعدار: یہ نیم وحشی پاگل خانے کی دیوار سے کود کر بھاگ آیا ہے اس کمبخت نے
ہمیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔
شہباز: ارے مجھے چھوڑ و نہیں تو مار ڈالوں گا۔ پیس ڈالوں گا۔ رگڑ ڈالوں گا
خیر سلا: کیوں، چچا! اب ڈنڈا تانا بھول گئے؟ کم بخت نے ڈنڈا تان کر میرا ناک
میں دم کر دیا تھا۔

گانا

سب کا: ہمیں معاف کرنا۔ اب جو کچھ ہم نے ہے کیا۔
خیر سلا: مجھ کو گھن چکر یہ ڈنڈے باز نے کیا۔
سب: بے شک پاگل نے ہم سبھی پر یہ اندھیرا کر دیا۔ گڑبڑ مچالا۔ سب گھوٹالا ہوا
جیا۔ اندیشہ مٹ گیا۔ سر اک تھا بھولا بھالا آیا ہے مدعا
کیا ہی دوبارہ سب کا اندیشہ تو مٹ گیا
(گاتے گاتے سب کا اندر جانا)

سین ختم

باب چوتھا سین چوتھا

جشن تاجپوشی

پہلا چوبدار: ح ز ہے مقدر کہ نکہتِ مشک از سر نو ختن میں آئی۔
دلوں کو فرحت ہوئی میسر کہ روح پھر جان و تن میں آئی

دوسرا — مبارک افسردہ خاطروں کو بہار ہے پھر چمن میں آئی
نوید ہو چشم منتظر کو شمع پھر انجمن میں آئی : :

پہلا — گذر گئی رات رنج و غم کی جہاں میں راحت کا روز آیا
جلوس کرتے کو تخت و دولت پہ مہر عالم فروز آیا

قہرمان: خدا کا شکر ہے کہ غاصبوں کو شکست اور حقداروں کو فتح نصیب ہوئی اور ملک کے خیر خواہوں نے جس کام کا ذمہ لیا تھا۔ بڑے فخر کے ساتھ کامیاب ہوئے جب تک چاند سورج کی روشنی زمین و آسمان میں پائیدار رہے گی تب تک اس زندہ وفاداری کی یہ تصویر دنیا میں یادگار رہے گی۔

دوسرا: سچی پیشین گوئی ہے۔

شہریار: بے شک دنیا کی کوئی طاقت اس کو مٹا نہیں سکتی یہ جملہ تمام ملک کی زبان بن کر اس بیان کی تائید کرتا ہے۔

طاہرہ: میں بھی اپنی قسمت پہ نازاں ہوں کہ خدا کا فرض اور شوہر کا حکم پورا کرنے میں صبر و استقلال نے میرا ساتھ دیا۔ اور مجھے ایمان کے ساتھ کامیاب کیا اور میں آج اپنے آقا زادے کو آبائی حقوق پاتے ہوئے دیکھ کر گذشتہ غموں کو بھول گئی۔ اپنی امید کے گلزار میں اس نونہال کو دیکھ کر مسرت سے پھول گئی۔

قہرمان: محترم بانو بیشک آپ نے اس معصوم کے واسطے جو جو قیمتی قربانیاں کی ہیں دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال ملنا دشوار ہے۔ آپ کی وفاداری اور نمک حلالی صفحۂ عالم میں ایک نقش کا لحجر یادگار رہے۔

طاہرہ: جناب عالی! آپ میرے پچھلے غموں کی طرح بار بار اشارہ کر کے اپنی موجودہ خوشی کو غمگین نہ بنا یئے۔ مگر دیا من بہشت کی روشوں پر ان کی روحیں آج کا

نظارہ دیکھ کر خوش ہو رہی ہوں گی اور خوشی کے پھول برسا کر ہمیں مبارک باد دے رہی ہوں گی۔

شہریار: معزز بانو! یہ تو آپ ہی کے شریف خاندان کے طفیل ہے جو آج زندہ اور بحیثیت بادشاہ ہمارے سامنے سہیل ہے۔

قہرمان: بے شک!

طاہرہ: جنرل صاحب آپ ملک کے محسن ہیں، اس لئے تاجپوشی کی مبارک رسم آپ ہی کے مبارک اور نیک ہاتھوں سے ادا ہونی چاہیئے۔

قہرمان: میں اس تحریک کو اپنا فخر اور عزت سمجھتا ہوں۔

سہیل: ٹھہریئے! پہلے یہ تاج امی جان کو پہنائیے۔

طاہرہ: نہیں بیٹا! اسے تم پہنو یہ تمہارا حق ہے۔

سہیل: کیوں؟ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں؟ یہ تاج آپ کو آپ ضرور پہنا پڑے گا۔

طاہرہ: تم نے کبھی ماں کے ساتھ ضد نہیں کی۔ اب کیوں کرتے ہو؟

سہیل: تم نے بھی کبھی بیٹے کی بات نہیں ٹالی آج کیوں ٹالتی ہو؟

قہرمان: کتنی خوبصورت دلیل!

طاہرہ: اچھا تمہاری ضد اور خوشی سے لاچار ہوں۔

سہیل: اب میرا دل بہت خوش ہوا۔

طاہرہ: بس تو تمہاری خوشی پوری ہوگئی تو اب تم پہنو اور اس کے سائے میں عدل وانصاف سے رعیت کو خوش کر دو

ذرا اقبال ترا آج سے گھر گھر چمکے!
حشر تک تاج حکومت ترے سر پر چمکے!

قہرمان: یہ زبان کو اپنے آقا کی جدائی شاق ہے

ایک مدت سے قدم بوسی کا یہ مشتاق ہے

آئیے اور تخت پر جلوہ فرمائیے۔

سہیل: نہیں! پہلے امی جان کو بٹھلائیے۔

طاہرہ: نہیں بیٹا! اس پر تم بیٹھو تاکہ تمہیں بلندی پر دیکھ کر میری آنکھیں روشن ہوں

سہیل: مگر پہلے آپ بیٹھیں گی پھر میں بیٹھوں گا۔

طاہرہ: نہیں بیٹا! اس پر بیٹھنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔

سہیل: کیوں کیا میں تمہارا بیٹا نہیں ہوں؟ اگر اس پر میرا حق ہے تو پھر تمہارا بھی ہے۔

قہرمان: بانو اپنے پیارے کی دوسری ضد بھی پوری کیجئے

طاہرہ: اچھا مجبوری!

قہرمان ~ یا الٰہی ترا اقبال تابندہ رہے

ملک کی قسمت کا مالک حشر تک زندہ رہے

(سب کا مل کر مبارک باد دینا)

گانا

سب: ساجے سے دولہن صاحب۔ پھولن سیج بنی ہی تیار۔

بل بل جیا پیا موہے شادی کا رنگ، باجے مرچنگ اچرنگ ہے ہے

ہے ہے دلہن ساجے۔

پیاری مالنیاں سہرا گندھا دے۔ پی سینے کے گل ہار سوہا دے

باجے دھنا نا نا باجے دھنا نا نا اچرنگ ساجے

(سب کا گانے گاتے اندر جانا۔ ڈراپ کے پردے کا گرنا)

(تمام شد)

یہودی کی لڑکی

تختۂ ناٹک

بادشاہ : مارکس کا باپ
ڈیلیا : شہزادی ، مارکس کی محبوبہ
کنشیش : راہب سلطنت
مارکس : راحیل اور ڈیلیا کا عاشق
غذرا : یہودی سوداگر
بروٹس : مذہبی رفارمر
جوڈ : شاہی خادمہ
راحیل : بروٹس کی بیوی
نیز چوبدار، سپاہی، منادی والا، بڑھیا
گانے والے سہیلیاں۔ سردار وغیرہ

یہودی کی لڑکی

پہلا باب　　　پہلا پردہ

(سہیلیوں کا حمد گاتے ہوئے آنا)

گانا

والی تو جگ کا ہے مالی۔ جل میں تھل میں، تیرے نور کی تجلی دیکھی موہے والی۔ ڈالی ڈالی کو دُنیا کو کرے گُل تورے، برگ و بار کو ہسار ہرا بھرا، گنجن کے بن میں، صدف کے من میں ہے نعل یمن میں بستیاں کے من میں۔ والی تو جگ کا ہے مالی...

پہلا باب　　　دوسرا پردہ

محل

(سہیلیوں کا گاتے دکھائی دینا)

سکھی تو اپنے کے مانتے ہیں کیسے تیکھے پیارے بجریا کے بان۔ جن نینن کے سنگ چھیڑ کرے، وارے اپنی جان۔ سکھی جو بن.....

ڈلیسیا: باتیں نہ ایسی بناؤ ناری۔ گربیاں بول نہ لاگے مرکو بھلے۔ برکھا برن ہو ہے سو ہے ناہیں۔ سکھ چندر بُجت نہ آئے۔

سب : ماوری جوبن کیسی سندریا۔ سکھ درشن امرت دایو۔ ماوری گوئیاں کرونہ ابھمان

(ڈلیبیا کا گانا)

دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے نکلتا ہی نہیں
دل عجب چھاتی کا پتھر ہے کہ ٹلتا ہی نہیں
گردش تقدیر سے الٹا اثر تدبیر کا
وہ بھی اب ملتا نہیں جو تھا مری تقدیر کا

جونا: پیاری ڈلیبیا! پہلے تو شہزادے صاحب نے مجھے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا مگر میں نے سامنے ہو کر انہیں گھیر لیا۔

ڈلیبیا: تب تو ضرور خوش ہو کر مجھے پوچھا ہوگا؟

جونا : پوچھا نہ پرکھا۔ وہاں تو کچھ اور ہی ہے لیکھا ؎

تمہیں بت مان کر کرتا تھا جو توقیر پتھر کی
اب اس کے دل میں شاید آگئی تاثیر پتھر کی

ڈلیبیا: ؎ تو اس کا پیار کیا سمجھے گی اے تصویر پتھر کی
اگر سمجھے تو ہو جائے بت بے پیر پتھر کی

جونا: ؎ نہ رکھو اس بت بے پیار کا خنجر کلیجے میں
بس اب رکھو تم اس بت کی جگہ تصویر کلیجے میں

ڈلیبیا: ؎ چبھوتی ہے تو اے جلاد کیوں خنجر کلیجے میں
زباں تیری اترتی ہے چھری بن کر کلیجے میں

جونا: پیاری ڈلیبیا! شہزادے کی سواری آرہی ہے۔ اب جی بھر کر دیکھ لیجیے۔

(سہیلیوں کا جانا)

(ڈلیبیا کا آکر شہزادے سے اظہار محبت کرنا اور گانا)

گانا

دیکھو ملباں موری بانی عمریا — میں بل بل جاؤں، گروا لگاؤں، سجن مورے من کو رجھاؤں
آؤ جان: ہوئے نیناں دشمن مری جان کے، جگر پہ ہیں چرکے نجر بال کے
دلدار، غم خوار، جاں نثار! تو پہ جوبن اپنا وار دوں — آؤ جان . . . .

مر مٹی تیرے لیئے اور تجھے دھیان نہیں
غیر کا درد نہ ہو جس میں وہ انسان نہیں
اے دغا باز، جفا کار نہ ٹھکرا دل کو
توڑنا سہل ہے پہ جوڑنا آسان نہیں

ڈلیا: مارکس! میرے پیارے دل ربا!
مارکس: ڈلیا! تم یہاں کس کے مذاق میں؟
ڈلیا: تمہارے اشتیاق میں ؎
آئے نہ میرے پاس کئی دن گزر گئے
اب کیا ہم ایسے آپ کے دل سے اتر گئے
مارکس: ؎ جو دن تھے آنے جانے کے وہ دن گزر گئے
اب تو خبر نہیں کدھر آئے کدھر گئے
ڈلیا: بے وفا! کیا دل دینے والے کی یہی سزا ہوتی ہے؟
مارکس: غبار اسی طرف کو جاتا ہے جدھر کی ہوا ہوتی ہے۔
ڈلیا: ڈیر مارکس! نگاہوں کا وہ میل کیا ہوا؟
مارکس: کیا جانوں پتلیوں کا وہ کھیل کیا ہوا۔
ڈلیا: پیارے مارکس! تمہاری چال ڈھال، صورت مورت وہی ہے مگر نہ

وہ دل ہے نہ وہ نظر۔ ہائے ستم
جو نظر اب ہے وہ پہلے تری ایسی دید نہ تھی
اس طرح آنکھ بدل لے گا یہ امید نہ تھی
آخر پیارے مارکس! اس بے رخی کا سبب؟

مارکس: کچھ نہیں۔

ڈیسیا: اس ناراضگی کا باعث؟

مارکس: کوئی نہیں۔

ڈیسیا: پھر کیا ہو گیا؟

مارکس: سودا ہو گیا۔

ڈیسیا: ہوش و حواس کدھر گئے؟

مارکس: محروم آرزوؤں کے ساتھ وہ بھی مر گئے۔

ڈیسیا: تو کیا اب تم سے کوئی آس نہیں؟

مارکس: امید دلانے والی چیز تو میرے پاس نہیں۔

ڈیسیا: وہ کیا؟

مارکس: دل! ستم میں دل کو روؤں گا دل لیلے گا عمر بھر مجھ کو
نہ میری دل کو خبر ہے نہ دل کی ہے خبر مجھ کو

ڈیسیا: ارے یہ کیا رمز، کیا معمہ ہے؟

مارکس: یہی کہ دل اب کما ہے۔ میرا ساتھ چھوڑ دو۔ اپنا ہاتھ ہٹا لو۔

ڈیسیا: میرا دل دے دو، اپنا ہاتھ چھڑا لو۔

(منہ پھیر کر شہزادے کا چلا جانا۔ ڈیسیا کا افسوس کرنا اور گانا)

گانا: کسی ظالم کے پھندے میں آنا نہیں مارکس رے دغا سے لگانا نہیں

اس کی زلفوں میں دل کو پھنسانا نہیں　　ہائے ظالم کو اس دل سے جانا نہیں
چاہ کرنا کسی سے بھی جانا نہیں　　پیار کرنے کا گویا زمانا نہیں

(ڈیسیا اور سہیلیوں کا مل کر گانا)

ڈیسیا: موہے کا ہے عالی نے بے پیروا ترسائے ناری غم جیاں کلپنیاں جل گیاں سیاں
سہیلی: آہیں یہ بھرنا، جیا میں جلنا، من کو کرو نہ ہلکان ہو ذی شان
ڈیسیا: پیت نے ماری برہا کی ماری، جائے جیا کے پار
سہیلی: دکھ ہاری، اے پیاری، ہر باری ہم واری
ڈیسیا: کیسے چھپا سڑ رہے بھاں، اک آگ لگی ہے تن ماں، جل خاک بھئی من ماں
دکھ دیت ہے اب سیاں
سہیلی: بے قرار بار بار ہو کر چلیں دکھ جاں
ڈیسیا: موہے کا ہے ...

پہلا باب　　تیسرا پردہ

راستہ

(راحیل کا گانا)

دل تیر ادا کا نشانہ ہوا، یہ نشانہ ہوا ہے دوانہ ہوا، تھا اپنا مگر اب بیگانہ ہوا
آنکھ ملتے ہی ظالم روانہ ہوا۔ دل ....

شیدا ہوا یہ دل نازک بدن پہ، غنچہ دہن پہ۔ نرسے ہونٹ ہیں لال یمن، ہے
زلف ہے مشک ختن ہے
کیف شراب ہستی ہے اک عذاب ہم کو　　زنجیر آتشیں ہے موج شراب ہم کو

آرام ہجر کی شب آ گئے تو کیونکر آئے ہے موت ہی میسر ہم کو نہ خواب ہم کو

(مارکس کا یہودی لباس میں آنا)

مارکس: ؎ کرتی ہے آتش غم تیری کباب نام کو
پھونکے ہی جا رہا ہے یہ اجتناب ہم کو
الفت میں تم پریشاں فرقت میں ہم ہیں نالاں
واں اضطراب تم کو، یاں اضطراب ہم کو

پیاری راحیل! میری یہ خواہش ہے کہ تم چہرے پر نقاب ڈالے بغیر گھر سے باہر نہ نکلا کرو۔

راحیل: کیوں پیارے اس کی وجہ؟

مارکس: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح بارش سے دُھلے ہوئے صاف آسمان پر چاند کی شعاعیں دور دور پھیل جاتی ہیں تو تمام دنیا مستی میں ڈوبی ہوئی پُرشوق نگاہوں سے اس کی دلفریبی پر قربان ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح جب تمہارے گلابی رخسارہ کے عکس سے کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگانے اور ہنسنے لگتا ہے تو قدرت کی مخلوق ہی نہیں خود قدرت بھی تمہیں پیار سے دیکھنے لگتی ہے ؎

ہے نظر کاتب کی اپنے ہاتھ کی تحریر پر خود مصوّر ہی لٹا جاتا ہے اس تصویر پر

راحیل: تو کیا پیارے تم رشک کرتے ہو؟

مارکس: رشک! میں اس لباس سے رشک کرتا ہوں جو تمہارے خوبصورت جسم کو ہر وقت آغوش میں لئے رہتا ہے۔ میں اس گلے کے ہار پر رشک کرتا ہوں جو اس دلفریب سینے کے ابھار کو ہر وقت بوسے دیا کرتا ہے۔ میں ہوا کے جھونکے پر رشک کرتا ہوں جو ان ناگنوں کے پاس سے نڈر ہو کر نکلتا ہے یہاں تک کہ میں تمہارے سائے سے رشک کرتا ہوں جو تمہارے قدموں کے ساتھ ساتھ لپٹا ہوا چلتا ہے۔ ؎

بندھی ہے ٹکٹکی سب اُڑتے ہیں نصیب اپنا
جسے میں دیکھتا ہوں اس کو پاتا ہوں رقیب اپنا
جو حسرت ہے تو یہ حسرت نہ کوئی ہو مقابل میں
نہیں آنکھوں میں رکھ لوں اور ان آنکھوں کو میں دل میں

(دونوں کا گانا)

سمند ناز پر کھولے ہوئے وہ بال پھرتے ہیں
بچے کب طائر دل جب ہوا میں جال پھرتے ہیں

پھول سے گالوں پر، ناگن سے بالوں پر، میں ہوں فدا، دل رُبا۔

مراجیل :- متواری چالوں کی گھونگر سے بالوں کی زنجیر میں ہوں اسیر ۔

اسیر پنجۂ عہد شباب کرکے مجھے | کہاں گیا مرا بچپن خراب کرکے مجھے
کسی کے درد محبت نے عمر بھر کیلئے | خدا سے مانگ لیا انتخاب کرکے مجھے

مارکس : ابرو کٹاری، سینے پہ ماری تیغ دو دھاری۔ اے جان! پھول سے گالوں....

(دونوں کا گاتے ہوئے جانا)

(منادی والے کا آنا)

منادی والا : اے باشندگانِ روم! تم کو بذریعہ دینی کونسل کا حکم ڈھنڈورے کی بلند آواز کے ساتھ سنایا جاتا ہے [illegible] رومی دیوتاؤں کا مقدس دن ہے اس لئے روم کے قانون کے مطابق ہر جگہ جشن عام ہو، ہر صحبت میں ہنگامہ بادہ و جام ہو۔ تین شبانہ روز تک تعطیل ہی تعطیل ہو، ہر کام میں التوا ہر دھندے میں ڈھیل ہو۔ جو شاہی کونسل کے خلاف عمل میں لائے گا۔ وہ روم کے قانون کے مطابق زندہ آگ میں جلایا جائے گا ۔

ایک شخص : اجی میاں منادی والے! یہ تو کہو کہ تین دن تک تمام کاروبار بند کرکے جشن

منانے کا حکم صرف دیوتا کی پیاری قوم یعنی رومن لوگوں کے لئے ہے ، یا پارسی ، عیسائی ، یہودی سب کو تین دن کی مدت قابل احترام ہے ؟

منادی والا : سب کے لئے جو لوگ رومی دیوتاؤں کو نہیں مانتے ان کے لئے بھی۔

وہی شخص : مگر جو لوگ ـــــ دیوتاؤں کو مانتے ہی نہیں وہ کیونکر جشن منائیں گے؟

منادی والا : نہ منائیں گے تو رومن قوم کے دشمن قرار دے کر زندہ آگ میں جلا دئے جائیں گے۔

(سب کا جانا - رومن افسروں کا داخل ہونا)

کینٹشش : آج کے دن یہ شور و شر کیسا ؟ عین عبادت میں یہ حشر کیسا ؟

ایک سردار : عالی جاہ ! یہ اسی لعینی عبرانی کا کارنامہ ہے۔

کینٹشش : کیا ڈھنڈورے کی آواز اس کے مکان کے دروازوں اور کھڑکیوں سے ہو کر اس کے کان تک نہیں پہنچی ؟ کیا اس نے ہمارے شہنشاہ اور ہماری مذہبی کونسل کا حکم نہیں سنا ؟ -

دوسرا سردار : نہیں حضور - ضرور سنا ہوگا ، مگر یہ کمترین یہودی ہمارے رومن دیوتاؤں سے قلبی خصومت رکھتے ہیں اس لئے ہمارے کسی حکم کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔

کینٹشش : ان دیکھے خدا پر بھروسا رکھنے والے کا فریہ حرکت ! ہم سے اور ہمارے مذہبی حکم سے یہ نفرت ! جاؤ اور اسے ڈاڑھی سے پکڑ کر منہ پر تھوکتے ہوئے یہاں لے آؤ۔

(یہودی کو پکڑ کر لانا)

سردار ۱ : کرو سجدہ !

یہودی : کسے سجدہ ؟

سردار : اس عالیشان کو

یہودی : (غصہ) اس فانی انسان کو ؟ ہم سجدہ کرتے ہیں اپنے سبحان کو ــ

ٹکڑے مرے اڑ جائیں یہ فدا کر نہ جھکے گا
آگے کسی انسان کے یہ سر نہ جھکے گا

دوسرا سردار: آگے بڑھ اور جھک ان قدموں کے آگے۔

عذرا: جھکوں؟ کس کے آگے؟ ان قدموں کے آگے جن قدموں نے اس سر سے بھی زیادہ سفید اور بوڑھے سروں کو ٹھوکریں ماری ہیں۔ جنہوں نے اپنی جرائی کی ضربوں سے مظلوم قوم کے سینوں کی ہڈیاں توڑ ڈالی ہیں۔ نہیں، میں کبھی نہیں جھکوں گا

قیامتیں ہوں کہ آفتیں ہوں۔ جہان جائے کہ جان جائے
مگر یہ ممکن نہیں ہے ہرگز کہ اس کے بندے کی آن جائے
اسی کی چوکھٹ یہ ہوگا سجدہ جدھر وہ ہوگا ادھر جھکے گا
بجز خدا کے کسی کے آگے نہ دل جھکا ہے نہ سر جھکے گا

کیپٹنشش: مفسد باغی ہماری رسموں اور مذہبی تہواروں کے ساتھ اعلانیہ نفرت کا اظہار کرنا اور پھر دنیا کے سامنے اپنی بے گناہی کا انکار کرنا۔ ذلیلو! اگر ہم جانتے تو نہیں آزادی اور زندگی کبھی نہ بخشتے۔

عذرا: اس ملک روم میں آزادی اور زندگی! یہ دونوں کہاں ہیں؟ ہماری قوم کے لئے یہ دونوں چیزیں کسی قیمت پر نہیں مل سکتیں۔ تم میں رحم انصاف اور ایمانداری کہاں ہے؟ ہماری زندگی کے لئے قدم قدم پر ذلت ہے، شرمندگی ہے

شجر زندیت کے چمن چمن کے ثمر توڑے ہیں — تم نے دل توڑے ہیں سب کے جگر توڑے ہیں
ایسے ظالم ہو کہ تم نے کوئی دو چار نہیں — سینکڑوں لاکھوں ہی اللہ کے گھر توڑے ہیں

کیپٹنشش: صاحبو! سنیں تم نے باغی خصومت کی، یہ سراسر توہین ہے رومن حکومت کی۔

عذرا: اگر رحم نہ ہو تو حکومت کس کام کی، بے انصافی کی بہا داری ہے بے نام کی۔ تم نے

اگلے وقتوں میں ہماری قوم پر جو جو ظلم کئے ہیں وہ اس دل پہ خون کے حرفوں سے لکھے ہوئے ہیں سہ

ہمارے سر پہ ہزاروں ستم ہیں ڈھائے گئے ہمارے جھونپڑے توڑے گئے جلائے گئے
تمہیں ہو جو کہ ہمیشہ ہمیں ستائے گئے ہمیں ہیں جو کہ تمہارے ستم اٹھائے گئے

سردار : یہ ہمارے دیوتاؤں کا سخت دشمن ہے۔

عذرا : نہ ہم کسی کے دشمن نہ بدخواہ، تم اپنی راہ لو اور ہم اپنی راہ سہ
ہر ایک اپنے مذہب کا دوربین خود ہے عیسیٰ بدین خود ہے موسیٰ بدین خود ہے

سردار : ہمارا خدا عیاں ہے، مگر تمہارا خدا کہاں ہے ؟

عذرا : ہمارا خدا یہاں ہے، وہاں، محیطِ زمین ہے، مدارِ آسماں ہے۔

سردار : خدا اگر ظاہر نہیں بر ملا نہیں تو کچھ نہیں۔

عذرا : خدا ہی سے خدائی ساری، خدا نہیں تو کچھ نہیں۔

(راحیل کا آنا)

راحیل : کیا ہوا اے نیک حاکمو! ہماری کیا خطا ؟

کینشش : خاموش! اے سرزن، سر انداز! ۔۔ ابھی یہ آواز کیسی تھی ؟

راحیل : ہمارے کام کاج کی تھی اور آواز کیسی تھی ؟

کینشش : کیا آج کے دن کام کاج کے لئے امتناعِ عام نہ تھا ؟

عذرا : تمہارا امتناعِ عام خدا کا کلام نہ تھا

کینشش : ہمارے یہاں بادہ و جام کا نیک انجام نہیں سہ
نہ شوقِ بادہ رکھتے ہیں نہ ذوقِ جام کرتے ہیں
خدا کا نام جپتے ہیں اور اپنا کام کرتے ہیں

کینشش : صاحبزادیں! آپ نے باتیں خصومت کی، یہ تو سراسر توہین ہے دیو

حکومت کی۔

عذرا : آگ پر جب تپتی ہوئی دیگچی چڑھائی جائے گی تو ضرور جوش کھائے گی ؎

دل میں شرارِ درد ہو لب پر فغاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

لیفٹننٹ : ؎ یہ تو پہلی چھیڑ ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

راحیل : پیارے ابا ! غم نہ کھاؤ۔ اے رومی سردار ! میں تمہاری کنیز بنوں گی خطِ غلامی لکھ دوں گی۔ ہمارا گھر لو مگر ہماری جانیں بخش دو۔ رحم کو کام میں لاؤ۔

لیفٹننٹ : جان کبھی نہ بچے گی اس بوڑھے نادان کی، اب خیر نہیں اس بد زبان کی۔

راحیل : جو پانی کا قطرہ انگلی کے سرے پر آ رہا ہے اور آپ ہی ٹپکا چاہتا ہے اسے خاک میں ملا کر گنہگار تر نہ ہو۔ جہنم کے سزاوار نہ بنو۔

لیفٹننٹ : تیری التجا بیکار ہے، یہ گنہگار سزا کا سزاوار ہے۔ لے جاؤ اور اسے کھولتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں تل کر قعرِ عدم کو پہنچاؤ۔

عذرا : بیٹیا ! ظالم کی نگاہ میں رحم کی جھلک نہیں ہوتی۔ دیکھ لو سانپ کی نگاہ میں جھپک نہیں ہوتی۔

لیفٹننٹ : بس چپ کراؤ اس دیوانے کو اور لے جاؤ آگ میں جلانے کو، جان سے مٹانے کو۔

راحیل : (رومن سردار سے) اے رحم کے دشمنو ! اس قدر سخت دل نہ بن جاؤ۔ اللہ رحم کرتا ہے

رحم کا ساماں کیا ہوتا نہیں خونخوار میں | آگ بھی موجود ہے پانی بھی ہے تلوار میں
چھوڑ دو نہ عفو و رحم کے ساماں کا سامنا | اک دن تمہیں بھی کرنا ہے یزداں کا سامنا

راحیل : (عذرا سے) میں نے سنا ہے کہ رومن دیوتا بہت رحم دل ہوتے ہیں، پیارے ابا !

ادھر آؤ اور ان کے دیوتاؤں کے دروازے میں پناہ لے کر جان بچاؤ۔

عذرا: نہیں! زنہار نہیں! کیا میں ان کے مندر میں خدا سے بیوفائی کرنے جاؤں؟
ان کے دیوتاؤں کی پناہ میں بھاگ کر جان بچاؤں؟
دنیائے چند روزہ کی خواہش فضول ہے   ایسے ذلیل جینے سے مرنا قبول ہے

کینشش: بس لے جاؤ، لے جاؤ۔

راحیل: نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

کینشش: نہ ہوگا؟ اچھا نہ سہی۔ لے جاؤ، دونوں کو سزا دو۔ اس بڈھے
کے ساتھ اس لڑکی کو بھی جلا دو۔

عذرا: ارے نہیں! اس پر ستم نہ ڈھاؤ۔ اس دن کو بھی یاد کرو جب تمہیں بیٹا
کہلانے والی تمہیں دانتوں کی چکی بے وفا ہو کر تم سے جدا ہو جائے گی،
جب اس دروازے کے دربا تول پر یہ سے ناتوانی آئے گی۔ میں اب تک یتیم
تھا، اب پانی ہوں۔ گدائے مہربانی ہوں۔ مجھے مارو، جلاؤ۔ مگر اس پر رحم کھاؤ۔

کینشش: مجرم پر رحم کرنا قانون کے خلاف ہے۔ ایسے سرکشوں کا مارا جانا بہترین
انصاف ہے۔

عذرا: ایک معصوم کی جان کو پناہ نہیں، اچھا کچھ پرواہ نہیں، اندیشہ نہیں۔ اچھا ظلم
اور مروت دار حلیہ بھر لو، اے ستم شعارو اس خون ناحق سے اپنا دامن بھر لو
کر ملے کی دلالی سے اپنا ہاتھ منہ کالا کر لو۔

کینشش: لے جاؤ! بس فوراً لے جاؤ!

(مارکس کا آنا)

مارکس: ٹھہر، او بے درد رومن سردار ٹھہر!

راحیل: پیارے منشیہ بھاگ جاؤ! ورنہ یہ جنونی تمہیں بھی یہودی سمجھ کر مار

ڈالیں گے۔

مارکس: پیاری! بھروسہ کرو، یہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتے ؎

ہوگی نہ اماں ہرگز شمشیر سے دم کی — دم بھر میں دکھائے گی یہ راہ عدم کی

تلوار نہیں، پیک اجل کی برچھی ہے — دوزخ کی زبانوں سے بھی آگ اس کی بری ہے

کینشش: کیوں دیر لگا رہے ہو؟ لے جاؤ۔

مارکس: معاف کر اے رومن سردار معاف کر!

کینشش: کسے؟

مارکس: اسے۔

کینشش: کس لئے؟

مارکس: اس لئے کہ یہ تمہارے قدموں کے آگے گرا ہوا ہے، اور گری ہوئی دیوار پہ چڑھ کر کودنا مردانگی نہیں۔ اس لئے ہٹ جاؤ، اسے نہ ستاؤ۔

کینشش: یہ حمایت کس کے لئے؟ اس خودسر یہودی کے لئے؟ ہمارے دین کے دشمن کے لئے۔

مارکس: یہودی ہو یا عیسائی، یورپ کا باشندہ ہو یا ایشیائی۔ بد ہو یا نیک مگر خدا کے رحم و کرم کی نظر سب پر ہے ایک۔

کینشش: مجرم کا حمایتی بھی مجرم ہوتا ہے۔ اسے بھی باندھ لو۔ دیر نہ لگاؤ۔

مارکس: کم بختو! بدمرادو! بھالے نیچے جھکا لو۔

کینشش: کس کے حکم سے؟

مارکس: میرے حکم سے۔

کینشش: تو کون ہے؟

مارکس: ادھر دیکھو۔

کینشش : کون؟ شہزادہ مارکس!
مارکس : چپ رہ! ذلیل ناکس!

پہلا باب چوتھا پردہ

عبادت گاہ

(یہودیوں کا گانا)

اے خداوند قدوس، نظر اپنے بندوں پر بھی ایک نظر
ہم ہیں عاصی پُر معاصی تیری رحمت کے امیدوار
ہیں بھکاری تیرے در پہ آئے، تیری چوکھٹ پر سر جھکائے
پریشاں غرق عصیاں، تیری رحمت لگائے گی پار

عذرا : بھائیو! اسے سر پہ چڑھائو اور ادب احترام سے کھاؤ۔
مارکس : میں رومن ہو کر یہودیوں کی نذر نیاز کھاؤں؟ نہیں میں ہرگز نہیں کھاؤں گا
راحیل : ہیں، سب نے کھایا، مگر منشیہ نے لب تک نہ لگایا، اس نے پھینک دیا کیا
کیا مخالف کو دیا، کیا صاحب کیوں کو دیا ٭ ہائے ہم نے اپنا دل کیا دشمن دیں کو دیا
عذرا : بھائیو! اپنی جلاوطنی کا قریب اب زمانہ ہے۔ حکم حاکم سے اسی مہینہ بعد ہمیں پیارا

٭ گفتگو کا یہ حصہ مکالمہ نہیں بلکہ کردار اپنے آپ سے مخاطب ہے۔ ڈراما کی اصطلاح میں اسے ASIDE یا خود سے یا علیحدہ کہتے ہیں یعنی کردار ایک طرف کو ہٹ کر کوئی ایسی بات کہتا ہے جسے تماشائی تو سنتے ہیں لیکن اسٹیج کے دوسرے کردار نہیں سنتے۔

وطن چھوڑ جانا ہے اس لئے ؎

رہنا اس انجمن میں بہم اتفاق سے ——— سر کے نہ زینہار قدم اتفاق سے
آئے گا ہم کو غصہ جو اس بزم پاک میں ——— اس کو خدا کا قہر ملا دے گا خاک میں

مارکس : اگر یہ مجھے اس وقت پہچان جائے تو اس دل دیوانہ کی بدولت میری جان بچ جائے

(اندر سے آواز کا آنا)

آواز : آہا بجھا دو، سب قندیلیں بجھا دو۔ رسم کے آثار چھپا دو۔

عذرا : کون ہے یہ نرالے وقت کا آنے والا ؟

جونا : (اندر سے) شاہی آدمی ضروری کام پر۔ کھولو دروازہ شاہ ٹائٹس کے نام پر

عذرا : شاہی آدمی ! سب کے سب چور دروازے سے نکل جاؤ۔ جلد اپنی جان بچاؤ۔

(سب کا جانا)

مارکس : کیا میں بھی جاؤں ؟

عذرا : نہیں تم ایسے نازک وقت میں نہ جانا۔ کوئی آفت آجائے تو مجھے بچانا۔

راحیل : (علیحدہ) یہ خلل بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ آج میں نیازی کی روٹی کا بھید اس سے لئے بغیر نہ چھوڑ دینے والی نہیں (ظاہرا) منتشیہ ل کر جانا۔ خبردار پتہ نہ بتانا۔

(راحیل کا جانا)

مارکس : کیسی کڑی نگاہیں ! کہیں تاڑ تو نہیں گئی ؟ ؎

شاہ سے چور ستمگر نے بنایا مجھ کو ——— کس مصیبت میں مرے دل نے پھنسایا مجھ کو
قصد کرتا ہوں جو اس جا سے کہیں جانے کا ——— دل یہ کہتا ہے کہ تو جائیں نہیں جانے کا

گانا

عجب جال انجمن میں میری پڑتی ہے ——— کہ زلفوں کی دل پہ پڑی ہتھکڑی ہے

نمبر پچھلے صفحے کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

اجل ہی کے ہاتھوں سے نکلے گی آخر　　جو تیری نگہ میرے دل میں گڑی ہے
نظر ملتے ہی زلف پیچاں میں الجھا　　مرے پاؤں میں کیسی یہ بیڑی پڑی ہے
نہ رہنے کی ہمت نہ جانے کا یارا　　مرے سر پہ کیسی یہ آفت پڑی ہے
مری قبر ٹھوکر سے ہموار کر کے　　کہا کیسی رستے میں ڈھیری پڑی ہے

عذرا : آہا ! شہزادی باشان و شوکت

مارکس : ہیں اکون ؟ ڈلیسیا ! میری منگیتر ؎

اب ایسے میں کہاں جاؤں، کدھر چھپ کا چلا جاؤں
زمیں پھٹ جائے گر اے آسماں تا میں سما جاؤں

عذرا : اے نشان والا شاہی ! کیا ہے فرمان شاہی ؟

ڈلیسیا : خاص کار ہے۔ کون یہ گل بے خار ہے

عذرا : غلام کے کارخانہ کا کاریگر آزمودہ کار ہے

ڈلیسیا : جونا ! دیکھ تو اس کی صورت پیارے مارکس سے ملتی ہے

مارکس : افسوس یہ مجھے پہچان جائے تو اس دل دیوانہ کی بدولت میری جان جائے*

ڈلیسیا : تمہارے پاس نولکھا ہار ہے - ؟

عذرا : جی جناب تیار ہے -

ڈلیسیا : لاؤ میں دیکھوں تو سہی کہ وہ ہار میرے عیسیٰ النفس مارکس کی صراحی دار گردن کے سزاوار ہے

مارکس : ہائے کاش اسے خبر ہوتی کہ بوالہوس مارکس کے گلے کا ہار کسی دوسرے ہی کی زلفوں کا تار ہے*

عذرا : تو ہار لاؤں ؟

ڈلیسیا : ہاں ! لاؤ جلدی لاؤ -

ASIDE *

مارکس : میں جاؤں ؟

عذرا : نہیں تم یہیں رہو

مارکس :۔ ہائے کیسے پھنس گئے کس پیچ کے پالے پڑے
کھل گئی قلعی اگر تو جان کے لالے پڑے

ڈلیسیا : جونا ! میں اس جوان یہودی سے بھی ایک کام بنواؤں گی یعنی پیارے مارکس کا
ایک مونوگرام بنواؤں گی۔ ذرا ادھر تو آنا بھائی !

مارکس : اب کمبختی آئی

جونا : چلیے آئیے، چلیے آئیے، شہزادی بلاتی ہے

ڈلیسیا : تمھیں نقاشی آتی ہے ؟ (اشارے سے انکار) او باغ کے بڑے، کچھ منہ
سے بھی پھوٹے

یہ نگاہیں شرمگیں، یہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہے تو شکل یار پر لیکن ہے مرجھائی ہوئی

راحیل :۔ ہے نظر حسرت زدہ اور آنکھ للچائی ہوئی
کیا مرے دلدار کی یہ بھی تمنائی ہوئی

عذرا :۔ یہ بھی گھبرایا ہوا اور وہ بھی گھبرائی ہوئی
دونوں پر میاں تحیر کی گھٹا چھائی ہوئی

حضور، یہ رہا وہ ہار

ڈلیسیا : بے شک یہ ہار پر بہار ہے۔ اسے کل دربار میں لانا، منہ مانگے دام لے جانا۔
کل یہ ہار اپنے نوبہار کو پہناؤں گی اور اس کے گلے کا ہار بن جاؤں گی ؎
دل توڑ کے دل اس کا مسخر بناؤں گی یہ گھر بگاڑ ڈالوں گی وہ گھر بناؤں گی

مارکس :۔ اس طرح کی او فاسد بیوفائی تو نے کی اے دل ناداں کیسی کج ادائی تو نے کی

ڈلیبیا: عذرا، اس ہار پر میرا اور میرے پیارے مارکس کا نام اس کاریگر سے کھدوانا۔

(جانا)

مارکس: ـــ شکر ہے آج بچی جان بڑی مشکل سے
میری مشکل ہوئی آسان بڑی مشکل سے

راحیل: سفتیہ، تمہارا پیار خاکستر ہے

مارکس: راحیل، میرا پیار نقش کالحجر ہے

راحیل: کیا یہ کوئی طلسماتی گل کھلا ہوا ہے

مارکس: پیاری یہ دل تم سے ملا ہوا ہے۔

راحیل: پھر تم رومنوں سے کیوں ملتے ہو؟

مارکس: کیا رومنوں سے مجھے کوئی لگاؤ ہے؟

راحیل: بلکہ ان پہ تمہارا دباؤ ہے ـــ
ماہ جو تھا اب وہ ہے شبنم ہمارے سامنے
اب ترے میٹھے سخن ہیں سم ہمارے سامنے

مارکس: ـــ پر خطا ہی گر سمجھتی ہو تو دو ہم کو سزا
لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

راحیل: ـــ آہا کھڑے ہیں کیا یہ بیچارے بنے ہوئے
گویا ہیں ہر طرح سے ہمارے بنے ہوئے

مارکس: ـــ ہے کون اس جگہ پہ مری جان تمہیں تو ہو
اس گھر میں اور کون ہے یہاں تمہیں تو ہو

راحیل: ـــ یہ باتیں جاکے تم کسی نادان سے کہو
کیا دیوتا ہے تمہارا تم ایمان سے کہو

مارکس: ؎ کیوں گا سب کہوں گا۔ موبمو تم کو جتا دوں گا
تم آنا باغ میں کل رات کو میں سب بتا دوں گا

گانا

سیر کرنے کو مرا گل رو جو چمن سے نکلا — مرحبا، آفریں! ہر گل کے دہن سے نکلا
ڈوب کر آدمی دریا سے ہزاروں نکلے — غرق ہو کر نہ کوئی چاہِ ذقن سے نکلا

جادو بھرے نیناں یہ جاناں سنبھال۔ قتل کر دیں گے دیکھیں گے جدھر کو۔ پیاری بے گناہوں کو کر دو نہ حلال۔

باب پہلا — پانچواں پردہ

باغیچہ

(مارکس کا گاتے ہوئے آنا)

ضرورت کیا انہیں تیغ و تبر کی — ادا کافی ہے اک ترچھی نظر کی
وہ کیا جانیں کسے کہتے ہیں الفت — خبر کیا ہے انہیں دردِ جگر کی
تجھے معلوم ہے کچھ او ستمگر — شبِ غم کس طرح ہم نے بسر کی
چلے جاتے ہو مڑ کر دیکھ جاؤ — قسم ہے آپ کو ترچھی نظر کی
لگا کر دل کسی سے ہائے ہم نے — مصیبت مول لے لی عمر بھر کی

راحیل: پیارے مشتری قسم کھاؤ اور صاف صاف بتاؤ کہ تمہارا خیال بد ہے یا نیک ہے؟ کیا تمہارا دل اور زبان ایک ہے۔ ؎

تم نظر آتے ہو اکثر مجھ کو گھبرائے ہوئے — فکر کے بادل ہیں تم پر اس قدر چھائے ہوئے

مارکس: پیاری! میں نے ابھی نہیں اسی لئے یہاں آنے کی تکلیف دی ہے کہ تمہاری آنکھوں پر میں نے جو طلسمی پردہ ڈال رکھا ہے اُسے اتار کر صاف اور کھلے لفظوں میں اپنی حقیقت آشکارا کر دوں سے

مرے ہونٹوں پہ شہد اور زہرِ قاتل تھا چھپا دل میں
ہیولہ رہ گئی میں ہر جس طرح پیل تھی وفا دل میں
حقیقت کردو ظاہر آج تک جو نے دیا میں نے
مری جان معاف کرنا تم کو ہے تم کو ٹھگا میں نے

راحیل: او خدا کیا تم نے مجھے ٹھگا، دھوکا دیا۔ بتا بتا بتا، مجھے دام محبت میں پھنسایا!

مارکس: ہاں پیاری، حقیقت یہ ہے کہ میں ابھی تک عشق کے اسٹیج پر یہودی کا لباس پہن کر ایک دھوکے باز عاشق کا پارٹ ادا کر رہا تھا ورنہ سے

میرا گمان الگ ہے میرا یقین الگ ہے تیرا دین الگ اور میرا دین الگ

راحیل: تو کیا تم ہمارے ہم مذہب نہیں ہو؟

مارکس: نہیں! میں تمہارے دشمنوں کی ڈالی ہوئی بنیاد ہوں، رومن خون اور رومن باپ کی اولاد ہوں۔

راحیل: تم یہودی نہیں ہو؟

مارکس: نہیں!

راحیل: پھر تمہیں یہودی بننے کو کس نے کہا؟

مارکس: تمہاری دلفریب صورت نے! اس موہنی مورت نے

راحیل: تمہیں ایک یہودی لڑکی سے محبت کرنے کی جرأت کس نے دلائی؟

مارکس: تمہاری محبت نے۔

راحیل: اف نورمیں نار۔ شربت میں کف مار، زہریلا سانپ اور گلے کا ہار سے

کیوں الجھتا ہے دامن گر نہ تھی پھولوں میں   مجھ کو کیا معلوم تھا کانٹا چھپا ہے پھول میں
میری بربادی کا آخر کچھ سبب بتلا مجھے   کیا خطا تھی میری تو نے کیوں دغا دی کا مجھے

مارکس: دھوکا نہیں پیاری راحیل! دھوکا تو اس وقت تھا جب میں تمہارے خوبصورت ہونے سے انکار کرتا یا تمہیں چھوڑ کر کسی اور کو پیار کرتا۔ تمہارے صاف صاف پوچھنے پر بھی اپنی سچی حقیقت سے نہ خبردار کرتا ہے

یہودی ہوں کہ رومن ہوں میں تو بس ہوں کہ ناری ہوں
کوئی ہوں، کچھ بھی ہوں پر تیری صورت کا پجاری ہوں

راحیل: مگر اب تم اس صورت کی طرف دیکھنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

مارکس: کیوں؟

راحیل: کیونکہ اس چہرے کو دیکھنے کے لئے وہی آنکھ چاہئے جو بت پرستی اور کفر کی چمک دمک سے نفور ہو، جس میں یہودی مذہب اور یہودی یقین کا نور ہو۔

مارکس: تو کیا تم رومن ہونے کی وجہ سے اپنا دل مجھ سے پھیر لینا چاہتی ہو؟

راحیل: کاش یہ ممکن ہوتا! ظالم، نہیں اب تجھ سے اپنا دل واپس نہیں لے سکتی۔ جس طرح پروانہ شمع پر جلنے کے لئے، پتنگ جس طرف کی ہوا ہو اس طرف اڑنے کے لئے، پانی نشیب کی طرف بڑھنے کے لئے مجبور و ناچار ہے، اسی طرح میرا دل بھی تیری محبت میں بے اختیار ہے۔

مارکس: تو کیا میں امید رکھوں کہ یہ ہاتھ ہمیشہ کے لئے میرے ہاتھ میں دے دو گی؟

راحیل: نہیں!

مارکس: کیوں؟ آخر کس وجہ سے انکار ہے، کس لئے جی بیزار ہے؟

راحیل: دل پر میرا قبضہ ہے لیکن ہاتھ پر میرے باپ کا اختیار ہے۔

مارکس: مگر تمہارا باپ تو متعصب یہودی ہے۔ کیونکر اپنی لڑکی کا ہاتھ ایک
رومن کے ہاتھ میں دینے کو تیار ہوگا۔ ایسی محبت۔۔۔ ایسی شادی کا کیسے
روادار ہوگا؟

راحیل: پھر میں کیا کر سکتی ہوں؟

مارکس: پیاری راحیل، تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میری جان کسی شب
آپ کو چھوڑ کر میرے ساتھ نکل چلو۔ ہم دونوں [illegible]
لے اور واپس آجائیں گے۔

مریض درد کی اس طرح عید ہو جائے
تمام عمر کو راحت نصیب ہو جائے

راحیل: او خدا! یہ تو اپنے ساتھ بھاگنے کو کہتا ہے۔

مارکس: پیاری راحیل! کہو کس سوچ میں پڑ گئیں۔

نہیں ہے ... دل اپنا تمہیں ہوئیں خوشی اپنی
تمہاری ایک ہاں پر منحصر ہے زندگی اپنی
امیدیں جی اٹھیں وہ لفظ منہ سے پیاری جان کہہ دو
میں صدقے پیارے ہونٹوں کے اب نازک سے ہاں کہہ دو

راحیل: نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

اس زندگی پہ داغ لگایا نہ جائے گا
مجھ سے یہ نام ہنسایا نہ جائے گا

مارکس: اگر تمہارا انکار ہے تو میرا اس دنیا میں جینا بیکار ہے۔

خوشی میری، مری راحت فقط تیری نہیں تک تھی
سمجھ لینا کہ میری زندگی بھی بس یہیں تک تھی
سوائے موت کے اب غم کا چارہ کار نہیں
عبث یہ گلشن ہستی ہے جب بہار نہیں

راحیل: ٹھیرو ٹھیرو، پیارے ٹھیرو، مجھے سوچنے دو۔

بو صفحہ ٥

قہرِ خدا سے گڑ نہ گیا تو زمین میں ۔۔۔ کیا بے وفائی جرم نہ تھی تیرے دین میں
وہ بات کی نہ تھی جو گمان و یقین میں ۔۔۔ اک سانپ گویا پالا تھا اس آستین میں
کیا جانتا تھا میں کہ اک آفت ہے قہر ہے ۔۔۔ آبِ بقا میں سمجھا تھا جس کو وہ زہر ہے

مارکس: بزرگ عذرا! بے شک میں نے قصور کیا اور ضرور کیا۔ مگر یہ میری دانستہ خطا نہ تھی بلکہ اس عورت اور اس دل نے مجھے مجبور کیا ؎

بڑھو آگے چھری لو اور سینہ چاک کر ڈالو!
خطا اس دل کی ہے اس دل کو پھونکو خاک کر ڈالو

راحیل: نہیں! پیارے ابا نہیں ؎

اس زندگی کی یوں ہی کسی طرح شام ہو ۔۔۔ پھیرو چھری گلے پہ کہ قصہ تمام ہو
اس کی نہ کچھ خطا ہے نہ دل کا قصور ہے ۔۔۔ میں اس کو چاہتی ہوں یہ میرا قصور ہے

عذرا: بدبخت لڑکی! غیر قوم اور غیر مذہب کی چاہ چھری ہوتی ہے۔

راحیل: سچ ہے! لیکن دل کی لگی بری ہوتی ہے۔ اس سے انسان مجبور ہوتا ہے۔ جو کام نہیں کر سکتا وہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے ؎

جو کہ تیر دل کو لگی ٹھوکر سے گرا دیتے ہیں! ۔۔۔ وہ بھی بے درد محبت کو دعا دیتے ہیں
زور چلتا ہی نہیں عشق کے دربار میں کچھ ۔۔۔ یہ وہ چوکھٹ ہے کہ سب سر کو جھکا دیتے ہیں

عذرا: افسوس! میں نے کیا سوچ رکھا تھا اور یہاں کیا روبکار ہے۔ سچ ہے جس طرح دریا کے سامنے ایک تنکا بے بس ہے اسی طرح تقدیر کے آگے تدبیر ناچار ہے ؎

مجھ کو ہے خیال اور انہیں مدِ نظر اور ۔۔۔ ارمانِ طبیعت میں اِدھر اور اُدھر اور

راحیل: پیارے ابا! بے شک ہم دونوں محبت کرنے کے مجرم ہیں مگر اب تک ہمارا جرم گناہوں سے پاک صاف ہے اس لئے ہم سے نفرت کرنا انصاف کے خلاف ہے

مارکس: ؎ ہے پاک گناہوں سے ہماری یہ خطا بھی ۔۔۔ غارت ہوں اگر ہم کو بدی نے ہے چھوا بھی

ہم چشمہ ر افقت میں ہیں مانند کنول کے
جو پانی کے اندر بھی ہے پانی سے جدا بھی

عذرا : اچھا ! تم محبت کرلے تے ... اور ہر طرح بے قصور ہو ؟ چاند کی طرح اس
زمین کی ہوا میوا بات سے دور رہو ؟

مارکس : ہاں ! ... عذرا ... بات ...

پروانگی طاقت تری نظر یہ نہیں نکلے ... اخلاق کے قانون سے باہر نہیں نکلے
یہ قلب یہ جگر پاک ہے یہ ہیارہ پاک ... اللہ ہے شاہد کہ ہے دل پاک نظر پاک

عذرا : منشیہ اراحیل میں کونسی خوبی نظر آئی ہو تم اس کے قدر دان ہو ؟

مارکس : صورت ، اور صورت سے زیادہ اس کی سیرت ۔

عذرا : تو کیا تم اس کو چاہو گے ؟

مارکس : اپنی جان کی طرح ۔

عذرا : اس کو عزیز سمجھو گے ؟

مارکس : اپنی عزت اور شان کی طرح

عذرا : اس کی حفاظت کرو گے ؟

مارکس : اپنے دین اور ایمان کی طرح ۔

عذرا : اچھا تو میں اپنے پچھلے الفاظ واپس لیتا ہوں اور خوشی سے اس کا ہاتھ تمہارے
ہاتھ میں دیتا ہوں بڑھو اور دو زانو ہو ۔

مارکس : کیا آپ مجھ سے کوئی مزید اقرار کرانا چاہتے ہیں ؟

عذرا : ہاں ، ایک رومن کی بغیر مذہب بدلے ایک یہودی سے کبھی شادی نہیں ہو سکتی
اس لئے میں پہلے تمہیں اپنے دین کا کلمہ پڑھا کر اپنے مذہب میں لاؤں گا ۔ پھر اپنی
شریعت کے مطابق اس کے ساتھ تمہارا نکاح پڑھاؤں گا ۔ تمہیں منظور ہے ۔

مارکس : تو کیا محبت کرنے کا جرمانہ مجھے مذہب سے ادا کرنا ہوگا ؟

عذرا : ہاں ! اگر تم اس ہاتھ کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی قیمت فقط تمہارا دین ہے۔

راحیل : پیارے مارکس سے

سوچ میں کیوں پڑ گئے آخر ہو کوئی بات بھی
ہاں کہو تم جائیں تاکہ دل کی صورت ہاتھ بھی

مارکس : سے

کس کو چاہوں کس کو چھوڑوں کس غضب میں جان ہے
اک طرف یہ حور ہے اور اک طرف ایمان ہے

عذرا : جواب دو کیا خیال ہے ؟

مارکس : میں راحیل کو چھوڑ سکتا ہوں مگر مذہب چھوڑنا محال ہے۔

عذرا : تو پھر نہیں ؟

مارکس : کبھی نہیں !

عذرا : تو انکار؟

مارکس : ناچار !

عذرا : دوری ؟

مارکس : مجبوری سے

ساری دنیا سے زیادہ یہ شکر لب مجھ کو — اور اس سے بھی زیادہ مرا مذہب مجھ کو
ایسی شے سہل سے انسان نہیں دے سکتا — جان دے سکتا ہے ایمان نہیں دے سکتا

عذرا : تب کیا رومن کہتے تو ہمارے گھر میں گناہوں کی بدبو پھیلا کر فسق و فجور کا جال بچھا کر، ایک بھولی بھالی دوشیزہ کو حرام کاری کے راستے پر لگانے آیا تھا سے

رسائی پیدا کی میرے گھر میں عزیز بن کر — مگر یہ ٹھانے ہوئے تھا دل میں کہ باغ اجاڑنے بیٹھا
دغا اور اس سے دغا جو رسا کیا تھا جس نے مدام تجھ پر — زمیں سے لعنت فلک سے لعنت پڑے گی ہر صبح و شام تجھ پر

راحیل : پیارے ! سہ

میرے پیارے کیا ہوا یہ اور تمہیں کیا ہو گیا　　با وفا دل آج کیوں بے درد ایسا ہو گیا
جان کی، دل کی لگی کی قدر اب کچھ بھی جان لو　　یہ نہ کہنے کو نہیں رہ جاؤں کہ دھوکا ہو گیا

مارکس : راحیل ! میرے چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔ میں جاتا ہوں۔

عذرا : مگر یہ سمجھ کر جاؤ کہ جس واحد برتر خدا کو گواہ کرکے تم نے اس بھولی لڑکی کو دھوکا دیا ہے جس نے تمہارے پر جلال نام کی قسمیں کھا کھا کر تم سے انس لگایا ہے وہ وحدت اور جلال والا خدا بغیر سزا دیئے تمہیں کبھی اس دنیا میں نہ چھوڑے گا جس بے دردی سے اس غریب کا دل توڑا ہے اسی طرح وہ تمہارے غرور کو توڑے گا میں دعا کرتا ہوں کہ اس کا قہر عاجل تجھ پر نازل ہو، جاؤ جہنم واصل ہو سہ

خدایا اب اس کا لے تُو بدلہ جو دکھ دیا تو نے دل جلے کو
اسی کے ہاتھوں میں سونپتا ہوں میں اپنے تیرے معاملے کو

ڈراپ سین

دوسرا باب　　پہلا پردہ

باغیچہ

ڈلیا : پیارے مارکس، انسان کی فطرت ہی بھول ہے۔ جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب گزشتہ باتوں کا زبان پر لانا فضول ہے سہ

شکر ہے اس کا کہ جینے کا سہارا ہو گیا　　خیر کا جو ہو چکا تھا پھر ہمارا ہو گیا

مارکس : تو تم میری بے پروائی کا گناہ معاف کرتی ہو؟

ڈیلیا: میری جان مارکس! میں تمہاری کنیز ہوں اور کنیز پہ آقا کو ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے ؎

قبضہ ہے دل پہ جان پہ عقل و تمیز پہ
آقا کو اختیار ہے اپنی کنیز پہ

(گانا)

جانا ں نیناں لاگے ہیں۔ کٹھن ملو رسے موہن ہم سنگ۔ جاناں .....
جیا میں بست توڑی رسے پیاری صورتیا۔ دکھ میں جان پڑی ہے۔ آن مانو رے
جان بھری بات۔ جاناں نیناں .....
سگری رین موری گزری تڑپ تڑپ۔ نیاری توری متان، پیاری پیاری توری
آن۔ مانو جی مانو جی دل جان۔ جاناں نیناں .....

مارکس: او فریبی، او دغا باز دشمن! تو کس قدر ذلیل ہے۔ کتنا جھوٹا ہے۔ تیرے ہونٹ جھوٹے لفظوں سے ڈیلیا کے ساتھ محبت کا اقرار کر رہے ہیں اور تیرا دل و جگر دونوں ابھی تک راحیل کو پیار کر رہے ہیں ؎

بس اب بھی باز آ وہ کام کیوں بے دین کرتا ہے
کہ جس پہ خود ترا دل تجھ کو سو نفریں کرتا ہے*

(راحیل آتی ہے)

مارکس: کیوں راحیل یہاں کس لئے آئی ہے؟

راحیل: منغشیہ بھیرو ؎

جاتے کہاں ہو مجھ کو ٹھکانے لگائے جاؤ مارا ہے جس کو اس کا جنازہ اٹھائے جاؤ

مارکس: راحیل! تم یہاں کہاں؟

راحیل: اپنے صیاد کے پاس۔ قتل کر کے بھول جانے والے جلاد کے پاس ؎

وہ ولولے وہ جوش وہ سب پیار کیا ہوا
او بے وفا بتا ترا اقرار کیا ہوا

مارکس : راحیل، ہم دونوں محبت کے نشے میں سرشار ہو کر امیدوں سے بھرا ہوا ایک دلچسپ خواب دیکھ رہے تھے۔ اب ان خواب کی باتوں پر اعتبار کر کے ہوا پر مستقبل کا قلعہ بنانا بے کار ہے کیونکہ تقدیر کے تدبیر ناچار ہے ؎
دخل کب تدبیر کو تقدیر انسانی میں ہے   پیش آتی ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

راحیل : اگر یہی کرنا تھا، آگے بڑھ کر دھوکا ہی دینا تھا تو ایک بھولی بھالی سیدھی سادی لڑکی کو جو اپنے باپ سے محبت کرنے کے سوا اور کسی کی محبت سے واقف ہی نہ تھی، ایک معصوم بچے کی طرح جوان ہو کر بھی ان زہریلی باتوں سے بےخبر دار نہ تھی، اس کے سامنے دوزانو بیٹھ کر، آنسو بہا کر، گڑگڑا کر کیوں محبت کا یقین دلایا؟ کیوں اس کی زندگی کے آب حیات میں جھوٹی محبت کے اظہار سے زہر ملایا؟ ؎

تمہیں ہو پھونک ڈالا ساتھ دل کے ہاں وہی جس نے
بگاڑا یہ گھر جس نے اجاڑا یہ چمن جس نے!
تم اپنا ظلم آکر اس دل رنجور سے دیکھو!!
ہمارا گھر جلے اور تم تماشا دور سے دیکھو

مارکس : راحیل! جب تک ستار کے تار آپس میں ملے رہتے ہیں تب ہی تک اس سے دل بہلانے والا سریلا نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر تمہارے باپ کی ضد نے ٹھوکر مار کر اس محبت کے ساز کا تار تار الگ کر دیا۔ اب اس ٹوٹے ہوئے ساز سے دوبارہ محبت کا زمزمہ پیدا ہونا محال ہے پہلے میرا کچھ اور خیال تھا اب کچھ اور خیال ہے ؎

اب نہ وہ بات رہی اور نہ وہ جوش مجھے
تم بھی اب کر دو مری طرح فراموش مجھے

راحیل : یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ایک خدا پرست کی طبیعت دو خداؤں کے سامنے اطاعت کا اظہار نہیں کر سکتی اسی طرح ایک شریف اور پاکباز لڑکی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو پیار نہیں کر سکتی ہے

عمر بھر کو تجھ پہ صدقے جان میری ہو چکی　　تو تو ہو میرا مگر میں دل سے تیری ہو چکی

مارکس : اب مجھے راز کے چہرے سے ضرور پردہ ہٹانا ہوگا* راحیل تم اب تک مجھے کیا سمجھتی رہی ہو؟ -

راحیل : ایک شریف یہودی -

مارکس : اور اب کیا سمجھتی ہو؟ -

راحیل : ایک دغا دار رومن -

مارکس : مگر میں نہ وہ تھا اور نہ یہ ہوں -

راحیل : پھر؟

مارکس : پھر؟ میں سلطنت روم کا ولی عہد اور ہونے والا شہریار ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اپنی ہم مذہب اور ہم قوم کے ساتھ شادی کرنے کے لیے لاچار ہوں -

راحیل : تم ولی عہد ہونے والے بادشاہ ہو؟

مارکس : ہاں اب اس قصے کو طول دینا سراسر نادانی ہے۔ کیونکہ میری شادی ہونے والی ہے اور کل کا دن مقدر کے فیصلے کی طرح اٹل ہے -

راحیل : تو مقدر کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ شادی ہرگز نہ ہو -

مارکس : ضرور ہوگی -

راحیل : کبھی نہ ہوگی -

مارکس : کل ہی ہو جائے گی - امید بر آئے گی -

راحیل : قیامت تک نہ ہوگی -

* علیحدہ

مارکس : میں جو کہتا ہوں
راحیل : میں بھی جو کہتی ہوں
مارکس : اس شادی کو کون روک سکتا ہے ؟
راحیل : میں ! میں ! عذرا یہودی کی لڑکی راحیل !
مارکس : تو ، تو ؟
راحیل : ہاں ہاں ، میں میں ! اور میرے ساتھ روم کا رواج ، روم کا قانون ، روم کا بادشاہ ، میں ان سب کو مجبور کردوں گی کہ غاپانہ کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا جائے اس بدانجام شادی کے گھروندے کو پیر کی ٹھوکروں سے ڈھا دیا جائے ۔ ؎

بے آس میں رہی تو رہے نامُراد تو
ناشاد مجھ کو کرکے رہے گا نہ شاد تو
اس بے کس و غریب کو دکھ دے کے بے وفا
پھل پائے گا نہ دہر میں رکھ خوب یاد تو !

مارکس : یہ ناممکن ہے ۔
راحیل : اگر یہ ناممکن ہوا تو میں یہ سمجھوں گی کہ ظالموں اور نوجوانوں کے لئے میدان صاف ہے ۔ روم میں نہ کوئی قانون ہے نہ انصاف ہے ؎

باطل ہیں بزدلے ہیں بہ ظاہر دلیر ہیں — یہ دور سے ڈرانے کو مٹی کے شیر ہیں

مارکس : چپ !
راحیل : آہ !

گانا

کیسے بے دردی کے پالے پڑے ہیں — کہ فرقت میں جینے کے لالے پڑے ہیں

ظالم نگاہوں کی بے داد دیکھو کہ چتون کے سینے پہ بھالے پڑے ہیں

دل لگانا تھا دل لگی دل کی
اب رلانے لگی ہنسی دل کی
شمع رو دیکھ حالِ پروانہ
بُری ہوتی ہے یہ لگی دل کی

ظالم محبت نے آگ لگائی جل جل کے سینے میں چھالے پڑے ہیں
کیسے بے دردی کے پالے پڑے ہیں ......

دوسرا باب تیسرا پردہ

دربار

(سہیلیوں کا گانا)

جام بھر کے نڈر کے سو دلبر کے ہاں ۔ لو جی صاحب ر پیارا لرجی ۔ جھوٹی بتیاں نہ بناؤ، نہ شرماؤ ۔ پیاری ذرا کڑکے، جام بھر کے ۔ نت پیا پیا کرت ری ساجنا سلونا من بھاوے ۔

رنگ رنگیلے، چھیل چھبیلے ۔ من بھائے ۔ جیرا لبھائے ۔ جانی گلے لگ جاؤ ۔ خنجہ گھڑی شبھ ہاتھ، واہ واہ ہاں یہ جر کے بجھیں گے جگر کے جام بھر کے ....

نمبر ۱ لچک ہے شاخوں میں، جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

نمبر ۲ ہوائے عیش نے پھیلا دی نکہت شادی
اڑا ہے مشکِ غلق خاک کے بگولوں میں

چوبدار: عالی مرتبت شہزادی! علدرا یہودی دربِ دولت پر آیا ہے اور وہ بیش قیمت ہار
جس کی تیاری کا حضورِ عالیہ نے حکم دیا تھا، ساتھ لایا ہے
ڈلیسیا: حاضر کرو!
بروٹس: دیوتا خیر کرے۔ یہ نحوست کی نشانی، مصیبت کا پیش خیمہ اس ہنسی خوشی کے
جلسے میں کہاں سے نازل ہوا۔
پہلا درباری: بزرگ باپ! آپ نے نفرت کا اظہار کیوں کیا؟ کیا وہ کوئی چور
یا خونی ہے؟
بروٹس: اس شادی کے جلسے میں ایک یہودی کا ہار لانا سخت بدشگونی ہے۔
پہلا: مگر اس کے یہاں آنے سے ہمارا کیا نقصان ہو سکتا ہے؟
بروٹس: رانوں کو ایک بھونکنے والا کتا کیا نقصان پہنچاتا ہے، جو محلے سے ڈھیلے مار
کر بھگا دیا جاتا ہے۔ مکان کی چھت پر غم زدہ اور بار بار بولنے والا اُلّو کیا تکلیف دیتا
ہے جو فوراً بانس اور ڈھیلوں سے اڑا دیا جاتا ہے۔ جس طرح یہ دونوں
اپنی اپنی موجودگی سے نحوست پھیلاتے ہیں، اُسی طرح یہ منحوس یہودی بھی جہاں
جاتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور لاتے ہیں۔
ڈلیسیا: علدرا! خوش آمدید! غالباً تم ہار میری مرضی کے موافق ہی تیار کر کے لائے
ہو گے؟
علدرا: خادم نے کوشش تو اسی بات کی کی ہے۔ یقین ہے کہ حضورِ عالیہ دیکھ کر
بہت پسند فرمائیں گی اور خوش ہو کر مزاج کا سرٹیفکیٹ عطا فرمائیں گی۔
ڈلیسیا: بہت اچھا! بہت خوبصورت! یہ دلکش ہار جب میرے عیسیٰ نفس
مارکس کی صراحی دار گردن کا ہار ہوگا تو بڑا پُر بہار ہوگا
بروٹس: عزیز شہزادی! چونکہ یہ ہار ایک یہودی کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے اس لئے

اسے پہلے مندر میں بھیج کر اسے پاک بنایا جائے، اس کے بعد شہزادہ مارکس کے گلے میں پہنایا جائے۔

عذرا: مالی مرتبت، دینی سروانہ! جس طرح رومن قوم بادشاہ کی فرماں بردار ہے اسی طرح یہودی قوم بھی اُس کی دعاگزار ہے۔ جس طرح وہ شاہی احکام کی حرمت کرتے ہیں ہم بھی کرتے ہیں۔ جس طرح وہ شاہی دشمنوں کو اپنا دشمن جانتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان کو حقیر جانتے ہیں۔ جب بادشاہ کا اپنی رعیت کے ہر چھوٹے بڑے پر یکساں بات ہے تو محض مذہبی تعصب کی بنا پر اس کی ایک شریف رعایا کو سر دربار ذلیل کرنا کتنی شرم کی بات ہے۔

بروٹس: ذلیل کو ذلیل کہنا میری نظر میں کوئی برائی نہیں۔ کیا تم یہودیوں نے اپنی سود خواری اپنی کینہ پروری اپنی بے رحمی سے ہم رومیوں کے سر پر طرح طرح کی مصیبت ڈھائی نہیں ہے۔ اُن کے حصہ میں کون سی برائی ہے جو آئی نہیں ہے۔

عذرا: لیکن اگر واقعی ہم ایسے ہیں تو ہمیں ایسا بے رحم بنانے والے بھی تم اور تمہاری قوم ہے۔ جب تم ہمارے پاک مذہب کی حقارت کرو گے اور ہمارے منہ پر تھوکو گے، ہمیں ایک کتا سمجھ کر ٹھکرا دو گے تو کیا ہمارے دل میں بھی انتقام کا سویا ہوا جذبہ بیدار نہ ہوگا؟ جب غریب جانور بھی اپنے ستانے والے پر پلٹ کر حملہ کرے گا۔ تو دل اور کلیجہ رکھنے والا انسان کیونکر بدلہ لینے کو تیار نہ ہوگا۔

بروٹس: جھوٹے! اگر ہم واقعی ایسے ہی ہوتے تو تم لوگ ہماری سلطنت میں رہنے ہی نہ پاتے، چیل اور کووں کی غذا ہو جاتے۔

عذرا: کیوں نہیں! یہ آفتاب جو ہمیں روشنی پہنچاتا ہے، یہ دریا جو ہمیں پانی پلاتا ہے۔ یہ زمین جو ہمارے لئے غذا اگاتی ہے، غرض قدرت کی ہر ایک قوت جو ہماری خدمت بجالاتی ہے، یہ سب تیری ہی مہربانی ہے۔ تمہاری ہی وجہ سے ہماری زندگی

ہے۔کیا ہمارے خدا تم ہی ہو؟

پروٹس:۔اچھا تو بتا سکتا ہے کہ تیری قوم کے ساتھ ہم نے کون سا بُرا سلوک کیا ہے،
کون سا عذاب دیا ہے؟

عذرا: یہ مجھ سے نہیں، اپنے بے دردِ دل سے پوچھو! اپنے خون بھرے ہاتھوں سے پوچھو!
اپنی چھریوں اور خنجروں سے پوچھو۔کیا ہزاروں یہودیوں کو محض اس قصور پر کہ وہ
یہودی مذہب کے خدا کو پوجتے ہیں، سخت سے سخت عذاب کے ساتھ قتل نہیں کرایا؟
ہزاروں بچوں کو یتیم اور ہزاروں عورتوں کو بیوہ نہیں بنایا؟ ہماری قوم کے مظلوم
بےکسوں سے اپنا قید خانہ نہیں بسایا؟ اگر یہی اچھا سلوک ہے یہی اچھا کام ہے تو
مجھے بتاؤ کہ ناانصافی اور ظلم کس چیز کا نام ہے سے

تم ستم کرتے رہے اور ہم ستم دیکھا کئے خانماں برباد ہو کر رنج و غم دیکھا کئے
سر ہوئے تیغ عداوت سے قلم دیکھا کئے تم نے کیں لاکھوں جفائیں اور ہم دیکھا کئے

بُغض کا ہم پر مگر اُٹھا اٹھ ہوتا گیا
چھانٹنے سے نخلِ مذہب بارور ہوتا گیا

ڈیسیا: ناعاقبت اندیش! یہودی خاموش رہ۔کیا زندگی سے نااُمید ہے؟ بزرگ باپ!
ایک فرسودہ جو اس بڈھے کو اپنا مخاطب بنانا آپ کی شان سے بعید ہے۔

شاہ طاتکس: میں ڈیسیا کی رائے کو پسند کر کے آپ کو اس احمقانہ جرأت سے چشم پوشی کرنے
اور اس یہودی کو خاموش رہنے کا حکم دیتا ہوں۔خیر سے نئے اور برکت سے کر
میرے عزیز بچوں کا ہاتھ ملائیے۔

پروٹس: تو خوش اور ایک دوسرے پر مہربان رہو
دنیا میں بامراد رہو شادماں رہو

(داخل دطیر و اطیرہ) حجب تک بادشاہ عادل کے حضور میں ایک مظلوم بادشاہ کی عرضی پیش...

ہو کر دغا بازی کے مقدمہ کا فیصلہ نہ ہونے اس وقت تک ٹھیرو۔

شاہ ٹائٹس: یہ کون؟

مارکس (خود سے): یہ باعثِ تکلیف راحت ہیں گراں جانی ہوئی
سن رہا ہوں صاف اک آواز پہچانی ہوئی

عذرا: راحیل، تو یہاں کیوں آئی؟

راحیل: انصاف پانے۔

عذرا: کیا تجھے یقین ہے کہ ایک رومن شہزادی کے خلاف ایک مظلوم یہودی کی لڑکی کی فریاد سنی جائے گی۔

راحیل: اگر اس دربار کا یہ دعوےٰ ہے کہ یہاں امیر اور غریب دونوں کا یکساں اثر ہوتا ہے تو اُسے دعوے کی شرم رکھنے کے لئے میری فریاد ضرور سننی پڑے گی۔

بادشاہ: اے اجنبی لڑکی صاف لفظوں میں حال بیان کر۔ اگر تو مظلوم ہے تو تیرا حریف چاہے شاہی نسل کا ہی آدمی کیوں نہ ہو، انصاف ضرور تیری طرف داری کرے گا۔

بول! تو کس کی ستائی ہے اور کس کے خلاف فریاد لائی ہے!

راحیل: مجھے ستانے والا، دین و دنیا سے مٹانے والا وہ
جفا پیشہ، دغا دشمن، ستم گر کون ہے؟ یہ ہے
شکایت جس کی کرتا ہے مقدر کون ہے؟ یہ ہے

ڈیسیا: کون شہزادہ مارکس!

بادشاہ: ولی عہد سلطنت

راحیل: ہاں یہی! یہی وہ
اسی کے دم سے خزاں باغ کی بہار ہوئی
یہی ہے جس سے مری زندگانی خوار ہوئی

بادشاہ : مارکس! سنتا ہے؟ اس الزام کا تیرے پاس کیا جواب ہے؟

مارکس : سنائی گئی تھی، بُرا کہہ رہی ہے — جو یہ کہہ رہی ہے بجا کہہ رہی ہے

ڈلیسیا : دیوانی عورت! بولنے سے پہلے سوچ لے کہ کیا کہہ رہی ہے۔

راحیل : بچئے! بچئے شہزادی صاحبہ! اس خوبصورت سانپ سے بچئے! ۔ سہ

بے رحم ہے یہ رحم سر مو نہیں رکھتا
یہ روح میں درد آنکھ میں آنسو نہیں رکھتا
آزاد ہے جذبات پہ قابو نہیں رکھتا
وہ پھول ہے یہ پھول جو خوشبو نہیں رکھتا

ڈلیسیا : بس بس! خاموش! میں ایسا کوئی لفظ جس سے میرے منگیتر کی توہین ہو نہیں سن سکتی۔

راحیل : شہزادی سہ

سراسر مکر، سرتا پا وفا نا آشنا ہے یہ
مری آنکھوں سے دیکھو تم تو ہو روشن کہ کیا ہے یہ

کنواری رہنا بہتر جانئے اس عقد ہونے سے
وفا کی ہے عبث اُمید مٹی کے کھلونے سے

پروٹس : عالی جاہ! اگر آپ میری عرض سماعت فرمائیں تو میں یہ کہوں گا کہ عورتوں کے بیان پر کبھی یقین نہ کرنا چاہئے۔ یہ عورتیں شیطان کے مکتب سے تعلیم پا کر نکلی ہیں۔ اس لئے ان سے ہر وقت ڈرنا چاہئے سہ

جفا سے ربط کریں اور وفا سے عار کریں — جگر پہ ضرب لگائیں تو دل پہ وار کریں
جو شرمناک عمل ہوں ہزار بار کریں — یہ بے گناہ کو دم میں گنہگار کریں

ہزاروں کر کے پہلو نکلتے بات سے ہیں
جہاں میں جتنے ہیں فتنے سب ان کی ذات سے ہیں

عذرا: سریر آرائے عدالت! سلطنت کا ایک معزز رکن ہو کر انصاف کے راستے میں روڑا
اٹکائے، وباڑ ڈال کر شاہی انصاف اور شاہی رائے کو ایک مظلوم فریادی کے
خلاف بنائے، کیا یہ ان جیسے مقدس آدمی کو سزاوار ہے؟ کیا بادشاہ حق پسند
کا انصاف مظلوموں کا سرپرست ہونے کے بدلے ظالموں کا طرفدار ہے؟

بادشاہ: نہیں یہودی کبھی نہیں! جس طرح آفتاب کی روشنی امیروں کے محل اور غریب
کے جھونپڑے میں کوئی فرق نہیں کرتی اسی طرح میں انصاف کے وقت ادنیٰ اور
اعلیٰ سب کو یکساں جانتا ہوں۔ اپنی ذمہ داری اور اپنا فرض پہچانتا ہوں۔

عذرا: بس تو پھر جھگڑا صاف ہے۔ آج کے دن آپ کے لئے صرف ایک ہی کام
ہے، اور وہ ان کا انصاف ہے۔

بادشاہ: میں انصاف کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دوں گا۔

راحیل: خدا آپ کو مظلوموں کی حمایت کے لئے قیامت تک زندہ رکھے۔ فرمایئے اگر
آپ کی رعایا میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کا وعدہ کر کے اس کی محبت
کا شکار کرے اور اس کے کنوارے ہونٹوں اور گالوں کو ناپاک بنانے کے بعد
اسے چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے پیار کرے تو اس کے لئے حضور والا کا قانون
کیا سزا تجویز کرتا ہے؟

بادشاہ: موت! بغیر رحم کے موت!

عذرا: تو بس ہو چکا، فیصلہ ہو چکا۔ آپ شاہی نام کی عزت ہیں۔ تختِ سلطنت
کے اہل ہیں۔ قلم اٹھایئے اور ولی عہد سلطنت کے قتل کا حکم صادر فرمایئے

بادشاہ: مگر پہلے مجھے اس کا گناہ تو معلوم ہونا چاہیئے۔

راحیل: یہ آپ کی عزت اور شہرت کو برباد کرنے والا، اس ملک کی غریب لڑکیوں
کے سر پہ تباہی لا رہا ہے۔ اس نے پہلے مجھ سے شادی کا وعدہ کر کے مجھے

دھوکا دیا اور اب شہزادی ڈیسیا کو بھی فریب کے پھندے میں پھنسا رہا ہے

مجھ کو نہ کیا جب تو اسے شاد کرے گا
اس کو بھی مری طرح یہ برباد کرے گا

بادشاہ: مارکس! اُٹھ کھڑا ہو، جواب دے۔ ورنہ بدترین قسم کی سزا سے موت تیرے لئے تیار ہے۔

مارکس: بے شک غلام آپ کا خطاوار ہے؛ اور دست بستہ حضور والا سے رحم کا امیدوار ہے۔

بادشاہ: رحم یہ کر سکتی ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔

بروٹس: جہاں پناہ!

بادشاہ: بس کچھ نہیں!

بروٹس: یہ نہ ہونا چاہئے!

بادشاہ: یہ ضرور ہو گا!

بروٹس: میری عرض یہ ہے کہ قانون گمراہوں کے واسطے ہے نہ کہ خیر خواہوں کے واسطے۔

بادشاہ: اگر بادشاہ گمراہ ہے تو وہ بھی قانون کی رسی میں جکڑا جائے گا۔ اگر شہزادہ چور ہے تو اس جرم میں ضرور پکڑا جائے گا۔

بروٹس: میں پھر عرض کرتا ہوں کہ عام رعیت سے ایک شہزادہ زیادہ قابل توقیر ہے۔ جس ہتھیار سے غلام پر ضرب لگائی جائے اُسی ہتھیار سے آقا کو قتل کرنا مرتبے اور شان کی تحقیر ہے۔

بادشاہ: مگر انصاف کی تلوار آقا اور غلام دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتی ہے

یہاں تمیز نہ آقا ہیں اور نہ بندے ہیں
کہ صاف دونوں کی گردن ہے ایک پھندے میں

بروٹس: عشق کا جوش ایک قسم کا جنون ہوتا ہے۔

راحیل: اس خوشامد بازی سے انصاف کا خون ہوتا ہے۔

بروٹس: ارے چپ چپ! تو ایک بھیک منگے کنگال کی ذلیل چھوکری اور چراغ سلطنت بجھانے کا ارادہ! ایک مفلس بے ننگ و نام لڑکی، اور خاندانِ شاہی کو مٹانے کا ارادہ!

راحیل: تو پھر یہ کیوں نہیں کہتے کہ امیروں کے سر تاجِ زر کے لئے ہیں اور غریبوں کے سر امیروں کی ٹھوکر کے لئے ہیں!

بروٹس: بے شک!

عذرا: واہ رے مذہب اور واہ رے مذہبی پیشوا ؎

تمہارا غم ہے غم، مفلس کا صدمہ اک کہانی ہے
تمہارا عیش ہے عیش اور ہمارا عیش فانی ہے
یہاں بچپن بڑھاپا، واں بڑھاپا بھی جوانی ہے
تمہارا خون ہے خون اور ہمارا خون پانی ہے

یہ زر نہ یہ نخوت نہیں کیا ہے کے اپنے ساتھ جائے گا   یہیں رہ جائے گا سب یاں سے خالی ہاتھ جائے گا۔

راحیل: عادل سلطان! اب مجھے انصاف ملنے میں کیا دیر ہے! اگر آپ نے ابھی تک نہ سنا ہو تو میں اس سے بھی زیادہ بلند آواز سے انصاف انصاف پکار سکتی ہوں۔

بادشاہ: آہ کیا کروں کیا نہ کروں ؎

گھڑی شادی کی جو شادائی تھی ناشاد جاتی ہے
اُدھر انصاف جاتا ہے ادھر اولاد جاتی ہے
اندھیرے میں پڑا تھا کیا خبر تھی مجھ کو اس دن کی
جوانی اس کی اور محنت مری برباد جاتی ہے

عذرا: عادل سلطان! کیا بیٹے کی محبت اور انصاف میں جنگ ہو رہی ہے؟

بادشاہ: ہاں! مگر فتح انصاف ہی کو ملے گی۔

راحیل: تو پھر انصاف ملنا چاہئے۔

بادشاہ: ضرور ملے گا۔

راحیل: جناب والا سے؟

بادشاہ: ہاں، مجھ سے!

راحیل: تو کہاں؟

بادشاہ: یہاں!

راحیل: اس وقت؟

بادشاہ: اسی وقت! بڑھو! اے شاہی حکم کے پرستارو! اس ناخلف کو بیڑیاں ہتھکڑیاں پہناؤ اور مقدمے کا فیصلہ ہونے کے لئے کل اسے مذہبی عدالت میں لے جاؤ۔

دوسرا باب چوتھا پردہ

راحیل کا گھر

(راحیل کا گانا)

نرچھی نظروں سے مورا من ہر لینے
وہ کہتے ہیں کہ ترا دل چرا کے کیا لیتے
کہ جتنا چاہتے اتنا مجھے ستا لیتے

نہ اپنے کام کا دل ہے نہ یہ کسی قابل
وہ ایسی چیز ہی کیا تھی کہ ہم چھپا لیتے
پیا دل سے کے مورا سگر گیو رے

چمن میں باد صبا مست مست پھرتی ہے
چٹک چٹک کے ہر ایک شاخ سے نکلتی ہے
جو خم سے شیشے میں محفل میں مے اترتی ہے
تو منہ سے مستوں کے آواز یہ نکلتی ہے
آکے گلشن میں مورا اگل ترگیو رے
ترچھی نظروں سے . . . .

جس دن سے ہم آئے یہاں ملکِ عدم سے
دم بھر بھی فرصت نہ ملی رنج و الم سے
دنیا میں خوشی کا نہ کبھی جام ملے گا
جب قبر میں جائیں گے تب آرام ملے گا
اوہ! شہزادی میری رقیب آتی ہے۔ مضائقہ نہیں۔ جو حالت میری ہے وہی اس
کی ہے۔ جیسی میں دکھی ہوں ویسی ہی وہ بھی دکھی ہے
ڈیسیا: اے آسمان کے فرشتو! مجھے توفیق دو کہ میں بادشاہ مارکس کی جان بچاؤں اور شکستہ
دل یہاں سے اٹھ نہ جاؤں۔ (گاتا)
ساجن پہ ہے کیسی سکھی بپت آئی، سوتن جھلائی
کاسے کون جتن کروں رے مائی۔ ساجن پہ . . . . .
من کی کہوں کاسے کٹھن بپت کی بپتاں
آس پوری موری کرو تو رے شرن ہے جگ دھر پر ناگن آئی

راحیل: حضور! کیا آپ اس جہنم جلی کی دبی آگ کو بھڑکانے آئی ہیں! کیا اس بجھتے چراغ کو اور جلانے آئی ہیں؟

(ڈیسیا کا آنا)

ڈیسیا: اے حور شمائل راحیل!

راحیل: سہ
کون ہے حور و پری شمس و قمر آپ کہ ہم
کون ہے یار کی منظور نظر آپ کہ ہم

ڈیسیا: سہ
بخت لایا ہے مجھے تیری رسائی کرنے
میں ترے قدموں میں آئی ہوں گدائی کرنے

راحیل: سہ
جو مرا مال تھا سو تم نے چھپا رکھا ہے
اب یہاں کیا ہے، مرے ہاتھ میں کیا رکھا ہے

ڈیسیا: تمہارے ہاتھ میں اس نادان مارکس کی جان ہے۔

راحیل: وہ جان ہماری جان کے ساتھ جانے کی شایان ہے سہ
بُرے کا حال دنیا میں برا ہی ہو تو اچھا ہو
مجھے رسوا کیا جس نے الہی وہ بھی رسوا ہو

ڈیسیا: جس میدانِ قیامت میں نفسی نفسی پکاری جائے گی، وہاں کس کی جان تمہارے کام آئے گی؟ راحیل یہاں کی عدالت جابر ہے، شہزادے کی جان ناحق جائے گی سہ
آئین عدالت کا یہاں صاف نہیں ہے
آئینہ ہے اس میں مگر انصاف نہیں ہے

راحیل: یہی آئینِ انصاف ہوگا، اسی سے میرا آئینۂ دل صاف ہوگا۔

ڈیسیا: نہیں! ایسا نہ کہو، گو اس نے تمہیں ٹھگا ہے مگر اس دغاباز کو خدا پر چھوڑ دینا اچھا ہے سہ

آپ مرجائے بشر پر غیر کی جاں بخش دے
آرزو بخشش کی رکھتا ہو تو انساں بخش دے

راحیل: — چھوڑ دوں اُس کو کہ تم چین کرو اس کے ساتھ
چھوڑ دوں اُس کو کہ تم بولو ہنسو اس کے ساتھ

ڈیسیا: — میں کبھی دل نہ اہلِ دُنیا کو دوں گی
دل اگر دوں گی تو اپنے خدا کو دوں گی

راحیل: — اس کو میں آپ کی خاطر نہ کبھی چھوڑوں گی
اپنا دم توڑ دوں گی اور اس کا بھی دم توڑ دوں گی

ڈیسیا: نہیں، عزیز راحیل! نیکی کا نتیجہ بے کار نہیں۔ چلو آؤ عدالت میں کہہ دو کہ شہزادہ قصوروار نہیں۔

راحیل: قصوروار نہیں! جس نے مجھ کو گورکنارے لگا دیا وہ قصوروار نہیں! —
میں نہ گوارا اُس کی جدائی جیتے جی منظور کروں گی
ساتھ جیوں گی، ساتھ مروں گی، پیار کیا ہے پیار کروں گی

ڈیسیا: — بے خبر پیار کا جینا تجھے معلوم نہیں
سچے عاشق کا قرینہ تجھے معلوم نہیں
پیار میں یار کی راحت میں توقف نہ کرے
سر بھی کٹ جائے رہِ یار میں تو اُف نہ کرے

راحیل: اپنے کئے کی آپ سزا کیوں نہ پائے شمع
خود کیوں جلے اگر نہ کسی کو جلائے شمع

ڈیسیا: تم اپنے جوشِ غضب میں صرف رشک و رقابت کی صداؤں پر دوڑ رہی ہو۔ سچی محبت کے دل رُبا فرائض کو بھولی جا رہی ہو۔ مگر مجھے تو دیکھو کہ میں جنم کے

ساتھ اُس کی ہونے والی حق دار بیوی اس سے دست بردار ہو کر بھی اس کی سلامتی کے لئے اپنی شان کے خلاف ذلتیں اُٹھا رہی ہوں، تمہارے پاؤں پر سر جھکا رہی ہوں۔ مجھے اُس کی جان کی خیرات دو، چاہے اُس کے بدلے میری جان لے لو۔

راحیل: آہا! یہ قدرت کا انتقام ہے۔ یہ عبرت کا مقام ہے کہ جو مغرور کسی کا سر ذلیل سمجھ کر ٹھکراتے ہیں، وہی مجبور ہو کر ایک دن اس کے پیروں پر سر جھکاتے ہیں اچھا! اس کی جاں بخشی کا انعام!

ڈلیسیا: منہ مانگا معاوضہ! جو چاہو کسو لو! پر شہزادے کی جان بچالو۔

راحیل: نہیں، یہ ٹوٹا ہوا دل اور بھی چور چور کر دوں گی۔ مگر تمہارا سخن کبھی نہ منظور کروں گی

ڈلیسیا: میں منظور کراؤں گی! تمہیں پاؤں پر پڑ کر مناؤں گی، اگر سچی اشراف عورت ہو تو مردمی دکھاؤ۔ جہنمی دیوتا بن کر نیک عورت کا نام نہ ہنساؤ۔

راحیل: نہیں! نہیں! عورتوں کا نام نہیں ہنساؤں گی۔ مردوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں دوں گی کہ ایک رومن شہزادی نے سر جھکایا اور ایک مغرور یہودن نے رحم نہ کھایا۔ اُٹھو، شہزادی اُٹھو، گو میں اس میں اپنی دادبھی داد نہ پاؤں گی مگر تمہاری اس گریہ وزاری سے جفا پر بھی وفا دکھاؤں گی۔ سر کاٹ جاؤ، خوف نہ کھاؤ۔ جب میرا جسم پاک خاک میں مل جائے اور بے وفا دنیا ہماری قوم کو خود غرض بتائے، اُس وقت تم پکار کر کہہ دینا کہ شکستہ دل راحیل اگرچہ یہودی، مگر سچی، وفادار اور پیار کا سدا بہار گلشن تھی۔

ڈلیسیا: آفرین! او سچے پیار کی پتلی آفرین! اگرچہ موت کا دروازہ اس وقت تمہارے سامنے کھلا ہے مگر جنت کا داروغہ تمہاری پیشوائی کو کھڑا ہے۔

راحیل: میں چلوں گی اور اس بے وفا کا آخری دیدار دیکھ کر مروں گی۔ راحیل مرجائے

گی۔ مگر جو کہا ہے اُسے کر دکھائے گی۔ بچائے گی اور اسے ضرور بچائے گی سہ

غریبوں کا بھی کوئی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا
بُت کافر ہمارا بھی خدا ہوتا تو کیا ہوتا

کوئی لذّت نہیں ہے پھر بھی دنیا پیار کرتی ہے
خداوندا محبّت میں مزا ہوتا تو کیا ہوتا

جب اتنی بیوفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہو
الٰہی وہ ستمگر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

سنا ہے حشر وہ ذکر وفائے غیر کرتے ہیں
جو میں بھی بیچ میں کچھ بول اُٹھا ہوتا تو کیا ہوتا

دوسرا باب پانچواں پردہ

مذہبی عدالت

بروٹس: تو ہوش میں ہے؟

راحیل: ہاں!
بروٹس: تجھ پر کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا گیا؟

راحیل: نہیں!
بروٹس: تو تو اپنا پہلا بیان واپس لیتی ہے!

راحیل: ہاں!
عذرا: راحیل! راحیل! کیوں محبّت میں اندھی ہو گئی ہے؟

راحیل: اس لئے کہ اب اور کچھ نظر نہیں آتا۔
عذرا: کیوں اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود رہی ہے
راحیل: اس لئے کہ قبر میں جاؤں گی تو بے وفاؤں کے ظلم سے نجات پاؤں گی۔
عذرا: عدالت اس کی باتوں کا یقین نہ کرے۔ اس پر ضرور کسی نے جادو کر دیا ہے
بروٹس: راحیل! میں روم کے قانون کے مطابق تجھ سے تیسری بار اور پوچھتا ہوں
کہ تو شہزادہ مارکس پر لگائے ہوئے تمام الزامات واپس لیتی ہے۔
راحیل: ہاں! لفظ بہ لفظ
عذرا: ؎ دل آیا جب تو رک سکتا نہیں زنہار عورت کا
مزاج مرگ سے بھی مستقل ہے پیار عورت کا
مارکس: ؎ یہ کیا معنی زباں بدلی سخن بدلے ادا بدلی
یہ کیونکر اس جفا دیدہ نے طرزِ وفا بدلی
چھپاتی ہے گھٹا بن کر یہ میرے جرم عصیاں کو
الٰہی آج اس گلزار کی کیسی ہوا بدلی
بروٹس: عذرا چونکہ تم بھی اس دعوے کی تائید کرنے والے تھے اس لئے اب تم
کیا کہتے ہو۔
عذرا: جس قدر افریقہ کے بیابان میں ریگ کے ذرے ہیں ان سے بھی زیادہ میرے
پاس الفاظ تھے، مگر اس نا عاقبت اندیش کی وجہ سے اب کچھ نہیں کہنا چاہتا،
اور عدالت کے فیصلے کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں۔
بروٹس: تو اب میرا فرض اشارہ گیا ہے کہ اپنا حکم سناؤں۔ شہزادہ مارکس! عزت
و آبرو کے ساتھ آپ کی رہائی کی جاتی ہے۔ راحیل اور عذرا تمہیں ایک رومن
شہزادے پر بلا ثبوت جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں زندہ آگ میں جلانے

جانے کی سزا دی جاتی ہے۔

راحیل:۔ میرے باپ کو سزا؟ میرے باپ کو میرے جرم سے کیا سروکار؟

بروٹس:۔ اس لئے کہ یہ تمہارا معاون و مددگار ہے

راحیل: نہیں! نہیں! یہ ناانصافی ہے، ظلم ہے۔ مجھے ماردو۔ برباد کردو، مگر میرے بوڑھے باپ کو آزاد کرو۔

بروٹس: اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اجلاس برخاست!

مارکس: بزرگ باپ! اس وفادار لڑکی نے چونکہ میرے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا ہے اس لئے اگر آپ اپنے ولی عہد اور ہونے والے شہریار کو ہمیشہ کے لئے حلقہ بگوش بنانا چاہتے ہیں تو اس کی رہائی کی تدبیر فرمائیے۔

بروٹس: شہزادے! میرے دل میں خود نامعلوم جذبات کا تلاطم ہے۔ میں خود اس لڑکی پر رحم کرنا چاہتا ہوں، مگر افسوس کہ قانون کا شکنجہ اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

مارکس: کچھ بھی تدبیر فرمائیے۔ مگر اس کی جان بچائیے

بروٹس: اچھا، آپ جائیے! مجھ سے جو ممکن ہوگا وہ کروں گا۔ راحیل! اگر تمہارا باپ تمہارے بچانے کے لئے تم سے کوئی درخواست کرے تو تم منظور کروگی؟

راحیل: دل و جان سے۔

بروٹس: عذرا! تم اپنی لڑکی کو موت کے پنجے سے بچانا چاہتے ہو؟

عذرا: دل و ایمان سے۔

بروٹس: تو اجازت دو کہ یہ اپنا مذہب چھوڑ کر ہمارے مذہب میں شامل ہو۔ اور اس کے ساتھ تم بھی ہمارے مذہب میں داخل ہو۔

عذرا: کیا دو روزہ زندگی کے لئے تبدیلِ مذہب کرلیں؟ نہیں، زینہار نہیں! مرنا منظور ہے، مگر یہ دل لگا ہے عذرا تبدیلِ مذہب آبائی سے مجبور ہے ؎

کب نبھاتی ہے یہ دنیا کسی انسان کے ساتھ
قسمت اُس شخص کی اُٹھ جائے جو ایمان کے ساتھ

بروٹس: تو کیا میری صلاح منظور نہیں؟

عذرا: ہرگز نہیں! اپنی بچی کے بچانے کو اور سب کچھ کرنے کو تیار ہوں مگر اپنا پیارا مذہب چھوڑنے سے ناچار ہوں۔

بروٹس: بدبخت یہودی! میری صلاح تمہاری بقائے حیات کے لئے اور روح کی نجات کے لئے ہے۔

عذرا: آدمی کی نجات کا سچا رہنما، اس کا دینی طریقہ اور آبائی عقیدہ ہے ؎

ہر طرف سے راستہ ہے خانۂ اللہ کا　　دیر، کعبہ یا کلیسا پھیر ہے اک راہ کا

بروٹس: اپنی گر جان ہے تو سب کچھ ہے۔

عذرا: اپنا ایمان ہے تو سب کچھ ہے۔

بروٹس: اپنا امکان ہے تو سب کچھ ہے

عذرا: اپنا یزدان ہے تو سب ہے

بروٹس: عذرا! عذرا! یہ میری مہربانی ہے کہ میں اس وقت تیری جان بچانے کو تیار ہوں، ورنہ تو جانتا ہے کہ میں یہودیوں کی صورت تک سے بیزار ہوں۔

عذرا: ہاں! اسی اُسی بیزاری اور نفرت کا نتیجہ ہے کہ قدرت نے تمہارا غرور توڑ دیا ہے۔ تمہارا گھر بار، بیوی بچے سب کچھ تم سے چھین کر تمہیں اس دنیا میں تنہا جلنے اور کڑھنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔

بروٹس: میری پچھلی زندگی کے واقعات تو کیسے جانتا ہے؟

عذرا: بے درد رومن! عذرا آج سے نہیں، تجھے سولہ برس سے پہچانتا ہے۔ تمہیں ہو جس نے لاکھوں بچوں کو یتیم اور لاکھوں عورتوں کو بیوہ بنایا ہے

خدا پر ہے ظلم آشکارا تمہارا — ہمیں یاد ہے زور سارا تمہارا
کھلے گی حقیقت ہماری تمہاری — جب انصاف ہوگا ہمارا تمہارا

بروٹس: میں نے تیری قوم کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس کی مستحق تھی۔ مگر اب میری مہربانی دیکھ کر تجھے سراسر مجرم پاتا ہوں، پھر بھی تیری جان بچاتا ہوں

عذرا: مجھے اب جان کی پرواہ نہیں ہے، البتہ یہ آرزو ہے کہ مرنے سے پہلے ایک پُرفن قاتل رومن کا سارا کس بل نکال دوں، اور اُس کے پتھر جیسے کلیجہ میں چٹکیاں لے لے کر چھالے ڈال دوں ؎

میں ہنستا ہوں کلیجہ تھام کر روتا ہوا تو ہو
مری آنکھوں میں نظر آئے تری آنکھوں میں آنسو ہو

بروٹس: میں تجھے سخت بے وقوف پاتا ہوں۔

عذرا: میں تجھے آج سے سولہ برس پیشتر کا واقعہ یاد دلاتا ہوں، جب شاہ سیزر کے قلم سے تمام روما میں ہر طرف آگ بھڑکی تھی، اس وقت تیرے گھر میں ایک خوبصورت بیوی اور بیوی کی گود میں چھ مہینہ کی خوبصورت لڑکی تھی۔

بروٹس: اس بات کے یاد دلانے سے تمہاری کیا مراد ہے؟

عذرا: میں پوچھتا ہوں کہ ان دونوں کے آگ میں جلنے کا واقعہ تو خوب یاد ہے!

بروٹس: ہاں میں اس منحوس دن کو جب موت نے میری بیوی اور بچی کو مجھ سے چھین لیا، کبھی نہیں بھول سکتا ؎

ابھی تک غم سے کڑھتا ہے ابھی تک یاد کرتا ہے
مرا ٹوٹا ہوا دل آج تک فریاد کرتا ہے

عذرا: تمہاری بیوی ضرور اس آگ میں جل کر مرگئی، مگر بچی۔۔۔۔

بروٹس: کیا وہ زندہ رہی!

عذرا: ہاں!

بروٹس: اُسے کس نے بچایا؟

عذرا: خدا کی قدرت نے۔

بروٹس: کس نے آگ سے نکالا؟

عذرا: ایک رحم دل یہودی کے ہاتھ نے

بروٹس: وہ کون ہے؟

عذرا: نہیں بتا سکتا۔

بروٹس: اُس کا نام

عذرا: نہیں بتا سکتا۔

بروٹس: اس کا ٹھکانا؟

عذرا: نہیں بتا سکتا۔

بروٹس: نہیں، عذرا! تمہیں بتانا ہوگا۔

عذرا: ہرگز نہیں! یہ میرا راز ہے جو زندگی کا دم ساز ہے۔

بروٹس: نہیں، عذرا! مجھ پہ رحم کرو۔

عذرا: رحم! رحم! آج پہلا روز ہے کہ رحم کا لفظ تمہاری زبان پر آیا ہے اب تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ رحم کی ضرورت مظلوم یہودیوں ہی کو نہیں، ظالم رومنوں کو بھی ہوا کرتی ہے۔ ایک کنگال، مفلس یہودیوں کے پاس رحم کہاں سے آیا؟ جاؤ! اپنے قانون سے مانگو۔ اپنے دیوتاؤں سے طلب کرو، اپنی قوم کے آگے گڑگڑاؤ سے

کیا کیا ہے عمر میں جو رحم کی سوغات آئے
بیج ہی بویا نہیں تو پھل کہاں سے ہات آئے

بروٹس : بتا دے ! عذرا بتا دے ! میں تم سے اپنے پچھلے قصوروں کی معافی چاہتا ہوں۔
یہ سر جو مذہبی پیشوا کا تاج پہننے کے بعد اس ملک کے بادشاہ کے سامنے بھی
نہیں جھکا، وہ تیرے قدموں میں جھکاتا ہوں -
عذرا : کیوں کیسا جھٹکا لگا ؛ جب اپنے سر مصیبت آئی تو کتنی جلدی گردن جھکائی -
جب تم نے ترس کھانے سے انکار کیا تھا اب میں رحم کھانے سے انکار کرتا ہوں۔
بروٹس : تو انکار ؟
عذرا : ہزار بار !
بروٹس : نہیں بتائے گا ؟
عذرا : نہیں !
بروٹس : جواب نہیں دے گا ؟
عذرا : نہیں !
بروٹس : رحم نہیں کرے گا ؟
عذرا : نہیں نہیں ! نہیں !
بروٹس : اچھا نہیں تو نہ سہی - اب میں زبردستی تیرے سینے سے یہ راز نکلواؤں
گا - تیری ایک ایک بوٹی کا قیمہ بنا کر کتوں کو کھلاؤں گا - جاؤ لے جاؤ اسے

جلادو پھونک دو جھگڑا ہی سارا پاک کر ڈالو
شجر کے ساتھ ہی اس کا ثمر بھی خاک کر ڈالو
رکھو اسے بھی وہیں جس جگہ یہ آپ رہے
اب اس زمین پہ بیٹی رہے نہ باپ رہے

راحیل : مغرور سردار !
بروٹس : مردار !

عذرا: خبردار!

(ڈراپ)

تیسرا باب　　　　پہلا پردہ

جیل خانہ

(گانا راحیل)

برہن کے گھر چھائی بدریا برست ہے گھنگھور
پاپی پپیہا پیو نہیں آئے، مور مچائے شور، من کی کلی کھلے آؤ سنوریا سونی نگریا میں
مورے کوئلیا کالی کالی بولے بول ہولے ہولے، جیا میں رس گھولے۔

ہاں پاپی پپیہا.....

نہ گل پایا نہ باغ دہر میں کوئی ثمر پایا
گلستاں جس کو کہتے تھے اُسے کانٹوں کا گھر پایا

کہیں اب جلد خالی ہو مرا پیمانۂ ہستی
کہ میں نے عالم امکاں کے میخانہ سے بھر پایا

مارکس: پیاری راحیل! تم کہاں ہو؟
راحیل: آہا! یہ تو اُسی فتنہ پرداز کی آواز ہے سہ

زہے تقدیر جذبِ دل نے کی تاثیر دشمن پہ
پسِ مردن وہ آیا فاتحہ کو میرے مدفن پہ

مارکس: آہ راحیل! میں اپنے برتاؤ سے سخت شرمسار ہوں۔ جو سزا دو اُسے قبول
کرنے کو تیار ہوں۔

راحیل: پیارے نغمہ سے

کیوں آئے بزم عیش سے بزم عزا میں تم
کیوں آئے میرے واسطے پڑنے بلا میں تم
نہ دیکھا جائے گا صدمہ تمہارے دل سے عاشق کا
مری جاں دم نکلتا ہے بڑی مشکل سے عاشق کا

مارکس: سے
اس وقت تجھ سے آنکھ چرائیں تو حیف ہے
اب بھی نہ تجھ کو پوچھنے آئیں تو حیف ہے

راحیل: سے
شہزادی سے اب عقد مری جان کرو تم
بے خوف و خطر عیش سے گزران کرو تم

مارکس: سے
اب پیار کسی سے مرا زنہار نہ ہوگا
جب تو ہی نہ ہوگی تو مرا پیار نہ ہوگا

راحیل: سے
تم مرے غم میں نہ دل اپنا دکھانا پیارے
میرے خون بہنے پہ آنسو نہ بہانا پیارے

مارکس: پیاری راحیل! کیا تمہارا باپ تمہارے لئے اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا؟

راحیل: نہیں سے
وہ بندۂ حق راہ وفا سے نہ پھرے گا
پھر جائے گا دنیا سے خدا سے نہ پھرے گا

مارکس: سے
مجھ کو کچھ ایسے وقت میں فرمان تو کرو
اظہار اپنے دل کا کچھ ارمان تو کرو

راحیل: ارمان یہ ہے کہ میرے باپ کا دیا ہوا خریطہ اپنے پاس رکھنا۔ ہم دونوں کے بعد اسے کھولنا۔ اگر کوئی حکم قابلِ تعمیل پانا تو اسے میری روح و جان کی خاطر بجا لانا۔

مارکس: منظور! ع جو کچھ عطا ہوئی ہے کرنا اُسے عطا تم
راحیل: ع پیار سے معاف کرنا میرا کہا سُنا تم
ے میری قسمت نے مجھے پیکِ قضا کو سونپا
جا مری جان! تجھے میں نے خدا کو سونپا

سین ختم

تیسرا باب دوسرا باب

کڑاہی والا منظر

عذرا: اوظالم رومنو! متواتر دو صدی تک ستانے، مٹانے اور برباد کرنے کے بعد بھی تمہارا حیوانی جوش اور حیوانی تعصب ٹھنڈا نہیں ہوا ـــــــ او خدا! او خدا! آخر کب تک یہ خوں چکاں نظارہ دیکھا جائے گا؟ کب تک تیرا قہر وغضب جو انتقام کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے ہوئے ان کی گستاخی کو نفرت سے دیکھ رہا ہے، جوش میں نہ آئے گا؟ ے

میرے مولا کب تلک غصّہ نہ ان پہ آئے گا
ظالموں پر رحم آخر کب تلک فرمائے گا
کب تلک ہوتے رہیں گے بےکسوں پر ظلم وجبر
کب تلک یہ منظرِ خونیں تو دیکھے جائے گا

بروٹس: بدبخت بڈھے! اپنا مذہب چھوڑ کر ہمارے مذہب کے دائرے میں کیوں نہیں آتا؟ اپنے خدائے نادیدہ کو چھوڑ کر کیوں نہیں ہمارے خداؤں کے سامنے سر جھکاتا ہے

درست پھر سے تری سرگزشت ہو جائے
ابھی بدل کے یہ دوزخ بہشت ہو جائے

عذرا: ظالم رومن! فانی زندگی کا لالچ دکھا کر تو اس بوڑھے کو اپنے آبائی عقیدے اور الٰہی دین سے نہیں بہکا سکتا۔ دنیا کی زندگی ایک خواب ہے اور خواب کے نشے میں اپنی آخرت کی مسرتوں کو خاک میں نہیں ملا سکتا سہ

موت کیا ہے زندگی کا لازمی انجام ہے
موت سے ڈرنا سراسر احمقوں کا کام ہے
غم تو جب ہوتا کہ میں مرتا خیالِ خام پر
جان جس نے دی ہے دے دوں گا اسی کے نام پر

بروٹس: اچھا دیکھا جائے گا۔ سپاہیو، اس کو اٹھا کر تیل کے کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں ڈال دو۔

عذرا: چند منٹ، صرف چند منٹ ٹھیرو۔ راحیل! آخر وہ وقت آ گیا جس کا مجھے انتظار تھا جس کے لئے سولہ برس سے میرا دل بے قرار تھا۔ میرے دل میں ایک تلاطم برپا ہے بتا تو دنیا اور دین دونوں میں سے کس چیز کو پسند کرتی ہے؟

راحیل: ابا جان! دکھ بیماری اور دیگر تکالیف سے بھری ہوئی دنیا کے لئے حقیقی مسرت اور جاودانی سرور سے آنکھیں بند کر دوں! لعل کو ٹھوکر مار کر پتھر کو پسند کر لوں! سنئے

اس زندگی کے واسطے لب پر نہ آہ ہو
ہاں صرف ہو تو اشہد ان لا الٰہ ہو

عذرا: شاباش! اے میری نور العین شاباش! سہ

یہ آگ تیرے واسطے باغِ خلیل ہو
یہ موجِ نار تیرے لئے موجِ نیل ہو
جس وقت تیری جان ترے تن سے جدا ہو   اس وقت ترے ہونٹوں پہ بس نامِ خدا ہو

بروٹس: جب اسے تبدیل مذہب سے انکار ہے تو دیر بیکار ہے۔ جاؤ لے جاؤ

تڑپ تڑپ کے مریں اس طرح ہلاک کرو
جھلس دو آگ میں ان کو جلا کے خاک کرو

عذرا: اس لڑکی پر صرف اس شاداب گلاب کی کلی پر رحم کرو۔

بروٹس: کبھی نہیں! بس بوڑھے اگر اس کی اور اپنی جان بچانا ہے تو بتا کہ ردما کی خوفناک اور تباہ کن آگ سے میری بچی کو کس نے نکالا اور کس نے پالا؟

عذرا: اچھا بتاتا ہوں، مگر ایک شرط پر۔

بروٹس: جلد بول، وہ کیا ہے؟

عذرا: جب میں تمام راز ظاہر کر دوں تو میرے ہاتھ کا اشارہ پاتے ہی اس لڑکی کو آگ کے شعلوں میں جھونک دیا جائے اور میرے سینے میں بھی آبدار خنجر بھونک دیا جائے۔

بروٹس: منظور ہے۔

عذرا: اچھا تو سنو! ردما کی آتش زدگی سے دو برس پہلے کا واقعہ ہے کہ تم نے محض سلام نہ کرنے کے جرم میں میری بچی کو اس کی ماں کی گود سے چھین کر آگ کے تنور میں ڈال دیا تھا۔ مگر آہ ظالم، خونخوار دشمن! اس وقت جب کہ ردما کی گلی کوچوں میں نیرو کی آگ سے زلزلہ انگیز تلاطم برپا تھا۔ میں تمہارے گھر کی چھت پر چڑھا اور تمہاری چھ مہینے کی شیر خوار بچی کو جو اپنی مردہ ماں کے سینے پر پڑی ہوئی دھوئیں کی گرمی سے بلک رہی تھی، اٹھالیا اور اپنی اولاد بنا کر پالا

بروٹس: تم نے! آہ عذرا! میرے مہربان عذرا! تم نے نکالا؟ اور تم نے پالا؟

عذرا: ہاں! میں نے! مظلوم اور کنگال یہودی نے جس کی مظلوم اور بے زبان بچی کو تو نے موت کے تنور میں جلایا۔ اس نے تیری اولاد کو خوفناک شعلوں کی

پلیٹ اور تباہ کن آگ کے منہ سے بچایا ہے

ستم گری سے چمن میرا پائمال کیا
قصائی تو نے مرے خون کو حلال کیا

بروٹس: مگر وہ کہاں ہے؟ کون!
عذرا: وہ ہے غور سے دیکھ
بروٹس: کون! یہ یہودن لڑکی راحیل!
عذرا: یہودن نہیں رومن ہے۔ یہ میری نہیں تیری بچی پرمحن ہے۔
بروٹس: مگر اس کا ثبوت؟
عذرا: ثبوت چاہیئے؟ دیکھ کنٹھی اور مالا۔
بروٹس: آہ یہی ہے، یہی ہے۔ میری لخت جگر! نور بصر لوینا! آ! میرے دل کے سرشتا راحیل! میرا باپ!
عذرا: خبردار! وعدہ پورا کر۔ چلو! اس کو آگ میں جھونک دو۔ اور مجھ مبتلائے محن کے سینے میں آبدار خنجر بھونک دو۔
بروٹس: نہیں! میرے محن عذرا! اب یہ نہیں ہو سکتا۔
عذرا: کیوں نہیں ہو سکتا؟ ے

غیر کی آواز کا دل میں نہ تھا کچھ رنج و درد
اپنی حالت یاد کر کے کھینچتے تھے آہ سرد
میری بچی جان کر کہتے تھے اس پر ظلم و جور
جب ہوا معلوم اپنی ہے تو پھر کرتے ہو غور

چلو اسے جاؤ

بروٹس: نہیں، عذرا رحم کر! میرا قصور معاف کر! میری طرف سے اپنے دل کو صاف کر۔

عذرا: آہ راحیل! میری سولہ برس کی کمائی۔ جا، اپنے باپ کے دل کو ٹھنڈک پہنچا
بروٹس: نہیں! میرے بزرگ بھائی! چونکہ اس نور نظر نے جس طرح آج تک تمہیں اپنا باپ سمجھا ہے، اسی طرح عمر بھر سمجھے گی اور جس دین کے دامن میں پرورش کردہ ہوئی ہے، اُسی میں آخری سانس تک رہے گی۔
راحیل: میرے محترم بزرگ! میرے مقدس باپ! جس کے تقدس نے مجھے بت پرستی سے نکال کر خدا کی توحید کے گلشن کی گل چینی کا افتخار بخشا ہے کبھی نہ چھوڑوں گی۔ آپ کی عزت اور ہمیشہ کی خدمت سے منہ نہ موڑوں گی۔
مارکس: پیاری راحیل! میں اپنی گزشتہ بے وفائی سے نہایت شرمسار ہوں اور جو سزا اس جرم کی دی جائے اسے قبول کرنے کو تیار ہوں۔
راحیل: میری جان! یہ دنیا مکار، دھوکے اور فریب سے پُرخار ہے ....
ڈیسیا: میری عزیز بہن! جب کہ تم رومن نسل اور مقدس پیشوائے مذہب کی معزز بیٹی ہو تو پھر انصاف چاہتا ہے کہ جس ہاتھ کی میں امیدوار ہوں، تمہارے گلوئے آبدار کا زیور بنایا جائے، میری خوشی میں تمہیں بھی حصہ دار بنایا جائے۔
بادشاہ: ہاں، ایسا ہی ہونا چاہئے۔

(منظر کا بدلنا)

(سب کا آنا اور شادی کا اہتمام)

بادشاہ: ~ فرخ، سعید، رشک سماد سمک رہو
زندہ رہو، نہال رہو، حشر تک رہو
بروٹس: ~ خوش، ایک دوسرے پر سدا مہرباں رہو
زندہ رہو، نہال رہو، شادماں رہو
گانا: آؤ گیاں بل گاویں، گاویں ابن موہن کو رجھاویں۔

پیا جیا بیا، میں تو پہ وار دوں سب جان، آؤ......
سجن موہن آؤ، آؤ، برہا اگن کو بجھاؤ ـ
کارے نیناں من بھاویں، لبھاویں، حیا میں سبئے تو سے نین، نا ہیں ہے
چین، گئے تارین، سجن مکر دکھاؤ ـ آؤ . . . . .
(ڈراپ کا گرنا)

٭٭٭

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ، ناکہ جے جے ہسپتال، بمبئی